تاریخِ اسلام

زمانہ قبل از اسلام سے عہدِ حاضر تک

مرتبین: محمود الحسن صدیقی
چراغ حسن حسرت
ریاض الاسلام

Marfat.com

تاریخ اسلام

(زمانہ قبل از اسلام سے عہد حاضر تک)

مرتبین

محمود الحسن صدیقی ○ چراغ حسن حسرت

ریاض الاسلام

مکتبۂ جمال

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 7232731 Mob: 0300-8834610

Email: maktabajamal@yahoo.co.uk

maktaba_ jamal@email.com

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ..... تاریخ اسلام (زمانہ قبل از اسلام سے عہد حاضر تک)

مرتبین ..... محمود الحسن صدیقی ○ چراغ حسن حسرت

ریاض الاسلام

اہتمام ..... میاں غلام مرتضیٰ کھٹانہ

ناشر ..... مکتبہ جمال ○ لاہور

مطبع ..... تایا سنز پرنٹرز ○ لاہور

اشاعت 2008ء

قیمت ..... 330 روپے

ملنے کا پتہ:

مکتبۂ جمال

تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 7232731 Mob: 0300-8834610

Email: maktabajamal@yahoo.co.uk

maktaba_ jamal@email.com

فہرست

تمہید	۶	
عرب اسلام سے پہلے	۹	۹
اسلام سے پہلے دنیا کی حالت	۱۹	
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم	۳۱	
ہجرت کے بعد	۴۲	
خلفائے راشدین	۵۴	
حضرت ابوبکرؓ کی ابتدائی زندگی	۵۶	
حضرت عمرؓ	۶۵	
حضرت عثمانؓ	۷۷	
حضرت علیؓ	۸۰	
خلیفہ کا انتخاب	۸۳	
بنوامیہ کا دور حکومت	۹۰	
خلفائے بنی امیہ	۹۰	
عہد بنی امیہ کی فتوحات	۱۰۶	
نظام حکومت اور معاشرت	۱۱۹	
بنوعباس	۱۳۳	
عباسیوں کا زمانہ اقبال اور غیر ملکی اثرات	۱۴۰	
عباسیوں کا عہد زوال اور خودمختار حکومتیں	۱۵۴	
سلجوقی خاندان	۱۶۴	
صلاح الدین سے خلافت عباسیہ کے خاتمے تک	۱۷۷	
بنوعباس کا عہد خلافت	۱۹۳	
معاشرت	۱۹۹	
علم وفن	۲۰۵	
عرب یورپ میں	۲۱۶	
ہسپانوی مسلمانوں کی تہذیب۔ معاشرت اور علم وفن	۲۳۱	
سلطنت عثمانیہ	۲۳۸	
سلطنت عثمانی کے زوال کا زمانہ	۲۵۲	
عالم انیسویں اور بیسویں صدی میں	۲۶۷	

Marfat.com

تعارُف

کراچی بورڈ آف ایجوکیشن ۱۹۵۰ء میں قائم ہوا تھا۔ اپنے قیام سے چند روز کے بعد اُس نے ثانوی تعلیم کے نظام کی جانب توجّہ کی۔ اور ثانوی مدارس کے نصاب اور درس و تدریس کے طریقوں کا جائزہ لیا۔ چونکہ پاکستان کی نئی مملکت کے قائم ہونے کی وجہ سے ہماری تعلیمی ضرورتیں بدل چکی تھیں۔ اور نظامِ تعلیم کو بدلے ہوئے حالات کے سانچے میں ڈھالنا ضروری تھا۔ اِس لئے بورڈ نے ثانوی تعلیم کو جدید ضروریات کے مطابق بنانے کے لئے ایک خاکہ مرتّب کیا۔ جس میں بعض نمایاں تبدیلیاں کرنے اور اُسے ایک متعیّن اور واضح راستے پر ڈالنے کے لئے چند اہم تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ ان تجاویز کو مرکزی حکومت نے قبول کر لیا۔ چنانچہ سال رواں سے ان پر عمل کیا جا رہا ہے ٭

ثانوی تعلیم کے اس جدید خاکے میں منجملہ دوسری باتوں کے یہ چیز بھی شامل ہے۔ کہ نصاب میں کچھ نئے مضامین داخل کیے جائیں۔ اور جو مضامین پہلے سے پڑھائے جا رہے ہیں۔ انہیں موجودہ عہد کی ضروریات کے پیشِ نظر نئے قالب میں ڈھالا جائے۔ جو مضامین کراچی کے ثانوی مدارس میں مُدّت سے پڑھائے جا رہے ہیں۔ ان میں جغرافیہ اور تاریخ اِس اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ کہ ان کے ذریعے طلبہ میں شہری ذمہ داریوں اور معاشری فرائض کا احساس پیدا کرنے کے علاوہ انہیں بلند اخلاقی کا سبق دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ یہ ضروری معلوم ہوا۔ کہ ان مضامین میں افادی اعتبار سے جو وسعت ہے۔ اُس سے پُورا پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ اور پاکستان کی نئی نسل کو شہریت کی ذمہ داریوں سے عُہدہ برآ ہونے کے لئے تیار کیا جائے ٭

ان مضامین کی اہمیّت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ بھی ضروری سمجھا گیا۔ کہ جغرافیہ اور تاریخ کی درسی کتابوں کا خاکہ بڑی

Marfat.com

احتیاط سے تیار کیا جائے۔ اور ان کی طباعت و اشاعت میں بھی جدید معیار کا خیال رکھا جائے۔ بڑے غور و خوض کے بعد یہ طے پایا۔ کہ یہ کام امریکہ کے ایک مشہور ادارۂ تالیف و اشاعت کے سپرد کیا جائے۔ جسے درسی کتابوں کی طباعت و اشاعت کا طویل تجربہ ہے۔ چنانچہ امریکہ اور پاکستان کے ممتاز اہلِ علم نے جو جغرافیہ اور تاریخ پر پوری طرح عبور رکھتے ہیں۔ اِن کتابوں کی تالیف میں حصّہ لیا ہے۔ اُنہوں نے جدید تعلیمی نظریوں، درس و تدریس کے نئے طریقوں اور نصابِ تعلیم کے اہم اصُولوں کی روشنی میں باہمی اشتراک سے ان کتابوں کے لئے مسالہ اکٹھا کیا۔ اور پھر ہمارے مُلک کے ثانوی مدارس کے عام معیار کو سامنے رکھ کر اسے مرتّب کر دیا +

درسی کتابیں اِس لئے مرتّب کی جاتی ہیں۔ کہ ان کے ذریعے اُستاد کو طلبہ کی اعانت کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ یعنی طلبہ جو کچھ سیکھتے ہیں۔ درسی کتابوں کی مدد سے اس پر زیادہ غور و خوض کر سکتے ہیں۔ اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے ہیں۔ اُمید ہے کہ درسی کتابوں کے اس سلسلے کے ذریعے یہ مقصد بہت حد تک پورا ہو جائے گا۔ لیکن یہ یاد رہے۔ کہ طلبہ کو تعلیم دینے کے لئے جو ذریعے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان میں درسی کتاب بھی منجملہ دوسرے ذرائع کے صرف ایک ذریعہ ہے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ یہ ذریعہ بجائے خود بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اصل چیز تو یہ ہے۔ کہ اُستاد جو مضمون پڑھائے۔ اس پر پوری طرح عبور رکھتا ہو۔ طلبہ کی نفسیات اور ان کی ضرورتوں سے واقف ہو۔ پھر وہ جو کچھ پڑھائے۔ اس کے لئے ہر روز پوری تیاری کر کے آئے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے۔ کہ درسی کتاب اِن چیزوں کے بدل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی اس نے طلبہ کو اُستاد سے بے نیاز کر دیا ہے۔ تو تعلیم ہرگز مؤثر ثابت نہیں ہو گی۔ اور اس کی افادیت کو شدید نقصان پہنچے گا +

Marfat.com

تمہید

یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔ کہ تاریخِ اسلام پاکستان کے ثانوی مدارس کے تعلیمی نصاب میں شامل کرلی گئی ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اسکولوں میں پڑھائی جارہی ہے۔ دراصل طلبہ کا اسلام کی رُوح' اُس کے نصب العین اور اُس کی نشوونما اور توسیع واشاعت کے مختلف مدارج سے واقف ہونا بڑا ضروری ہے۔ وہ اپنے تہذیبی ورثے کے اس اہم پہلو سے اسی طرح آگاہ ہوسکتے ہیں۔ کہ تاریخ اسلام کے پڑھانے پر خاص توجہ صَرف کی جائے ٭

آج سے کچھ عرصہ پہلے تک تاریخ اسلام ہماری درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں سرے سے شامل ہی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اسلامی تاریخ کی درسی کتابیں جو مطلوبہ معیار پر پُوری اُترتی ہوں۔ کمیاب ہیں جو معدودے چند کتابیں ملتی ہیں۔ اُن میں بعض تو مبتدیوں کے لئے ہیں جن میں اسلامی تاریخ کے صِرف موٹے موٹے واقعات جمع کردیئے گئے ہیں۔ یا بڑی دقیق اور ضخیم کتابیں ہیں۔ جو ثانوی مدارس کے طلبہ کے لئے موزوں نہیں ٭

اِن کے علاوہ اسلامی تاریخ کے متعلق جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض میں تو خلافتِ راشدہ تک کے حالات ہیں۔ بعض میں بغداد کی تباہی اور عبّاسیوں کے خاتمے تک کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اِن کے علاوہ بعض ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن کا دائرہ عہدِ حاضر کے اسلامی ممالک اور اُن کے مسائل تک محدُود ہے۔ غرض اسلامی تاریخ کی اکثر کتابوں میں بغداد کے زوال سے لے کر موجودہ عہد تک کے حالات کو نظر انداز کردیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ زمانہ جو کئی سَو برس کی مدّت پر پھیلا ہوا ہے۔ بجائے خود بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ طلبہ کو اسلامی تاریخ کی عام کتابیں پڑھنے سے یہ اندازہ نہیں ہوسکتا۔ کہ اس زمانے میں مسلمانوں کو کیا کیا واقعات پیش آئے۔ اسلامی تہذیب کے کاروان کو کن راستوں سے گزرنا پڑا جو علاقے ایک زمانے میں خلافت میں شامل تھے۔ ان پر کیا گزری۔ بلکہ اِن کتابوں سے تو اِس بات کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا۔ کہ آج کل دُنیا کے مختلف حِصّوں میں مسلمانوں کی جو حکومتیں موجود ہیں۔ وہ کس طرح عالمِ وجُود میں آئیں؟

یہ کتاب اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن اِس کی تالیف میں اِس قسم کی کوتاہیوں سے دامن بچانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہم نے اِس کتاب میں اسلام کے ظہُور سے آج تک حالات تسلسل کے ساتھ بیان کردیئے ہیں۔ اگرچہ سیاسی واقعات کی بعض خشک اور اُکتا دینے والی جزئیات وتفاصیل نظر انداز کردی گئی ہیں۔ تاہم اِس بات کا بڑا خیال رکھا گیا ہے۔ کہ اِس داستان

Marfat.com

کا ربط اور تسلسل قائم رہے۔ اور واقعات کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ مسلمانوں کے عروج و اقبال کے اس مرقع میں خلفا کو مرکزی حیثیت حاصل ہے؛ اس لئے ان کے خد و خال بہت نمایاں نظر آتے ہیں لیکن ان کے علاوہ دوسرے مسلمان سلاطین کے کارناموں سے بھی پوری طرح اعتنا کیا گیا ہے۔ اور خلافت عثمانی کے مٹنے اور موجودہ عہد کی اسلامی حکومتوں کے ظہور میں آنے تک کے واقعات اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ پوری اسلامی تاریخ کا ایک روشن اور واضح خاکہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے۔

مسلمانوں کی سیاسی ترقی، اُن کی کشور کشائی اور فتح مندی کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اُن کے معاشری، ثقافتی اور اقتصادی حالات پر بھی توجہ کی گئی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے مطالعہ سے طلبہ کو اس بات کا کسی قدر اندازہ ہو جائے گا۔ کہ مسلمانوں نے کیا کیا علمی کارنامے انجام دیئے۔ علم و فن کے مختلف شعبوں کے علاوہ صنعت و حرفت اور تجارت کو کس اونچے مقام پر پہنچایا۔ مسلمانوں نے انسانی تہذیب کی ترقی میں جو حصّہ لیا ہے۔ اُس کے حالات پڑھنے کے بعد طلبہ کے سر اس احساسِ فخر کے ساتھ بلند ہو جانے چاہئیں۔ کہ وہ ایک نئی اسلامی مملکت کے باشندے ہیں جس کے رگ و پے میں بلا کی قوتِ عمل جاری و ساری ہے۔

غالباً اس کتاب کی سب سے بڑی نمایاں خصوصیت یہ ہے۔ کہ اس میں کثرت سے اعلےٰ درجے کی تصویریں اور نقشے دیئے گئے ہیں۔ اگرچہ ان تصویروں نے کتاب کو بہت دلکش بنا دیا ہے۔ تاہم اُن سے محض ظاہری دلکشی ہی مقصود نہیں بلکہ اُن کا اصل مقصد یہ ہے کہ طلبہ جس دَور کا حال پڑھیں اُس کی تصویر اُن کی نظروں تلے کھچ جائے۔ اور انہیں معلوم ہو جائے۔ کہ اس دَور کے لوگ کیسے تھے۔ اور کس قسم کی زندگی بسر کرتے تھے۔

اس کتاب کی تیاری میں کئی اصحاب نے ہمارا ہاتھ بٹایا ہے۔ ہم انہیں کوتاہیوں کا ذمّہ دار قرار نہیں دیتے۔ البتّہ انہوں نے کتاب کی تالیف میں ہماری جو امداد کی ہے۔ ہم شکرگزاری کے جذبے کے ساتھ اُس کا اعتراف کرتے ہیں۔ ان اصحاب کے نام یہ ہیں۔ مسٹر سلطان محی الدین سابق پریذیڈنٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کراچی۔ مسٹر اے۔ ایف۔ ایم عبدالحق پریذیڈنٹ بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کراچی۔ مسٹر مسعود الحسن (بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن) اور مسٹر ہومر ای شا جنہوں نے اصل مسودہ کی ترتیب کے علاوہ کتاب کی طباعت و اشاعت کا خاکہ بنایا۔ چراغ حسن حسرت نے اصل کتاب کی تالیف میں بھی حصّہ لیا ہے۔ اور اسے اُردو کا لباس بھی پہنایا ہے۔

محمود الحسن صدیقی
چراغ حسن حسرت
ریاض الاسلام

Marfat.com

بحر ہند
خلیج عدن
خلیج فارس
ایران

عرب اسلام سے پہلے

جزیرہ نمائے عرب (عرب جو دُنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما ہے۔ ایشیا کے جنوب مغربی گوشے میں پھیلا ہوا ہے) یہ جزیرہ نما شکل کے لحاظ سے قریب قریب بالکل مستطیل ہے۔ اِس کی لمبائی کوئی پندرہ سو میل ہے۔ اور چوڑائی چھ سو میل یعنی رقبہ میں یورپ کے چوتھائی کے قریب اور پاکستان سے تقریباً تگنا ہے۔ اِس مُلک کا بیشتر حصّہ خشک ہے جہاں نہ بارش ہوتی ہے۔ نہ ہریاول نظر آتی ہے۔ کہیں چٹیل پہاڑوں کے وسیع سلسلے ہیں۔ کہیں مرتفع علاقے، کہیں ریگستان اور لق و دق بیابان۔ یہی وجہ ہے کہ جتنا رقبہ ہے۔ اتنی آبادی نہیں (یعنی اِتنے بڑے مُلک میں صِرف کوئی ایک کروڑ اِنسان بستے ہیں۔

محلِ وقوع (عرب اس جزیرہ نما کو جزیرۃ العرب کہتے ہیں۔ اور ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ سرزمین جزیرہ نما نہیں بلکہ جزیرہ ہے۔ کیونکہ سمندروں اور دریاؤں نے اِسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اِس کے مشرق میں خلیج فارس ہے۔ مغرب میں بُحیرہ روم اور بُحیرہ قلزم۔ جنوب کی طرف بحرِ ہند کی موجیں اس کے قدموں میں لوٹ رہی ہیں۔ اور شمال مشرق کی طرف دجلہ اور فرات بہہ رہے ہیں۔)

ماہرین طبقات الارض کا خیال ہے۔ کہ بہت پُرانے زمانے میں افریقہ کے صحرائے اعظم سے وسط ایشیا کے صحرائے گوبی تک ایک ہی وسیع ریگستان پھیلتا چلا گیا تھا۔ عرب کا ملک بھی اسی ریگستان کا ایک حصّہ تھا۔ پھر زمین میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔ جہاں خشکی تھی۔ وہاں سمندر نمودار ہو گئے۔ چنانچہ اب بُحیرہ قلزم اور خلیج فارس نے عرب کو اس ریگستانی سلسلے سے الگ کر رکھا ہے۔ اس سرزمین کے مغربی حصّے میں شمال سے جنوب تک ایک سلسلہ کوہ جسے جبل الصّراط کہتے ہیں پھیلتا چلا گیا ہے۔ ایک طرف پہاڑیوں کی چوٹیاں ہیں، دوسری طرف ریگستان۔ اِن دونوں کے درمیان جا بجا میدان ہیں۔ کبھی کبھی اِن میدانوں میں ایک آدھ ہلکا سا جھالا پڑ جاتا ہے۔ اور ہریاول کچھ روز اپنی بہار دکھا جاتی ہے۔

عرب میں کوئی قابلِ ذکر دریا نہیں۔ کہیں کہیں پہاڑوں سے چشمے پھوٹے ہیں۔ اور ندّیاں بہہ نکلی

Marfat.com

ہیں۔لیکن یہ ندیاں کچھ دُور جاکر ریت میں غائب ہوجاتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس جزیرہ نما کا زیادہ حصّہ بالکل بنجر ہے جس میں کچھ پیدا نہیں ہوتا۔البتہ جنوب مشرقی علاقے میں اتنی بارش ہوجاتی ہے کہ تھوڑی بہت کھیتی ہوجائے۔یہاں جابجا نخلستان ہیں جن میں کھجور کے پیڑ سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔اِس ویرانے میں یہ کھجور کے پیڑ، پانی کا چشمہ اور کچّے مکان ہی غنیمت معلوم ہوتے ہیں۔تھکا ہارا مسافر ایک جیسے ریتلے بیابانوں اور سنسان پہاڑوں سے گذرتا ہوا یہاں پہنچتا ہے۔تو اُسے معلوم ہوتا ہے۔کہ کسی نئی دُنیا میں آنکلا ہے۔ہریاول کو دیکھ کر آنکھوں میں طراوت آتی ہے۔دل فرحت پاتا ہے اور سفر کی کلفت دُور ہوجاتی ہے ٭

جزیرہ نمائے عرب بنجر علاقہ ہے۔نہ یہاں سرسبز پہاڑ ہیں نہ ہرے بھرے جنگل، نہ باغ نہ مرغزار۔ لیکن قدرت نے اُسے معدنی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔چنانچہ مدّتوں سے یہاں کی زمین سونا چاندی اور جواہرات اُگل رہی ہے۔لیکن تیل کے وسیع ذخیرے جنہیں دریافت ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔سونے چاندی اور قیمتی پتھروں کی کانوں سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔سچ پوچھو تو قدرت نے اس سرزمین کو معدنی دولت کے یہ ذخیرے عطا کر کے زمین کے بنجرپن کی تلافی کر دی ہے ٭

اُونٹ اور گھوڑے بھی اِس مُلک کی دولت میں شمار ہوتے ہیں۔عرب کا اُونٹ جو پُرانے زمانے سے مشہور چلا آتا ہے۔بڑا کارآمد جانور ہے۔رُوکھی سُوکھی جھاڑیوں سے پیٹ بھرتا ہے اور ریتلے میدانوں میں اُڑا چلا جاتا ہے۔اور عربی گھوڑا تو خوبصورتی، تیز رفتاری اور جفاکشی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔لمبی گردن ہے۔پتلی کمر چھوٹا سا سر۔لیکن چاروں پتلیاں جھاڑ کے طرارہ بھرتا ہے۔تو بجلی سی کوند جاتی ہے ٭

طبعی خطّے۔عرب پانچ بڑے خطّوں میں بٹا ہوا ہے۔مغربی کوہستان، جنوبی ساحل کا علاقہ عمّان کی سطح مرتفع، مشرقی ساحل اور ملک کے اندرونی حصّے کے ریگستان۔اِس مُلک میں جو الگ الگ حکومتیں قائم ہیں۔ان کی حدبندی میں اس قدرتی تقسیم کا بڑا دخل ہے۔پھر ہر خطے کی زمین، آب وہوا اور باشندوں میں بڑا فرق نظر آتا ہے ٭

بحیرہ قلزم کے ساحل پر جو لمبا سا تنگ علاقہ پھیلا ہُوا ہے۔وہ تہامہ یعنی نشیبی میدان کہلاتا ہے۔

Marfat.com

اس سے مشرق کی طرف حجاز ہے۔جس کے معنی روک یا حدِّ فاصل کے ہیں۔اِس علاقے کا نام حجاز اِس لئے پڑ گیا کہ یہاں ایک سلسلۂ کوہ پھیلا ہوا ہے۔جو عرب کے شمال سے جنوب تک چلا گیا ہے اور ساحلی علاقے کو نجد کی سطح مرتفع سے جُدا کرتا ہے۔پہاڑوں کی اِس قدرتی دیوار کی وجہ سے یہ دونوں علاقے ایک دوسرے سے الگ ہو کے رہ گئے ہیں۔اور قافلوں کا آنا جانا مشکل ہو گیا ہے۔آج کل حجاز میں تہامہ کے ایک حصّے کے سوا یہ کوہستانی علاقہ بھی شامل ہے۔حجاز کا صوبہ جزیرہ نمائے عرب کی سب سے بڑی حکومت یعنی مملکت نجد و حجاز کا جزو ہے۔جو اپنے فرماں روا کے نام پر زیادہ تر سعودی عرب کی حکومت کہلاتی ہے۔

مکّہ معظّمہ حجاز کے بڑے شہروں میں سے ہے۔دنیا کی پہلی مسجد جو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر یا کعبہ کہلاتی ہے۔اِسی شہر میں ہے۔عرب کے لوگ شروع سے کعبہ کو مقدّس سمجھ کے اس کا احترام کرتے چلے آئے ہیں۔مکّہ معظّمہ کے علاوہ مدینہ منوّرہ اور طائِف حجاز کے مشہور شہر ہیں۔یہ دونوں مُلک کے اندرونی حصّے میں واقع ہیں۔جدّہ اور ینبوع اِس سرزمین کی بڑی بڑی بندرگاہیں ہیں۔

مکّہ معظّمہ کو چاروں طرف سے پہاڑیوں نے گھیر رکھا ہے۔اُسے اُمّ القریٰ یعنی شہروں کی ماں بھی کہتے ہیں۔کیونکہ وہ بہت پُرانا شہر ہے۔مکّہ سے ۲۷۰ میل شمال کی جانب مدینہ ہے۔اس کا پُرانا نام تو یثرب ہے۔لیکن اب وہ مدینہ ہی کہلاتا ہے۔رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلّم کا مزارِ مبارک اسی شہر میں ہے۔مدینہ کے آس پاس کا علاقہ خاصا سرسبز ہے۔یعنی یہاں میوہ دار درخت بھی ہیں۔اور اچھی خاصی کھیتی باڑی بھی ہو جاتی ہے۔

طائِف کا شہر جو پہاڑ کے دامن میں آباد ہے۔حجاز کے دوسرے شہروں سے زیادہ سرسبز اور شاداب ہے۔ہر طرف لہلہاتے کھیت نظر آتے ہیں۔پھل بھی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔آب و ہوا خاصی سرد اور فرحت بخش ہے۔پھر یہاں جا بجا چشمے بھی ہیں۔جن سے آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کے مغربی کوہستانوں کے جنوبی حصّے میں یمن کی خود مختار ریاست ہے۔یمن مدتوں ایک پُرانی تہذیب کا مرکز رہا ہے۔یہاں بڑی بڑی عمارتوں اور پُرانے نظام آب پاشی کے جو

Marfat.com

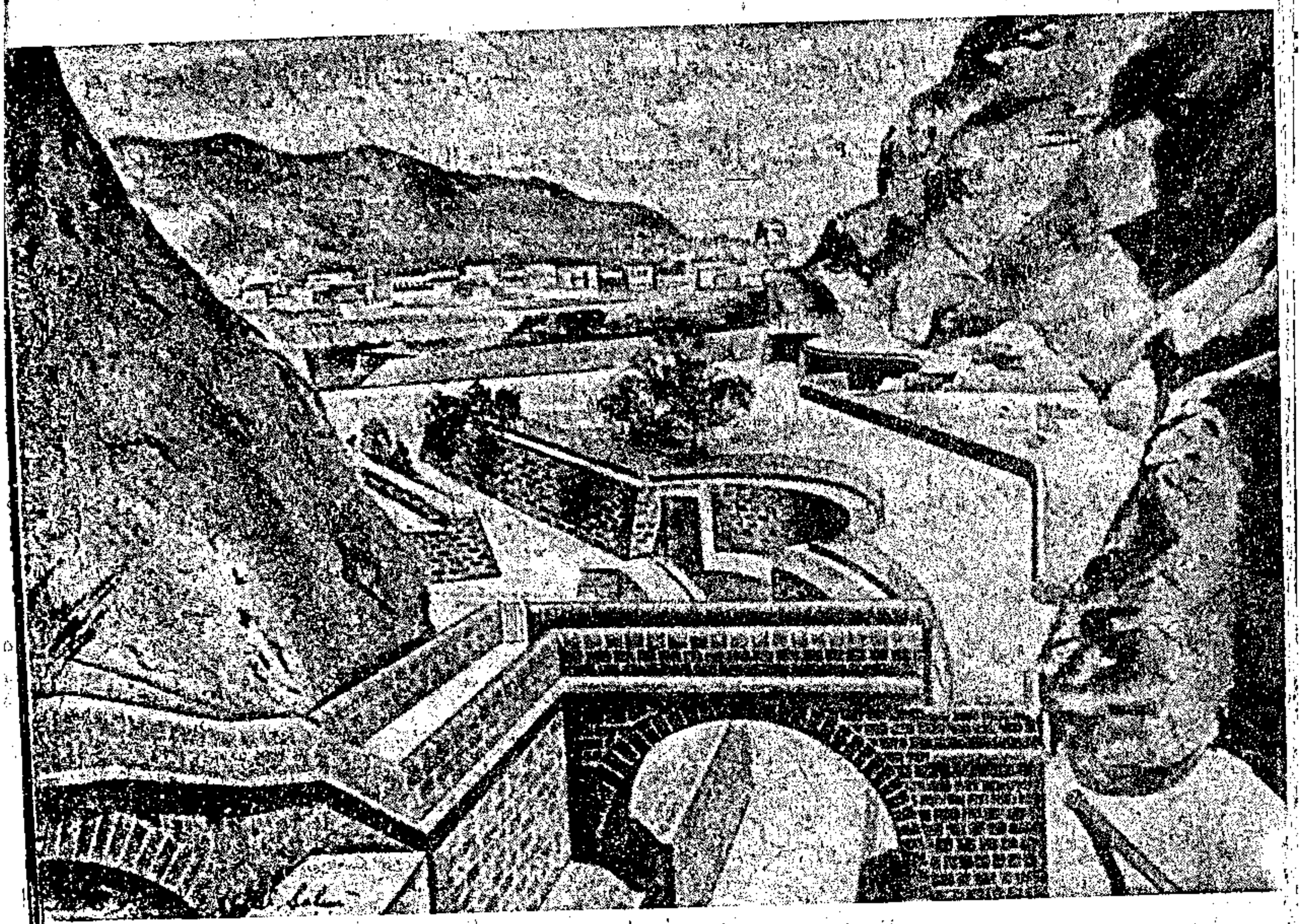

یہ بڑے بڑے حوض جن میں بارش کا پانی جمع ہوتا ہے۔ عدن میں بنائے گئے ہیں۔ اِن حوضوں سے آب پاشی کا کام لیا جاتا ہے۔

آج سے سینکڑوں برس پہلے بھی عرب میں پانی کا ذخیرہ جمع کرنے کے لئے اِسی قسم کے حوض بنائے جاتے تھے ٹوٹے پھوٹے آثار ملتے ہیں اُس سے اس قدیم تہذیب کا تھوڑا بہت اندازہ ہوجاتا ہے۔ کسی زمانے میں یمن قیمتی پتھروں، مختلف قسم کی معدنی اشیا اور مسالوں کی تجارت کا بہت بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ آج کل یہ سرزمین زیادہ تر قہوہ کے لئے مشہور ہے۔ اس کا دارالحکومت صنعا ہے۔ جو بڑی بلندی پر واقع ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی ساحل پر میدان پھیلے ہوئے ہیں۔ عدن کا علاقہ جو برطانیہ کی ماتحتی میں ہے۔ یہیں واقع ہے۔ عدن مشہور بندرگاہ بھی ہے۔ جہاں تجارت کی گرم بازاری کی وجہ سے بڑی رونق اور چہل پہل نظر آتی ہے۔ اس سے مشرق کی جانب عمّان ہے۔ جو یمن کی طرح ایک آزاد ریاست ہے۔ عمّان کا ایک حصہ تنگ میدانی علاقہ ہے۔ جو ساحل پر پھیلا ہوا ہے۔ اُس سے پیچھے کی طرف ایک سطح مرتفع ہے۔ جس میں کچھ نخلستان بھی ہیں۔

Marfat.com

مشرقی ساحل کے اِن میدانوں سے ذرا ہٹ کے بحرین کا مشہور جزیرہ ہے جو خلیج فارس میں واقع ہے۔ یہاں تیل صاف کرنے کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ اس سے شمال کی طرف کویت کی ریاست ہے جہاں تیل کی بڑی ریل پیل ہے۔ یمن، عدن، عمان اور کویت کو چھوڑ کے جزیرہ نمائے عرب کا باقی حصّہ سعودی عرب کہلاتا ہے۔ اس سرزمین میں یا تو ریگستان اور یا ریگستانوں سے مِلتے جُلتے بنجر میدان پھیلے ہیں لیکن ان پتھریلے میدانوں کے نیچے تیل کا دریا لہریں لے رہا ہے +

عرب کے لوگ (عرب کے باشندوں کو دو بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک بدوی جو خانہ بدوش ہیں۔ دوسرے حضری جو شہروں، قصبوں اور دیہات میں آباد ہیں۔ اور تجارت یا دست کاری کے ذریعے روزی پیدا کرتے ہیں۔ لیکن بدویوں کی تعداد ان سے بہت زیادہ ہے۔ پھر تاریخی اعتبار سے بھی بدّو زیادہ توجّہ کے مستحق ہیں۔ یہ لوگ ایک جگہ چین سے نہیں بیٹھتے۔ بلکہ جانوروں کے گلّے ساتھ لیئے چارے کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں۔ جہاں کوئی چشمہ، کھجور کے دو چار پیڑ اور تھوڑی سی ہریاول نظر آئی وہیں ڈیرے ڈال دیئے) بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ بدوی یہ نہ کریں تو اور کیا کریں۔ صحرا میں زندگی گذارنے کے لئے اس سے بہتر اور طریقہ ہی کیا ہو سکتا ہے +

(بدوی بحیثیت مجموعی بڑے قدامت پسند اور توہم پرست ہیں) وہ بھیڑوں اور اُونٹوں کو چراتے پھرتے ہیں۔ یا پھر گھوڑے پالتے ہیں۔ اور یہی اُن کا خاص پیشہ ہے۔ نہ انہیں زراعت سے واسطہ ہے۔ نہ صنعت و حرفت سے کوئی تعلق۔ اِس کی وجہ یہ ہے۔ کہ صحرا کی زندگی اِن کاموں کے لئے بہت حد تک غیر موزوں ہے۔ کھجور کے درختوں، اونٹوں اور ریت کا اُن کی زندگی میں بڑا دخل ہے۔ اِن چیزوں نے مِل مِلا کر اُن کے رہنے سہنے کے طریقوں کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیا ہے +

بدوؤں کی اصل خوراک تو کھجور ہے۔ یا پھر آٹا یا ستّو ہیں جنہیں پانی یا اُونٹوں کے دُودھ میں گھول کے گزارہ کر لیتے ہیں۔ خوراک کی طرح لباس بھی سیدھا سادہ ہے) جسم پر ایک لمبا کُرتا، جس میں ٹخنوں تک سارا جسم چھپا ہوتا ہے۔ کمر میں پٹکا، کُرتے کے اوپر لمبا فرغل، پاجامے کے بجائے تہ بند۔ دھوپ سے بچنے کے لئے سر پر ایک رومال ڈال لیتے ہیں جسے ڈوریوں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ جوتے کا بھی رواج ہے۔ لیکن سب لوگ

جوتا نہیں پہنتے۔ سچ پوچھو۔ تو اِن لوگوں کے نزدیک جوتا ضروریاتِ زندگی میں شامل ہی نہیں ٭

(بدو بڑے دُھن کے پکّے اور بات کے دھنی ہوتے ہیں۔ جس بات پر اَڑ گئے اَڑ گئے اب چاہے۔ ساری دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے۔ کیا مجال کہ اپنی بات سے پھر جائیں۔ پھر جفاکشی میں بھی یہ لوگ اپنی نظیر آپ ہیں۔ سختیاں اُٹھاتے ہیں۔ مصیبتیں جھیلتے ہیں لیکن ماتھے پر بل تک نہیں پڑتا) ان کا ایک اور وصف یہ ہے کہ جس حال میں ہیں اُسی میں مگن ہیں۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ دنیا سے الگ الگ رہ کے زندگی گزاریں۔ اور اُن کے طور طریقوں میں فرق نہ آنے پائے۔ باہر والوں کی مداخلت انہیں ناپسند ہے۔ جن لوگوں کو ان سے واسطہ پڑا ہے۔ ان سے پوچھو۔ تو وہ بھی یہی کہیں گے۔ کہ بدو بات کے کھرے، قول کے پکّے اور قابلِ اعتماد لوگ ہیں۔ جو کچھ اُن کے دِل میں ہے۔ وہی زبان پر ہے۔ جو کہنا ہوتا ہے۔ صاف صاف کہہ ڈالتے ہیں ٭

شجاعت بدوؤں کی گھُٹّی میں پڑی ہے۔ بگٹٹ دھاوے کرنا اور چھاپے مارنا ان کے خاص مشغلے ہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھو کہ یہ لوگ لڑنے بھڑنے اور چھاپے مارنے کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔

عرب کے ریگستانوں کے باشندے مُدّتوں سے ایک ہی قسم کی زندگی بسر کرتے چلے آئے ہیں۔ آج بھی اُن کی زندگی کا وہی انداز ہے جو پُرانے زمانے میں تھا

Marfat.com

مہمان نوازی کا نام بھی انہیں سے روشن ہے۔ وہ مہمانوں کی تواضع کرنے اور دوستوں کے ساتھ مروّت برتنے میں ہمیشہ نیک نام رہے ہیں۔ چنانچہ وہ مہمانوں اور دوستوں کے آرام و آسائش کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

عمرانی نظام (بدو ابتدائی زمانے ہی سے قبیلوں میں بٹے رہے ہیں۔ یہ قبیلے کیا ہیں ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ اِن کے ملنے سے عرب قوم بنی ہے۔ بدوؤں کا ہر کُنبہ ایک خیمے میں رہتا ہے۔ بہت سے کُنبے مِل کے ایک شعب یا "حیّ" بنتا ہے۔ اس طرح کے بہت سے شعب یا چھوٹے چھوٹے قبیلے جن میں خون کا رشتہ ہے مِل کے بڑا قبیلہ بن جاتے ہیں۔ ہر قبیلہ کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے افراد کس کی اولاد میں سے ہیں۔ چنانچہ قبیلہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔ اس کا نام بنو یا بنی کے لفظ سے شروع ہوتا ہے۔ مثلاً بنی عبد المطّلب یعنی عبد المطّلب کی اولاد۔ بنی اُمیّہ یعنی اُمیّہ کی اولاد۔ اِسی پر دوسرے ناموں کو قیاس کر لو۔)

قبیلے کے سب سے معمّر آدمی کو سردار منتخب کیا جاتا ہے۔ سب اُس کے حُکم پر چلتے ہیں۔ جو

اِن صحراؤں میں جہاں ریت کے تودے بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کے کاروان سفر کرتے نظر آتے ہیں جہاں شام ہوئی۔ وہیں ڈیرے ڈال دیئے

Marfat.com

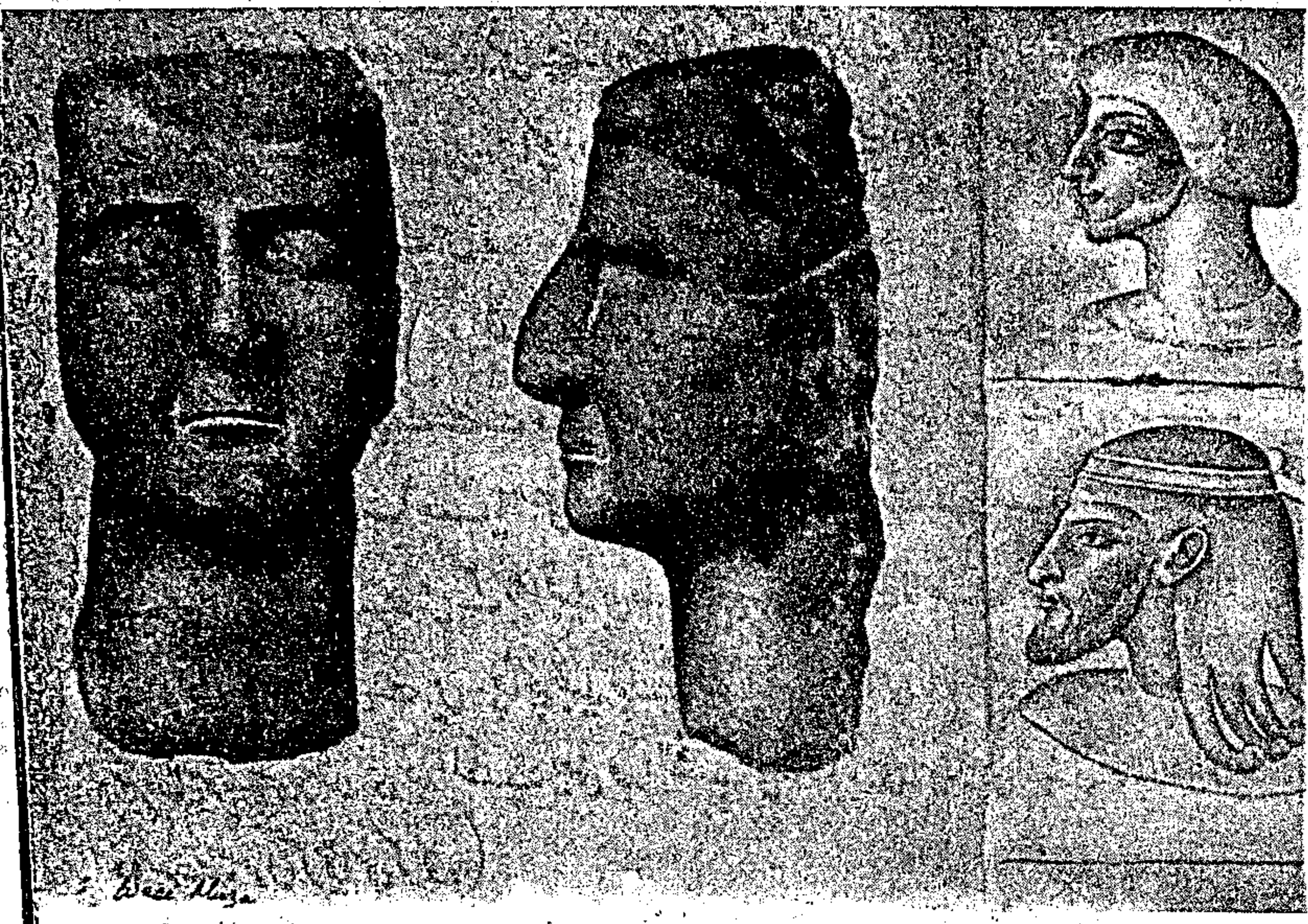

اِن پُرانے مجسّموں اور تصویروں سے اِس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ بہت پُرانے زمانے کے عربوں کی شکل وصُورت کیسی تھی

وہ کہتا ہے۔ وہی کرتے ہیں۔ لڑائی کے میدان میں قبیلے کے سب آدمی ایک ہی نعرہ لگاتے ہیں۔ اِس طرح قبیلے کے لوگوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ یگانگت کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ اور اپنے اپنے قبیلے کی حمایت کا جذبہ تر و تازہ رہتا ہے۔ اگرچہ قبیلے کی حمایت کے جذبے نے بارہا رشک و حسد کے جذبات کو بھی اُبھارا ہے۔ بغض و عناد کا بیج بھی بویا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے حکومت کے نظم و نسق اور فوج کی تنظیم میں بڑی مدد ملی ہے۔ چنانچہ فوج بھی قبیلوں کے لحاظ سے الگ الگ دستوں میں بٹی ہوئی ہوتی تھی۔ ہر قبیلے کا سردار اپنے قبیلے کی کمان کرتا تھا۔

عربوں کے آبا و اجداد۔ عربوں کے بعض قبیلے قحطان کی اولاد میں سے ہیں۔ اور بعض کے نسب کا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ تک پہنچتا ہے۔ قحطان کی نسل زیادہ تر یمن میں پھیلی۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان کے لوگ حجاز میں آباد ہو گئے۔ قبیلہ قریش جس سے رسولِ خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم تعلق رکھتے ہیں۔ فہر بن مالک کی اولاد میں سے ہے۔ فہر کا لقب

Marfat.com

قریش تھا۔ اس لئے سارا قبیلہ قریش کے نام سے مشہور ہوگیا +

فہر کی اولاد میں قُصَیّ بن کلاب ایک مشہور سردار ہو گذرے ہیں۔ اُنہوں نے پانچویں صدی عیسوی میں قریش کے سارے خاندان کو اکٹھا کر کے مکّہ پر قبضہ کر لیا۔ چنانچہ وہ ایک طرح سے پورے حجاز کے حکمران بن گئے۔ کعبہ سارے عربوں کے نزدیک مقدس تھا۔ اور قریش کعبہ کے محافظ سمجھے جاتے تھے۔ قُصَیّ نے کعبہ کے پاس ہی دارالندوہ بنوایا۔ اور یہاں بیٹھ کے قریش کے مختلف قبیلوں کے سرداروں کے مشورے سے سارے حجاز پر حکومت کرنے لگے +

قُصَیّ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عبدالدار فرمانروا قرار پائے۔ اِن کے ایک بھائی کا نام عبد مناف تھا۔ جب عبدالدّار کا انتقال ہوا۔ تو اُن کے پوتے اور عبد مناف کے بیٹے عبدالشمس میں جھگڑا شروع ہوا۔ یہ قضیہ اس طرح طے ہوا کہ مکّہ کی حکومت اِن دونوں میں تقسیم کر دی گئی +

ہاشم اس انتظام کو تھوڑے ہی دن ہوئے تھے۔ کہ عبدالشمس نے اپنے سارے فرائض اپنے بھائی ہاشم کے سپرد کر دیئے۔ ہاشم نے مکّہ کی تجارت کو بڑا فروغ دیا۔ چنانچہ ان کی کوششوں کی بدولت تھوڑے ہی عرصے میں یہ شہر عرب کی سب سے بڑی منڈی سمجھا جانے لگا۔ ہاشم نہایت بہادر اور فیّاض شخص تھے۔ اِن خوبیوں کی وجہ سے لوگ اُن سے محبّت کرتے تھے۔ اور وہ عربوں میں بڑی عزّت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ عبدالشمس کا بیٹا اُمیّہ جو مکّہ کی حکومت میں آدھے حصہ کا دعویدار تھا لوگوں کی زبان سے اپنے چچا کی تعریفیں سُنتا تھا۔ تو مارے حسد کے انگاروں پہ لوٹتا تھا۔ آخر اس نے کُھلّم کُھلا چچا کی مخالفت پر کمر باندھی اور اپنا حصہ مانگا۔ قریش کے بڑے بُوڑھے ثالثی کے لئے جمع ہوئے۔ اُنہوں نے ہاشم کے حق میں فیصلہ کیا۔ اور اُمیّہ ناراض ہو کر شام چلا گیا +

عبدالمطّلب ہاشم نے مدینہ کے ایک شریف خاندان میں شادی کی۔ ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ جب ہاشم کا انتقال ہوا۔ تو ان کے بھائی مطّلب شیبہ کو اپنے ہاں لے گئے۔ اکثر لوگوں نے جو اِن دونوں کے رشتے سے واقف نہیں تھے شیبہ کو مطّلب کا غلام سمجھا۔ اور وہ عبدالمُطّلب یعنی مطّلب کے غلام مشہور ہو گئے۔ عبدالمطّلب بڑے ہوئے۔ تو وہ بھی اپنے باپ

Marfat.com

کی طرح بڑے شجاع، فیاض اور انصاف پسند ثابت ہوئے۔ اب اُمیّہ کے بیٹے حرب نے مکہ کی سرداری کا دعوٰے کیا۔ اِس دفعہ پھر ثالثوں نے بنو ہاشم کے حق میں فیصلہ کیا۔ اس فیصلے نے پُرانے زخموں پر نمک چھڑکا۔ اور بنو اُمیّہ اور بنو ہاشم پہلے سے بھی زیادہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ تم آگے چل کے پڑھو گے کہ ان دونوں خاندانوں کی باہمی عداوت کے نتائج بڑے خطرناک ثابت ہوئے +

عبدالمطّلب کے دس بیٹے تھے۔ انہیں میں سے عبداللہ تھے۔ جن کی شادی وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی آمنہ سے ہوئی تھی۔ شادی کو ابھی چند مہینے گذرے تھے۔ کہ عبداللہ کا اِنتقال ہو گیا۔ ان کی وفات سے دو مہینے کے بعد حضرت محمد مصطفٰے صلّے اللہ علیہ وسلّم پیدا ہوئے۔ ابھی آپ کی عُمر چھ برس کی تھی۔ کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اُٹھ گیا +

Marfat.com

اِسلام سے پہلے دُنیا کی حالت

جب رسولِ خدا پیدا ہوئے۔ تو عرب میں کوئی مرکزی حکومت موجود نہیں تھی۔ جو مُلک میں امن و امان قائم رکھتی۔ اکثر قبیلوں میں آئے دن لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ یہ لڑائیاں چھوٹے چھوٹے جھگڑوں سے شروع ہوتی تھیں۔ ایک قبیلہ کا اونٹ دوسرے قبیلے کی چراگاہ میں جا پڑا۔ یا ایک نے دوسرے کے چشمے سے پانی لے لیا۔ اِس پر تلواریں میانوں سے نکل آئیں۔ کمانوں کے چلّے چڑھ گئے۔ اور خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اِس زمانے میں جو ایّام العرب کے نام سے مشہور ہے۔ عرب قبیلوں کو چھاپے مارنے اور مار دھاڑ کرنے کے اکثر موقعے ملتے رہتے تھے۔ مثلاً پانچویں صدی عیسوی میں صرف ایک اونٹنی کی وجہ سے بنی بکر اور بنی تغلب میں جنگ چھڑ گئی۔ جو چالیس برس تک رہی۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہ کوششیں بھی ہوئیں۔ کہ مُلک میں کوئی مرکزی حکومت قائم ہو جائے۔ جن قبیلوں نے اِس قسم کی کوششوں

"پیٹرا" کے اِس مندر میں لات کی پُوجا بھی کی جاتی تھی

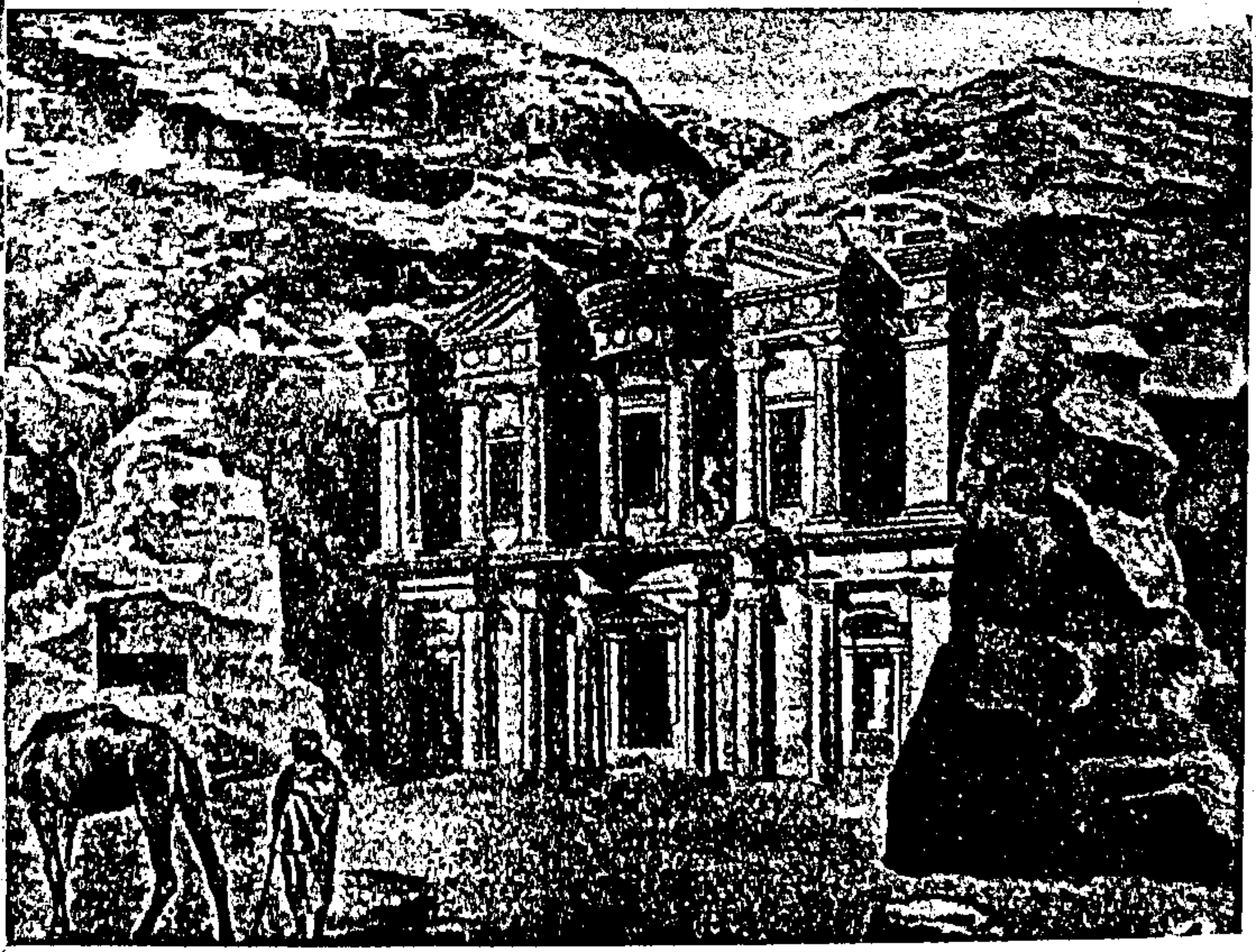

Marfat.com

میں حصّہ لیا تھا۔ ان میں بنی کندہ بھی تھے۔ جنہوں نے وسطی عرب میں حکومت قائم کرنی چاہی تھی۔ لیکن ان کی کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں ٭

عرب قبیلوں کی باہمی لڑائیاں ہی کیا کم تھیں۔ کہ یہودیوں، عیسائیوں اور ایرانیوں کی باہمی دشمنیاں رنگ لائیں۔ اور سارے جزیرہ نما میں بڑا خلفشار پیدا ہوگیا۔ بہت سے یہودی جنہیں عیسائیوں نے فلسطین سے نکال دیا تھا۔ جنوب مشرق کی طرف بڑھ کے عرب میں آباد ہوگئے۔ اور جا بجا قلعہ بند بستیاں بسالیں چنانچہ بنی نُضَیر، بنی قُرَیظہ اور بنی قینقاع کی یہودی بستیاں عرب کی بڑی دولت مند اور خوشحال بستیوں میں سمجھی جاتی تھیں۔ یہ یہودی کبھی کبھی اپنی بستیوں سے نکل کر عربوں پر چھاپے مارتے اور جو ہاتھ آتا لوٹ لیتے تھے ٭

شمال میں قبیلہ غسّان تھا۔ جو رومیوں کے ماتحت تھا۔ مشرق میں لخمی قبیلہ کی حکومت تھی۔ جو حیرہ کی ریاست کہلاتی تھی۔ اور ایران کی باج گزار تھی۔ ان قبیلوں کو اپنی ماتحتی میں لانے کے لئے رومیوں اور ایرانیوں میں لڑائیاں بھی ہوتی تھیں ٭

مذہب۔ روایت ہے۔ کہ کعبہ کا سنگِ بنیاد حضرت آدمؑ نے رکھا تھا۔ اور اُس کی تعمیر وحی الٰہی کے مطابق ہوئی تھی۔ طوفانِ نوح سے بہت مدّت کے بعد حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ نے اُسے از سرِ نو تعمیر کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد لوگوں نے کعبہ میں بُت لاکے رکھ دیئے۔ کہتے ہیں کہ قحطان کی نسل سے لُحَیّ نامی ایک شخص تھا۔ جس نے حجاز میں اپنی بادشاہت قائم کرلی تھی۔ اُس نے کعبہ میں انسانی شکل کا ایک بُت لاکے رکھا تھا۔ یہ واقعہ آنحضرت صلعم کی ولادت سے چار سو برس پہلے پیش آیا۔ یہ عربوں کے ایک دیوتا کا بُت تھا۔ عربوں کے دیوی دیوتاؤں میں عُزّےٰ، لات اور منات بہت مشہور ہیں۔ چاند کو یہ لوگ دیوی سمجھ کر پوجتے تھے۔ اور یہ تینوں اصل میں اِسی دیوی کی مختلف شکلیں تھیں۔ ان دیویوں کو یہ لوگ خدا کی بیٹیاں بھی کہتے تھے ٭

ہر قبیلے کا اپنا اپنا بُت تھا۔ اِن بُتوں کو اُن کے پجاریوں نے اپنے اپنے تصوّر کے مطابق الگ الگ سانچوں میں ڈھال رکھا تھا۔ قریش عُزّےٰ کو سب سے زیادہ مانتے تھے۔ اِس دیوی پر جو چڑھاوے چڑھتے

تھے۔ اُن میں انسان کی قربانی بھی شامل تھی۔ کعبہ کے اندر اور باہر کُل تین سو ساٹھ بُت تھے۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت عیسٰیؑ اور حضرت مریمؑ کے بُت بھی موجود تھے۔ جو لوگ کعبہ کی زیارت کرنے آتے تھے۔ وہ دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیئے جانوروں کی قربانی کرتے۔ کبھی کبھی انسانوں کی قربانی بھی کی جاتی تھی۔

عربوں میں ایک قادر و توانا ہستی کا تصوّر موجود تھا۔ وہ اللہ کو کائنات کا خالق اور قادرِ مطلق سمجھتے تھے لیکن وہ کہتے تھے۔ کہ اللہ تک پہنچنے کے لیئے کسی دیوتا یا فرشتوں کا وسیلہ ضروری ہے۔ فرشتوں کو وہ اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ یہی چیز ہے۔ جسے قرآن میں شرک کہا گیا ہے۔ اور مسلمانوں کے عقیدہ میں شرک ایسا گُناہ ہے۔ جو کسی طرح معاف نہیں کیا جا سکتا۔

بُتوں کو پوجنے کے علاوہ وہ چاند۔ سورج اور ستاروں کو بھی پوجتے تھے۔ ابتدائی عہد کی بعض قوموں کی طرح اُن کا عقیدہ تھا۔ کہ بے جان چیزوں میں بھی رُوح موجود ہے۔ چنانچہ درختوں، کنوؤں، غاروں اور پتھروں کو ذی رُوح اور متبرک سمجھا جاتا تھا۔ اور اُن کی پوجا کی جاتی تھی۔

عرب میں سکّوں کا رواج بہت پُرانے زمانے میں بھی تھا۔ یہ سکّے دوسری اور تیسری صدی قبل مسیحؑ سے تعلق رکھتے ہیں

معاشری اور اخلاقی حالت ۔ بنی تمیم اور قریش عرب کے بڑے بڑے قبیلے تھے۔ یہ دونوں لڑکی پیدا ہونے کو بہت معیوب سمجھتے تھے۔ اکثر لوگ لڑکیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے۔ اور اپنے اِس کارنامے پر فخر کرتے تھے۔ چنانچہ قیس بن عاصم ایک شخص تھا جس نے کم سے کم اپنی دس لڑکیوں کو یوں ہی زمین میں زندہ دفن کر دیا تھا۔

عام طور پر عورتوں سے بہت بُرا سلوک کیا جاتا تھا۔ جب کوئی شخص مرجاتا۔ تو اُس کا قریبی رشتہ دار اُس کی بیوہ پر اپنی چادر یا عبا ڈال دیتا تھا۔ اور اس طرح یہ بیوہ اُس کی بیوی بن جاتی۔ اِسی طریقے سے کبھی کبھی لوگ اپنی سوتیلی ماؤں کے شوہر بن جاتے تھے۔ گویا بیوی کو شوہر کی جائداد، گھر کے سامان یا اونٹوں اور گھوڑوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ عورتوں کو شوہر یا باپ کی جائداد میں سے کوئی حصّہ نہیں ملتا تھا۔ بلکہ وہ خود بھی جائداد میں شامل سمجھی جاتی تھیں۔ اور مرنے والے کے وارث کو مل جاتی تھیں۔ نکاح اور طلاق کا کوئی خاص قانون مقرّر نہیں تھا۔ مَرد جتنی عورتوں سے چاہتا شادی کر سکتا تھا۔ اور جب چاہتا تھا۔ انہیں طلاق دے دیتا تھا۔

عربوں میں ایک بڑی بُرائی یہ بھی تھی۔ کہ یہ لوگ خوب شراب پیتے تھے۔ اُن میں ایک سَو سے زیادہ قسم کی شرابیں رائج تھیں۔ جگہ جگہ شراب خانے موجود تھے۔ بازاروں اور گلی کوچوں کے ہر نکڑ پر شراب خانہ ضرور ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ جوئے کا رواج عام تھا۔ عام طور پر اونٹوں یا اونٹ کے گوشت کے ٹکڑوں کو دَاؤں پر لگایا جاتا تھا۔ جو شخص جوَا نہ کھیلتا تھا۔ اُسے تنگ دل اور کنجوس سمجھا جاتا تھا۔ سُود کا لین دین عام تھا۔ لوگ بھاری شرح سُود پر قرض دیتے تھے۔ مقرّرہ وقت پر رقم ادا نہ ہوتی تھی تو اُس پر سُود در سُود لگایا جاتا تھا۔ مقروض سے قرض ادا نہ ہوتا تھا۔ تو کبھی کبھی قرض خواہ اُس کے بیوی بچوں کو لونڈی غلام بنا لیتا تھا۔ بیوی بچے گِروی بھی رکھے جاتے تھے۔

بھوت پریت اور کاہن ۔ عربوں میں تعلیم نہ تھی۔ اور جہالت کی وجہ سے اُن کے خیالات پر طرح طرح کے وہموں کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ وہ خبیث رُوحوں اور جنّوں کو مانتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ جنگلوں، صحراؤں اور کھنڈروں میں جنّوں کا بسیرا ہے۔ اُن سے چھٹکارا پانے کے لئے وہ منتر بھی پڑھتے

۷۸۹۰۶

Marfat.com

تھے۔ ٹونے ٹوٹکے بھی کرتے تھے۔ اُن میں یہ عقیدہ بھی عام تھا۔ کہ انسان کے مرنے کے بعد اُس کی رُوح اُلّو کی شکل اختیار کر کے اُس کی قبر کے آس پاس منڈلاتی رہتی ہے۔ یہ لوگ بھُوت پریت کو بھی مانتے تھے۔

ادب۔ ان صحرانشین عربوں کی زبان ہر قسم کے خیالات ادا کر سکتی تھی۔ اور کئی حیثیتوں سے اُسے لاطینی، یونانی، اور سنسکرت پر فوقیت حاصل تھی۔ اس زبان میں ایک تو الفاظ کا بڑا ذخیرہ تھا۔ پھر اُس میں بڑی لچک بھی تھی۔ اور اُس کی صَرف ونحو بڑی ترقی یافتہ تھی۔ چونکہ عربوں کو زراعت اور فن تعمیر سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ اس لئے اُنہوں نے اپنی ساری ہُنرمندی اور ذہانت زبان کی تراش خراش پر خرچ کر ڈالی۔ اُنہیں اپنی فصاحت پر بڑا ناز تھا۔ اور وُہ اُن لوگوں کو جن کی مادری زبان عربی نہیں تھی۔ عجمی یعنی گونگا کہتے تھے۔

عربی زبان میں ایک بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ زیادہ سے زیادہ خیالات کم سے کم لفظوں میں ادا کئے جاسکتے ہیں۔ پھر اس میں بڑا زور بھی ہے۔ عرب جب تقریر کرنے کھڑے ہوتے تھے۔ تو زبان کے زور اور حکایتوں اور لطیفوں کی بدولت خشک سے خشک بحث کو پُرلطف بنا دیتے تھے۔ اُن کے نزدیک وہی شخص باکمال سمجھا جاتا تھا۔ جس میں تین خوبیاں موجود ہوں۔ ایک تو تیر اندازی، دوسری شہسواری اور تیسری فصاحت۔ اِسی لئے وہ کہتے ہیں۔ کہ مَرد کا اصل حُسن زبان کی فصاحت اور روانی ہے۔ یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ عربی کی ایک ضرب المثل یہ بھی ہے۔ کہ دانائی فرنگیوں کے دماغ پر اُتری۔ چینیوں کے ہاتھوں پر اور عربوں کی زبان پر۔

عربی اِتنی اعلیٰ زبان ہے۔ پھر بھی یہ اچنبے کی بات ہے۔ کہ عربوں نے اسلام سے پہلے ادب میں کوئی کمال حاصل نہیں کیا تھا۔ جب اسلام کا ظہور ہوا۔ تو تحریر کا فن ابھی ابتدائی حالت میں تھا۔ عربوں کے ادبی سرمائے میں لے دے کے یا تو کچھ پُرانی کہانیاں تھیں۔ یا قبیلوں کی باہمی جنگ آزمائیوں کی داستانیں غرض عربی نثر میں اِس کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر کارنامہ موجود نہ تھا۔ اِس کا ایک سبب یہ بھی تھا۔ کہ اُس دَور کی عربی زبان نثر سے زیادہ نظم کے لئے موزوں تھی۔ اِس لئے عرب شاعری کی طرف جُھک پڑے۔ اور قصیدے کو جذبات کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا۔ اُن کی طبیعتیں نظم کے لئے کچھ ایسی موزوں تھیں۔ کہ بڑی

آسانی سے اپنے خیالات نظم کر ڈالتے تھے۔

پُرانے زمانے کے عرب شاعر اپنے قصیدوں میں یا تو اپنی ذات یا اپنے قبیلے پر فخر کرتے ہیں یا پھر اُن میں کچھ عشق و محبّت کی باتیں ہیں۔ کچھ صحراؤں کی ویرانی کا بیان۔ کچھ لڑائیوں کے تذکرے۔ کچھ جنگی نعرے یا پھر شراب اور جُوئے کی حکایتیں۔ لڑائی کے موقع پر شاعروں سے سپاہیوں کو جنگ پر اُبھارنے کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے کلام کی تاثیر سے لوگوں کے دِل اُلٹ کے رکھ دیتے تھے۔ شاعر کا کلام سُن کر رگوں میں خُون جوش مارنے لگتا۔ اور تلواریں بے اختیار نیاموں سے نکل آتیں۔ میدانِ جنگ میں شاعر کی زبان سپاہی کی تلوار سے کم موثّر ثابت نہیں ہوتی تھی۔ شاعر خود میدانِ جنگ میں موجود ہوتا تھا۔ تو اُسے سَو سپاہیوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

بعض دوسرے عرب قبیلے ۔ زمانۂ جاہلیت میں بدوؤں کی جو حالت تھی اُس پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کئی حیثیتوں سے نہایت ابتدائی زمانے کے لوگوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن سارے عربوں کا یہ حال نہیں تھا۔ خاص طور پر جو عرب قبیلے ساحلی علاقوں میں آباد تھے۔ وہ خاصے مہذّب اور شائستہ تھے۔ دراصل ساحلی علاقوں کے یہ عرب شروع کے زمانے ہی میں دنیا کے دوسرے مُلکوں خاص طور پر مصر، بحیرہ رُوم کے آس پاس کے علاقوں، ہندوستان اور مشرقی مُلکوں سے تعلق قائم کر چکے تھے۔ اور رہنے سہنے کے طریقوں میں بدوؤں سے بہت آگے نظر آتے تھے۔

پُرانے زمانے کے اِن عربوں میں سے بعض بڑے چابک دست کاری گر تھے۔ بعض نے انجنیری کے فن میں بڑی مہارت پیدا کر لی تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے بہت پُرانے زمانے میں آب پاشی کے لئے بند تعمیر کئے۔ پتھر اور گارے سے مکان بنانے کے علاوہ سنگ مَرمَر اور اعلےٰ درجے کے دوسرے پتھروں سے عالی شان عمارتیں بنائیں۔ بعض مورّخ تو یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ سب سے پہلے کئی کئی منزلوں کی اونچی اونچی عمارتیں بھی انہیں لوگوں نے تعمیر کیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ زمانۂ جاہلیت کے عرب معماروں نے صنعا میں ایک محل تعمیر کیا تھا۔ جو قصر غمدان کہلاتا تھا۔ اس محل کی بیس منزلیں تھیں۔

دُنیا کی دوسری قومیں - یہودی ۔ بہت پُرانے زمانے میں یہودی بھیڑ

Marfat.com

بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلّے لیئے عرب کے بنجر میدانوں اور تپتے صحراؤں میں پھرتے رہتے تھے۔ پھر اُنہوں نے شمال مغرب کا رُخ کیا۔ اور دریائے اُردن سے پار اُتر کے فلسطین میں جا پہنچے۔ یہاں انہوں نے یہودا اور اسرائیل کی حکومت قائم کی۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ بڑے اقبال مند حکمران تھے۔ اُن کی حکومت کا مبارک زمانہ یہودیوں کے لئے بڑی فراغت اور خوش حالی کا زمانہ تھا۔ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد یہودیوں کی حکومت دو حصّوں میں بٹ گئی۔ شمال میں اسرائیل کی حکومت تھی۔ اور جنوب میں یہودا کی ریاست ٭

یہودیوں کے وطن پر کئی قوموں نے حملے کیئے۔ کبھی اشوری چڑھ آئے۔ کبھی بابلیوں نے سارے ملک کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اور کبھی ایرانی اُٹھ کے چھا گئے۔ جس زمانے میں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ فلسطین روما والوں کے قبضے میں تھا٭

یہودی بادشاہت تو کھو بیٹھے۔ لیکن اُن کے دین و ایمان میں فرق نہ آیا۔ غلامی کی حالت میں بھی وہ اپنے مذہبی عقیدوں کو سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ اُن دنوں بہت سے مُلکوں میں اُن گنت دیوتاؤں کی پُوجا ہوتی تھی۔ لیکن یہودی ایک خدا کو مانتے اور اُسی کو ساری دُنیا کا پیدا کرنے والا جانتے تھے۔ اگرچہ اُن کے ہاتھوں سے حکومت نکل گئی تھی۔ پھر بہت سے چھوٹے چھوٹے مذہبی مسائل ایسے بھی تھے جن کے متعلق ان میں اختلاف تھا۔ لیکن خدا کی وحدانیت کے عقیدے نے انہیں متّحد رکھا۔ اور ان میں پھُوٹ نہ پڑنے دی ٭

مشرقی ممالک کی دوسری قوموں کی طرح یہودی بھی ایک مسیح یا نجات دہندہ کا انتظار کر رہے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا۔ کہ جب مسیح آئے گا۔ تو غریبوں اور مظلوموں کی حالت سُدھر جائے گی۔ وہ زمین پر ایسی بادشاہت قائم کرے گا۔ جس میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے بجائے خدا کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہر انسان کے اعمال کی جانچ پڑتال کی جائے گی٭

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودا کے علاقے میں بیت اللّحم کے پاس پیدا ہوئے۔ اُنہوں نے وعظ شروع کیا۔ تو بعض لوگوں کو خیال ہوا۔ کہ ہو نہ ہو یہ وہی مسیح ہیں۔ جن کا انتظار مدّت سے ہو رہا تھا۔ لیکن حضرت

Marfat.com

عیسیٰؑ سارے انسانوں کو عاجزی اور فروتنی اختیار کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آنے کی تعلیم دیتے تھے۔ اِس لئے بہت سے محبّ وطن یہودی جو شروع شروع میں یہ سمجھ کے اُن کے پیرو بن گئے تھے۔ کہ یہ ساری قوم کو اُبھار کر رُومنیوں کے مقابلے پر کھڑا کر دیں گے۔ ان سے الگ ہو گئے۔ پھر بہت سے یہودی ایسے بھی تھے۔ جنہیں حضرت عیسیٰؑ پر بھروسہ نہیں تھا۔ وہ ان کی تعلیم سے خوف زدہ تھے۔ اس لئے وہ شروع ہی سے دُور دُور رہے۔ آخر خود یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو فلسطین کے رُومی گورنر کے حوالے کر دیا۔ اُن پر الزام یہ لگا۔ کہ وہ اپنے آپ کو "یہودیوں کا بادشاہ" کہتے ہیں۔ اس لقب سے یہ مطلب نکلتا تھا۔ کہ وہ رُومی حکومت کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بغاوت کے جُرم میں اُن کے لئے سزائے موت تجویز کی گئی۔

عیسائی ۔ یہودیوں میں تو بہت تھوڑے لوگ تھے۔ جو حضرت عیسیٰؑ کو مسیح مان کر اُن پر ایمان لائے۔ البتہ رومی سلطنت کے دوسرے تمام حصّوں میں اُن کی تعلیم بڑی تیزی سے پھیل گئی۔ مسیحیّت کی تبلیغ میں پال کا بڑا حصّہ ہے۔ پال جو پولوس بھی کہلاتے ہیں۔ اُن مٹھّی بھر یہودیوں میں سے تھے جنہیں اللہ نے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے کی توفیق بخشی تھی۔ وہ یونانی زبان اچھی طرح بول لیتے تھے۔ چنانچہ ان کی ہمّت سے ایشیائے کوچک، مقدونیہ اور یونان کے ہزاروں باشندے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے۔ یہ لوگ کرسچین یعنی کرائسٹ کے ماننے والے کہلاتے تھے۔ کرائسٹ جس کے معنی مسیح کے ہیں یونانی زبان کا لفظ ہے۔

مدّت تک ساری رُومی سلطنت میں حضرت عیسیٰ پر ایمان لانا جُرم سمجھا جاتا رہا تھا۔ شروع شروع میں مسیحیّت غریبوں، مسکینوں اور غلاموں کا مذہب تھا۔ یہ لوگ چوری چھُپے عبادت کرتے تھے لیکن آہستہ آہستہ عیسائیوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اور بہت سے بارسوخ اور دولت مند لوگ بھی ان میں شامل ہو گئے۔ چوتھی صدی عیسوی میں تو مسیحیّت نے ایسا زور پکڑا۔ کہ روما کے شہنشاہ نے بھی یہ مذہب قبول کر لیا۔ اس کے بعد مسیحیت بڑی تیزی کے ساتھ سارے مغربی یورپ میں پھیل گئی۔

ایرانی ۔ پُرانے زمانے کی اکثر قومیں آگ، پانی، ہَوا، سورج، چاند وغیرہ کو دیوتا سمجھ کر پُوجتی

Marfat.com

تھیں۔شروع شروع میں ایران کے لوگوں کا بھی یہی حال تھا۔لیکن کئی دوسری قدیم قوموں کی بہ نسبت اُن کے مذہبی عقائد بہت جلد بدل گئے۔حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے کوئی چھ سو سال پہلے ایران کے مشہور پیشوا زرتشت نے ایک نئے مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ زرتشت کی تعلیم یہ تھی۔کہ صرف ایک ہی اونچی ہستی یعنی ہرمزد پرستش کے لائق ہے۔ وہ روشنی اور نیکی کی قوت ہے۔جس سے بدی اور تاریکی کی قوت ہمیشہ لڑتی رہتی ہے۔ زرتشت یہ بھی کہتا تھا۔کہ لوگوں کو نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنی چاہیئے۔تاکہ ہرمزد کا بول بالا ہو۔نیکی بدی پر اور نور ظلمت پر ہمیشہ غالب رہے۔

ایرانیوں نے اپنے مشہور فرمانروا سائرس اعظم کے زمانے میں کئی ملک فتح کر کے بہت بڑی سلطنت قائم کر لی تھی۔اور وہ مدت تک اس پر حکومت کرتے رہے۔اُس زمانے کے دوسرے بادشاہوں کی طرح ایران کے شہنشاہ بھی مطلق العنان تھے۔یعنی اُن کے جی میں جو آتا تھا۔کرتے تھے۔عام لوگوں کو ملکی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔تاہم ایران کے بادشاہ بڑے لائق اور با تدبیر حکمران تھے۔انہوں نے دوسرے فرمانرواؤں کی طرح مفتوحہ علاقوں کے لوگوں پر ظلم نہیں توڑے۔بلکہ جن مُلکوں پر قبضہ کیا۔اُن کے باشندوں سے اچھی طرح پیش آئے۔

ہندوستانی ۔ ہندوستان میں بُدھ مت مدت تک بڑے زور پر رہا۔اور تیسری صدی عیسوی میں تو وہ پورے عروج پر تھا۔پھر آہستہ آہستہ اس کا زور کم ہوتا گیا۔چھٹی صدی عیسوی میں اس کے دو فرقے ہو گئے۔ایک فرقہ شمالی کہلاتا تھا' دوسرا جنوبی۔اس زمانے میں وہ ہندوستان سے نکل کر سارے مشرق اقصےٰ میں پھیل گیا تھا۔البتہ ہندوستان سے جہاں اُس نے جنم لیا تھا۔اس کے قدم اُکھڑ چکے تھے اور ہندو دھرم اس کی جگہ لے رہا تھا۔

ہندو دھرم اسی پُرانے مذہب یعنی برہمنیت کی ایک شکل تھی۔جسے آریائی حملہ آوروں نے اِس سرزمین میں پھیلایا تھا۔آریہ کائنات کی مختلف قوتوں یعنی ہَوا' پانی' آگ' سورج وغیرہ کی پُوجا کرتے تھے۔ اور چار ویدوں کو جن میں ان کے عقیدے اور پُوجا پاٹ کے طریقے درج ہیں۔مقدس جانتے تھے۔لیکن ہندو دھرم میں تین دیوتا یعنی خدا کے تین روپ تھے۔یہ دیوتا خدا کی قوتوں کے مظہر سمجھے جانے لگے۔یہی تینوں .

Marfat.com

عرب (قبل از اسلام)
خطۂ بحیرہ روم کے ملک
سمندر کے تجارتی راستے
خشکی کے تجارتی راستے
بربر
بربر
طرابلس
صحرائے لیبیا
بحیرہ روم
مقدونیہ
ایشیائے کوچک
ساسانیوں کی ایرانی سلطنت
نفود
نجد
بنی کندہ کا علاقہ
یمامہ
ربع الخالی
عمان
طائف
صنعاء
عدن

دیوتا مل کر تر مورتی کہلاتے ہیں۔ اُن میں ایک برہما ہے۔ جسے ہندو کائنات کا خالق یعنی پیدا کرنے والا جانتے ہیں۔ دوسرا وِشنو جو دُنیا کا پالنے والا سمجھا جاتا ہے۔ اور تیسرا شو جو ہندوؤں کے عقیدے میں فنا اور ہلاکت کا دیوتا ہے۔ ہندو دھرم میں ذات پات کے بندھن بہت مضبوط ہیں۔ اور سارے ہندو چار ذاتوں میں سے کسی نہ کسی ذات سے ضرور تعلق رکھتے ہیں +

چینی۔ شروع شروع میں چینی بھی آگ، پانی، ہوا وغیرہ کی پُوجا کرتے تھے۔ لیکن چھٹی صدی عیسوی میں جب اسلام کا ظہور ہوا۔ تین مذہب یعنی بدھ مت، کنفوشس مت، اور تاؤ مت سارے چین پر چھائے ہوئے نظر آتے تھے +

چین کے باشندوں میں سے جو لوگ بُدھ مت کے پیرو تھے۔ وہ گوتم بُدھ کو دیوتا جان کر اُسے پُوجتے تھے۔ اور بدھ نے زندگی کا جو راستہ بتایا تھا۔ اُس پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ کنفوشس مت سرکار دربار کا مذہب تھا۔ جس کا بُنیادی اصُول یہ تھا۔ کہ انسان سے جہاں تک بن پڑے اعتدال کے راستے پر چلے۔ اور اُس سے اِدھر اُدھر نہ ہو۔ کنفوشس چین کا سب سے زیادہ دانا آدمی تھا۔ اور یہ مذہب اُسی نے شروع کیا تھا۔ تاؤ مت سیدھی سادی زندگی بسر کرنے اور نفسانی خواہشات سے بچنے کی تعلیم دیتا تھا۔ شروع شروع میں یہ مذہب بہت سیدھا سادہ تھا۔ لیکن آگے چل کے اُسے دِل کش بنانے کے لئے اس میں طرح طرح کی پُراسرار رسمیں اور جادُو ٹونے وغیرہ بھی شامل کر دیئے گئے +

چین میں بڑے بڑے دانش مند پیدا ہوئے۔ جن کی تعلیم سے لوگوں نے بڑا فیض اُٹھایا۔ پھر اس سرزمین نے بڑے بڑے شاعر، مصوّر اور قانون ساز بھی پیدا کیئے۔ لیکن چھٹی صدی میں اِس مُلک کا حال بہت خراب تھا۔ اور خانہ جنگیوں نے اسے تباہ کر رکھا تھا۔ ہاں کچھ عرصے کے بعد اس کی حالت سنبھل گئی۔ اور تانگ خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ جس کا عہدِ حکومت چینیوں کے لئے بڑے امن اور خوش حالی کا زمانہ ہے +

خُلاصہ۔ ہم جو کچھ بیان کر چکے ہیں۔ اُن سے تمہاری سمجھ میں یہ بات آگئی ہوگی۔ کہ جس زمانے میں رسُولِ خُدا پیدا ہوئے۔ دُنیا میں بہت سے مذہب پھیلے ہوئے تھے۔ جن میں بڑا اختلاف پایا جاتا

Marfat.com

تھا۔ شروع شروع کے زمانے میں تو انسان کے پاس صرف چند رسمیں تھیں۔ اور وہ انہیں رسموں کو مذہب سمجھتا تھا۔ لیکن چھٹی صدی میں بعض مذہب اِس منزل سے بہت آگے نکل آئے تھے۔ پھر بھی مختلف مذہبوں کے ماننے والوں میں رواداری نہیں تھی۔ اور وہ آپس میں مِل جُل کر نہیں رہ سکتے تھے۔ پھر یہ مذہب بھی مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اِن فرقوں میں آئے دن لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی اِن جھگڑوں میں خون کی ندّیاں بہہ جاتی تھیں۔ دنیا کے اکثر حصّوں کے لوگوں نے ابھی تہذیب و شائستگی میں زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ وہ نہ تو خیالات کے لحاظ سے مہذّب تھے۔ نہ ان کے رہنے سہنے کے طریقوں میں شائستگی نظر آتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ابھی تک بُت بھی پُجے رہے تھے۔ ہَوا، پانی، دریاؤں اور پہاڑوں کی پوجا بھی ہوتی تھی۔ یکایک اِس تاریکی میں نُور کی ایک کرن پھوٹی۔ یعنی پیغمبر اسلامؐ نے اُمّید کا چراغ جلا کے دُنیا میں اُجالا کر دیا+

Marfat.com

رسُول خُدا صلّے اللہ علیہ وسلّم

ولادت اور بچپن ۔ حضرت محمد مصطفٰے صلّے اللہ علیہ وسلم ۲۳ر اپریل ۵۷۱ء مطابق ۱۲ر ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ یہ بات تو ہمیں معلوم ہے۔ کہ آنحضرتؐ کی ولادت سے کچھ عرصہ پہلے آپ کے والد وفات پاگئے تھے۔ ابھی آپ پیدا نہیں ہوئے تھے کہ آپ کی والدہ کو کئی خواب دکھائی دیئے ۔ جن میں آپ کی عظمت اور بزرگی کی بشارت دی گئی تھی ۔

اُن دنوں عرب میں قاعدہ تھا۔ کہ بچوں کو پیدا ہوتے ہی دیہات کی دائیوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ اِس پُرانے دستور کے مطابق آنحضرتؐ کو قبیلہ بنو سعد کی ایک خوش نصیب دائی بی بی حلیمہ اپنے ساتھ لے گئیں جب آنحضرتؐ کی عمر چھ برس کی ہوئی ۔ تو ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ کی وفات کے بعد حضورؐ کو آپ کے دادا عبدالمطّلب نے اپنے دامنِ شفقت میں جگہ دی۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی پرورش اپنے ذمّے لے لی ۔

ابوطالب اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں جتنے خوش حال نہیں تھے۔ کنبہ بڑا تھا اور آمدنی کم۔ اِس لئے سارے کنبے کو بڑی محنت مشقّت کرنی پڑتی تھی۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی کا ابتدائی زمانہ انہیں کے ہاں گزارا۔ اور اس زمانے میں انہیں اپنے چچا کی بکریاں بھی چرانی پڑیں۔ آنحضرتؐ ایک تو بڑے ذہین تھے۔ پھر خُدا نے آپ کی طبیعت میں حِلم، شرافت اور شفقت کُوٹ کُوٹ کر بھر دی تھی۔ چنانچہ آپ کے کُنبے کے لوگ اور ہمجولی سب آپ کی عزّت کرتے تھے اور آپ پر جان چھڑکتے تھے۔ لڑکپن میں بھی آپ کا دِل انسانوں کے دُکھ درد اور مُصیبتوں پر کُڑھا کرتا تھا اور آپ اکثر اِس بات پر سوچ بچار کرتے رہتے تھے کہ لوگوں کو ان مُصیبتوں اور تکلیفوں سے کیونکر نجات دلائی جائے ۔

حضورؐ کے چچا ابوطالب اکثر تجارت کرنے باہر جایا کرتے تھے۔ ابھی آپ کی عُمر پورے بارہ برس کی بھی نہیں تھی کہ آپ کو بھی اُن کے ساتھ شام جانا پڑا۔ اِس سفر میں آپ کو بحیرا نام ایک عیسائی راہب سے مِلنے

Marfat.com

کا اتفاق ہوا۔ اُس نے آپ میں کچھ نشانیاں دیکھ کر یہ اندازہ لگایا۔ کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی آمد کا ذکر عیسائیوں کی کتابوں میں کیا گیا ہے۔ بحیرا نے ابوطالب سے کہا۔ "اپنے بھتیجے کا خیال رکھئے۔ کیونکہ انہیں ایک دن نبوّت کا رُتبہ ملنے والا ہے"۔

امین کا لقب ۔ شام کے سفر سے واپس آنے کے بعد آنحضرتؐ کاروبار میں اپنے چچا کا ہاتھ بٹانے لگے۔ آپ مختلف علاقوں میں قافلے لے کر جاتے اور اپنے چچا کے نائب کی حیثیت سے تجارت کرتے۔ آپ نے بیوپار میں ایسی راست بازی، دیانتداری اور انصاف پسندی کا ثبوت دیا کہ مُلک بھر میں آپ کی دیانت داری کی دُھوم مچ گئی۔ اور جگہ جگہ آپ کی راست بازی کے چرچے ہونے لگے۔ چنانچہ مکّہ میں آپ امین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کی دیانت داری پر ہر شخص کو اعتماد تھا۔ آپ کے حِلم، بُردباری، پاکبازی، فرض شناسی اور دانش مندی نے سب کو گرویدہ کر لیا تھا۔

کعبہ کی تعمیر ۔ کعبہ کی عمارت کئی مرتبہ ٹوٹ کر بنی تھی۔ آنحضرت صلعم کی عمر کا تیئسواں برس تھا۔ کہ سیلاب کی وجہ سے کعبہ کی عمارت کو بہت نقصان پہنچا۔ اور یہ صلاح ٹھہری کہ اُسے گرا کر از سرِ نو تعمیر کیا جائے۔ کچھ دِنوں میں عمارت تو تعمیر ہو گئی۔ اب صرف حجرِ اَسود کو اُٹھا کر اُس کی جگہ رکھنا باقی تھا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا۔ کہ یہ سعادت اُسی کے حصّے میں آئے۔ اِس جھگڑے نے بڑی خوف ناک صُورت اختیار کر لی۔ اور تلواریں میانوں سے نکل آئیں۔ آخر بڑے بوڑھوں نے جوشیلے نوجوانوں کو روکا۔ اور یہ طے پایا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے۔ وہی یہ جھگڑا چکائے۔

آنحضرتؐ کو اس فیصلے کی خبر نہیں تھی۔ لیکن اتفاق سے دوسری صبح سب سے پہلے آپ کعبہ میں پہنچے۔ آپ کو دیکھتے ہی ہر طرف سے آوازیں اُٹھیں "امین آگئے۔ امین آگئے۔ وہ جو فیصلہ کریں گے ہمیں منظور ہوگا"۔ چنانچہ یہ قضیّہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے ایک چادر لے کے اُسے بچھایا۔ پھر حجرِ اسود کو اس میں رکھ کر سب قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ ہر قبیلے کا سردار چادر کا ایک ایک کونہ پکڑ کے اُسے اُٹھائے۔ جب یہ ہو گیا۔ تو آپ نے حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے اُٹھا کر اُس کی جگہ رکھ دیا۔ اس طرح سب خوش ہو گئے۔ اور یہ جھگڑا جس نے بڑی خوف ناک صورت اختیار کر لی تھی

آسانی سے نمٹا دیا گیا ۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح ۔ آپ نے تجارت میں جس دیانت داری کا ثبوت دیا تھا۔ اس کی وجہ سے مکّہ کے لوگ آپ کے بڑے مدّاح تھے۔ حضرت خدیجہؓ مکّہ کی ایک شریف اور دولت مند خاتون تھیں۔ جن کے خاوند کا انتقال ہو چکا تھا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کی دیانت داری کا چرچا سُنا۔ تو اپنے کاروبار کی دیکھ بھال پر مقرّر کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ کا کاروبار بہت پھیلا ہوا تھا۔ لیکن آپ نے اِس خوبی سے اُس کا انتظام کیا۔ کہ اُس سے بڑا نفع ہونے لگا۔ حضرت خدیجہؓ کو آپ کی پاکیزہ خصلتیں ایسی پسند آئیں۔ کہ شادی کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ آپ کے ساتھ اُن کا نکاح ہو گیا۔ اُس وقت آپ کی عمر پچّیس برس اور بی بی خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی ۔

حضرت خدیجہؓ بڑی نیک اور شریف خاتون تھیں۔ اُنہوں نے آپ کی رفاقت اور اطاعت کا حق پوری طرح ادا کیا۔ اور بڑی خدمت گزار اور غم گسار بیوی ثابت ہوئیں۔ اور جب کبھی اپنی قوم کی بداخلاقیوں پر آپ کا جی کُڑھتا۔ تو وہ آپ کو تسلّی دیتیں۔ اِس زمانے میں آپ کا زیادہ وقت محتاجوں، لاچاروں، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری میں گُزرتا تھا۔ آپ بھوکوں کو کھانا کِھلاتے۔ مسکینوں کی دیکھ بھال کرتے۔ جو سوالی دروازے پر آجاتا تھا۔ اُسے خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے۔ لیکن بی بی خدیجہؓ نے آپ کو نیک کاموں میں روپیہ خرچ کرنے سے کبھی نہیں روکا ۔

غارِ حرا ۔ آنحضرتؐ کو شروع ہی سے بُت پرستی سے نفرت تھی۔ اس لئے آپ نے عربوں کی مذہبی رسموں رِیتوں میں کبھی حصہ نہیں لیا۔ آپ کو شروع ہی سے کائنات کی حقیقت معلوم کرنے کی دُھن لگی ہوئی تھی۔ بار بار خیال آتا تھا۔ کہ انسان، حیوان، جنگل، پہاڑ، زمین، آسمان، چاند، سورج، تارے کس طرح پیدا ہوئے؟ اور کیوں پیدا ہوئے؟ آپ کا دِل انسانوں کو پستی سے نکال کر بلندی پر پہنچانے اور سچائی کے راستے پر چلانے کے لئے ہمیشہ بے تاب رہتا تھا۔ مکّہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے۔ اُس میں ایک بڑا سا غار ہے۔ جو اِس پہاڑ کے نام پر غارِ حرا کہلاتا ہے۔ چونکہ غور و فکر کرنے کے لئے تنہائی کی ضرورت تھی۔ اِس لئے آپ اِس غار میں چلے جاتے۔ اور خُدا کی عبادت میں مصروف رہتے۔ یوں ہی کئی سال

Marfat.com

Marfat.com

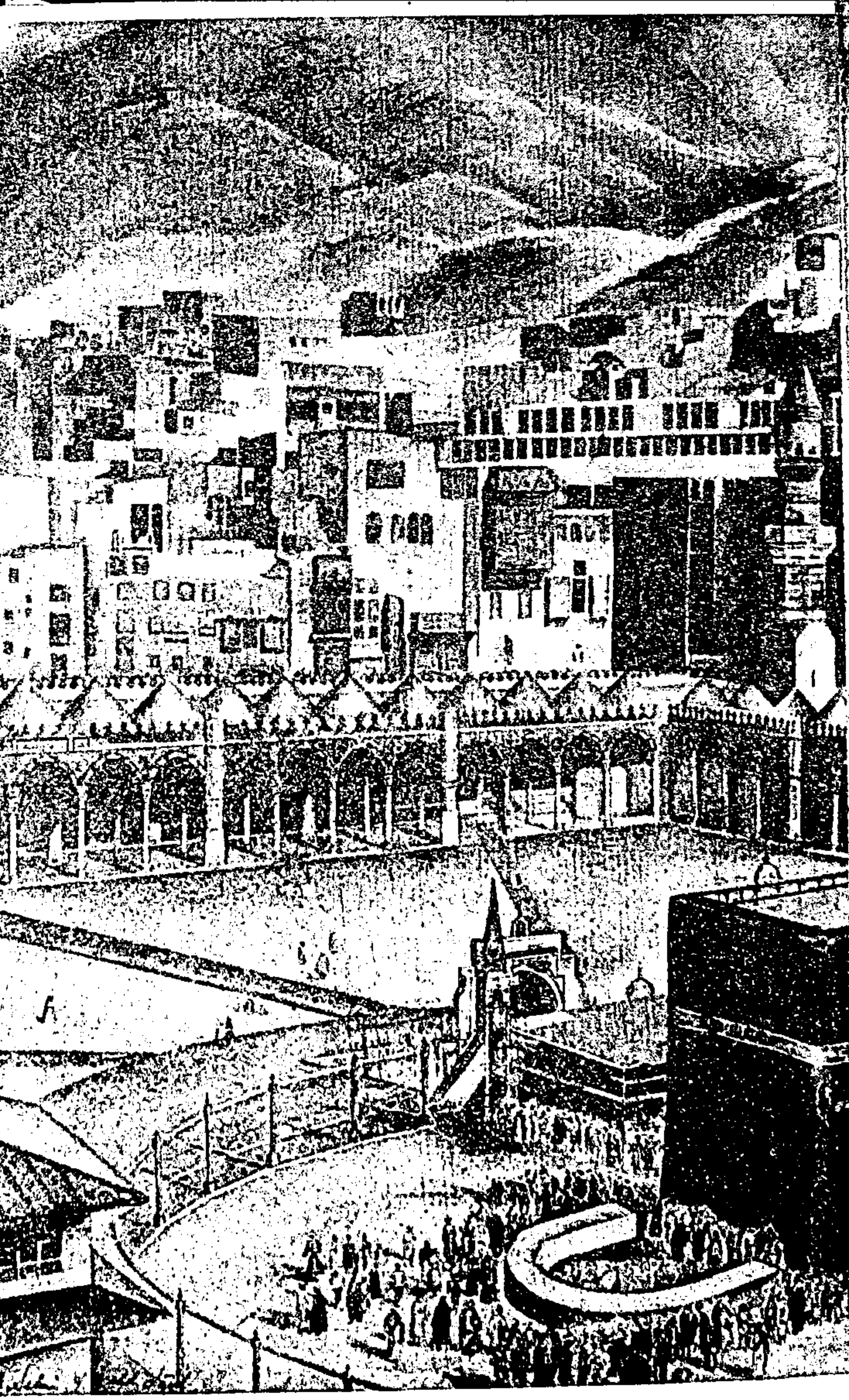

گزر گئے۔ جب آپ کی عمر چالیس برس کی ہوئی۔ تو آپ کو نبوّت کا منصب عطا ہوا۔

نزول وحی۔ ایک دن آپ مراقبہ میں تھے۔ کہ فضا میں ایک ہیبت ناک آواز گونج اُٹھی "اِقرَاء" یعنی پڑھو۔ آنحضرتؐ نے پہلے تو جواب میں کہا۔ "مجھے پڑھنا نہیں آتا"۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے محسوس کیا۔ کہ آپ پڑھ سکتے ہیں۔ آپ نے پوچھا "کیا پڑھوں؟" آواز آئی "اِقرَاء بِاسمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ" پڑھ ساتھ نام اپنے پروردگار کے جس نے پیدا کیا۔ پھر اُسی آواز نے بتایا کہ انسان زمین پر کس طرح اور کیوں آیا۔ اگر وہ اپنے اللہ کو پہچاننا چاہتا ہے۔ تو اُسے نیکی اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ جو فرشتہ یہ پیغام لے کر آیا تھا۔ اُس کا نام جبرئیلؑ تھا۔

اِس عظیم الشان واقعہ کے بعد آنحضرت صلعم غارِ حرا سے سیدھے گھر آئے۔ اور بی بی خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ وہ سمجھ گئیں۔ کہ اللہ نے آپ کو رسالت کا منصب عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو سُلا دیا۔ سو کے اُٹھے تو اپنے اندر بڑی تبدیلی پائی۔ وحی الٰہی کی روشنی سے سینہ نورانی تھا۔ رگ و پے میں نئی زندگی کی لہر سی دَوڑ رہی تھی۔ کیونکہ خدا نے دُنیا تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے آپ کو چُن لیا تھا۔

اِسلام۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کے سامنے جو دین پیش کیا۔ اُس کا نام اسلام ہے۔ یہ کوئی نیا دین نہیں بلکہ اللہ کا وہی پیغام ہے۔ جو دوسرے نبیوں نے لوگوں تک پہنچایا۔ آپ سے پہلے جو نبی آئے۔ وہ بھی لوگوں کو اسلام ہی کی طرف بُلاتے رہے ہیں۔ آپ کی تعلیم یہ تھی۔ کہ اللہ ایک ہے۔ وہ ساری کائنات کا پیدا کرنے والا اور قادر مطلق ہے۔ جزا و سزا کا ایک دن مقرّر ہے۔ جو لوگ نیک کام کریں گے۔ اور خدا کے احکام پر چلیں گے۔ انہیں اپنی نیکی کا اجر ملے گا۔ اور جو نافرمانی کریں گے۔ وہ عذاب میں مبتلا ہونگے۔ رسول خدا صلّے اللہ علیہ وسلم امن اور سلامتی کا یہی پیغام لے کر انسان کو ذلّت اور پستی کے گڑھے سے نکالنے اور جہالت کی تاریکی سے نجات دینے آئے تھے۔

سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں۔ پھر حضرت علیؑ۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہؓ مسلمان ہوئے۔ اُن کے بعد حضرت زبیرؓ۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ اور بعض دوسرے بزرگوں نے اسلام قبول کیا۔ آنحضرتؐ نے اِن سب کو نماز پڑھنے کا طریقہ

Marfat.com

سکھایا۔ پھر دین کے دوسرے ارکان بتائے۔ شروع شروع میں جو لوگ ایمان لائے تھے۔ اُن کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ پھر یہ اندیشہ بھی تھا کہ اہلِ مکّہ کو معلوم ہوا۔ تو وہ سخت مخالفت کریں گے۔ اِس لئے آنحضرتؐ نے تین برس تک علانیہ اسلام کی تبلیغ نہیں کی۔ اور چپکے چپکے دین پھیلاتا رہا۔ اِس عرصے میں کوئی تیس مَرد عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ لوگ وہ تھے جو آنحضرتؐ کے اعلےٰ اخلاق اور پاکیزہ خصلتوں سے بہت متاثّر ہوئے تھے۔ آپ نے اُن کے سامنے اسلام پیش کیا۔ تو اُنہوں نے فوراً قبول کر لیا۔

مخالفت ۔ تین سال یوں ہی چپکے چپکے اسلام پھیلتا رہا۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے کُھلّم کُھلّا تبلیغ شروع کر دی۔ پہلے آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو اللہ کی طرف بُلایا۔ لیکن اُن میں سے کوئی اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ پھر آپ نے قریش کو جمع کر کے اُنہیں تبلیغ کی۔ پہلے پہل تو اُنہوں نے آپ کی باتوں کو ہنسی دل لگی میں ٹال دیا۔ لیکن جب آپ کو اسلام کی تبلیغ میں ثابت قدم پایا۔ تو کُھلّم کُھلّا مخالفت شروع کر دی۔ اِن لوگوں کی مخالفت کی اصل وجہ یہ تھی۔ کہ بُت پرستی اُن کی روزی کا سہارا بنی ہوئی تھی کیونکہ وہ کعبے کے محافظ تھے۔ جس میں تین سو ساٹھ بُت رکھے ہوئے تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ اگر اسلام اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ اور بُت پرستی مٹ گئی۔ تو اُن کی روزی کا یہ سہارا چھن جائے گا۔

اب اِن لوگوں نے اسلام کے اثر کو روکنے کے لئے ایک جتھّا بنایا۔ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے پر کمر باندھی۔ اِس جتھّے کے ارکان میں قریش کا ایک سردار ابوجہل اور آنحضرتؐ کا چچا ابُولہب پیش پیش تھے۔ یہ لوگ رسُول خداؐ اور اُن کے ماننے والوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے۔ اُن پر ڈھیلے اور پتھّر پھینکتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے بعض مُسلمانوں کو سخت ایذائیں دے کے شہید کر ڈالا۔

جوں جوں دن گزرتے گئے۔ قریش کا ظلم بڑھتا گیا۔ اکثر آنحضرتؐ کے راستے میں کانٹے بچھا دیئے جاتے تھے۔ آپ رات کے اندھیرے میں اس طرف سے گزرتے۔ تو آپ کے پاؤں لہُولہان ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل نے آپ پر گندگی پھینک دی۔ جب یہ تدبیریں بھی ناکام ثابت ہوئیں تو قریش نے آپ کے چچا اور سرپرست ابوطالب کے ذریعہ آپ پر دباؤ ڈالنا چاہا۔ لیکن یہ وار بھی خالی گیا۔ پھر ایک دفعہ ان لوگوں نے آپ کا گلا گھونٹ کے مار ڈالنا چاہا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ

Marfat.com

نے اپنی جان پر کھیل کر آپ کو بچا لیا۔

جب قریش کے ظلم وستم کی انتہا ہوگئی۔ تو آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم نے کچھ مسلمانوں کو مکّہ چھوڑ کے حبشہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔ قریش کو یہ کب گوارا تھا۔ کہ مسلمان کچھ دن آرام میں گزار سکیں۔ انہوں نے چند معزّز آدمیوں کو اپنا ایلچی بنا کے حبشہ بھیجا۔ جنہوں نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کے کہا کہ ہمارے ہاں سے کچھ لوگ جو ایک نئے مذہب کے پیرو ہیں۔۔ بھاگ کر آپ کے مُلک میں چلے آئے ہیں۔ انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بُلوا بھیجا۔ اس قافلے میں حضرت علیؑ کے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالبؓ بھی تھے۔ جب نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا۔ کہ تم کس مذہب کے پیرو ہو۔ جس کی خاطر تمہیں اپنا وطن چھوڑنا پڑا ہے۔ تو حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر اُسے بتایا۔ کہ اسلامی تعلیم کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے بُت پرستی کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا ہے۔ ان کی حالت پہلے کیا تھی۔ اور اب کیا ہوگئی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے قرآن کی کچھ آیتیں بھی پڑھیں۔ بادشاہ ان کی باتوں سے بہت متاثّر ہوا۔ اور اُس نے قریش کے ایلچیوں سے صاف صاف کہہ دیا۔ کہ میں اِن لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ نجاشی مسلمانوں سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ ان کی بڑی خاطر مدارات کی۔ یہ پردیسی جنہیں اپنے وطن میں آرام نہ ملا تھا۔ بے وطنی میں بڑے اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ کئی برس کے بعد جب اسلام نے عرب میں زور پکڑا۔ اور مسلمانوں کا پلّہ بھاری نظر آنے لگا۔ تو نجاشی نے اِن پناہ گزینوں کو مدینہ بھجوا دیا۔

قریش میں صرف ابوطالب ہی ایسے شخص تھے۔ جنہوں نے آنحضرتؐ کی مدد سے ہاتھ نہیں اُٹھایا تھا۔ لیکن اِس نازک زمانے میں جب بعض مسلمانوں کو قریش کے ظلم سے تنگ آکر حبشہ چلا جانا پڑا۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ ابھی اُن کی موت کا زخم تازہ تھا۔ کہ حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات پائی۔ اِن دونوں کی وفات کے بعد مکّہ میں آنحضرتؐ کا رہنا دشوار ہوگیا۔ قریش کو اب کوئی روکنے والا نہیں رہا تھا۔ اُنہوں نے بے کھٹکے مسلمانوں کو ستانے پر کمر باندھی۔ اور جتنا ظُلم کر سکتے تھے۔ کر گزرے۔ آپ نے طائف کا رُخ کیا۔ لیکن وہاں بھی کسی نے آپ کا ساتھ نہ دیا۔ چنانچہ آپ پھر مکّہ تشریف لائے۔

رسول خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم اب زیادہ تر لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ لیکن تبلیغ کا کام بھی

Marfat.com

چُپکے چُپکے جاری تھا۔ باہر سے جو لوگ مکّہ آتے آپ موقع پاکر اُن سے مِلتے۔ اور انہیں اللہ کی طرف بُلاتے۔ حج کے موقع پر عرب کے مختلف حصّوں سے لوگ کھچ کر مکّہ میں جمع ہو جاتے تھے۔ اِس موقع پر آپ اس خیال سے اِن لوگوں سے مِلتے۔ کہ شاید اُن کے دِل پگھل جائیں۔ اور وہ بُرائی سے باز آجائیں۔ چنانچہ یثرب کے کچھ لوگوں نے جو حج کرنے آئے تھے۔ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور یہ وعدہ کیا۔ کہ اب وُہ بُتوں کی پُوجا نہیں کریں گے۔ گُناہوں سے باز آجائیں گے۔ اور یثرب پہنچ کر دوسرے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچائیں گے۔ اگلے سال اِس شہر کے بہت سے لوگوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور اس طرح یثرب میں گھر گھر آنحضرتؐ کا چرچا ہونے لگا۔ لیکن اُدھر یثرب میں اسلام قدم جما رہا تھا۔ اور اِدھر مکّہ میں مسلمانوں کی مخالفت کا سیلاب تھا کہ اُمڈا چلا آتا تھا۔

ہجرت (سنہ ۶۲۲ء) اِسی زمانے میں یثرب کے لوگوں کا ایک وفد رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بڑے اصرار سے عرض کیا۔ کہ آپ یثرب تشریف لے چلئے۔ قریش کو یہ خبر ملی۔ تو اُن کے غصے کی حد نہ رہی۔ ابھی قریش یہ فیصلہ نہیں کرنے پائے تھے۔ کہ اِس موقع پر کیا کرنا چاہیئے۔ کہ مسلمان رسول خداؐ کے حکم سے مکّہ چھوڑ چھوڑ کے یثرب جانے لگے۔ کچھ اکیلے دکیلے گئے، کچھ اپنے کُنبہ کے لوگوں اور دوستوں کے ساتھ۔ چنانچہ چند روز کے اندر مکّہ میں صرف چند مسلمان رہ گئے۔ اِس موقع پر مسلمانوں کو قریش کے ہاتھوں بڑے دُکھ اُٹھانے پڑے۔ اور وہ بڑی مصیبتیں جھیل کے یثرب پہنچے۔

جب قریش نے دیکھا۔ کہ سارے مسلمان مکّہ سے نکلے جا رہے ہیں۔ تو اُنہیں خیال آیا۔ کہ اب تک انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لئے جو کچھ کیا تھا۔ وہ کافی نہیں تھا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار ایک جگہ جمع ہوئے۔ آپس کے صلاح و مشورے سے طے پایا۔ کہ آنحضرت صلعم کو قتل کر دیا جائے۔ اِن دنوں سارے مسلمان یثرب جا چکے تھے۔ اور مکّہ میں صرف آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے دو تین صحابی رہ گئے تھے۔ قریش کا خیال تھا۔ کہ آنحضرت صلعم کو قتل کرنے کا اِس سے اچھا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک رات رسول خداؐ کے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ آنحضرتؐ نے اپنے چچیرے بھائی حضرت علیؑ کو اپنے بچھونے پر سُلا دیا۔ اور اس طرح اپنے گھر سے نکل کر چلے گئے۔ کہ قریش کو خبر بھی نہ ہونے پائی۔ آنحضرتؐ گھر سے

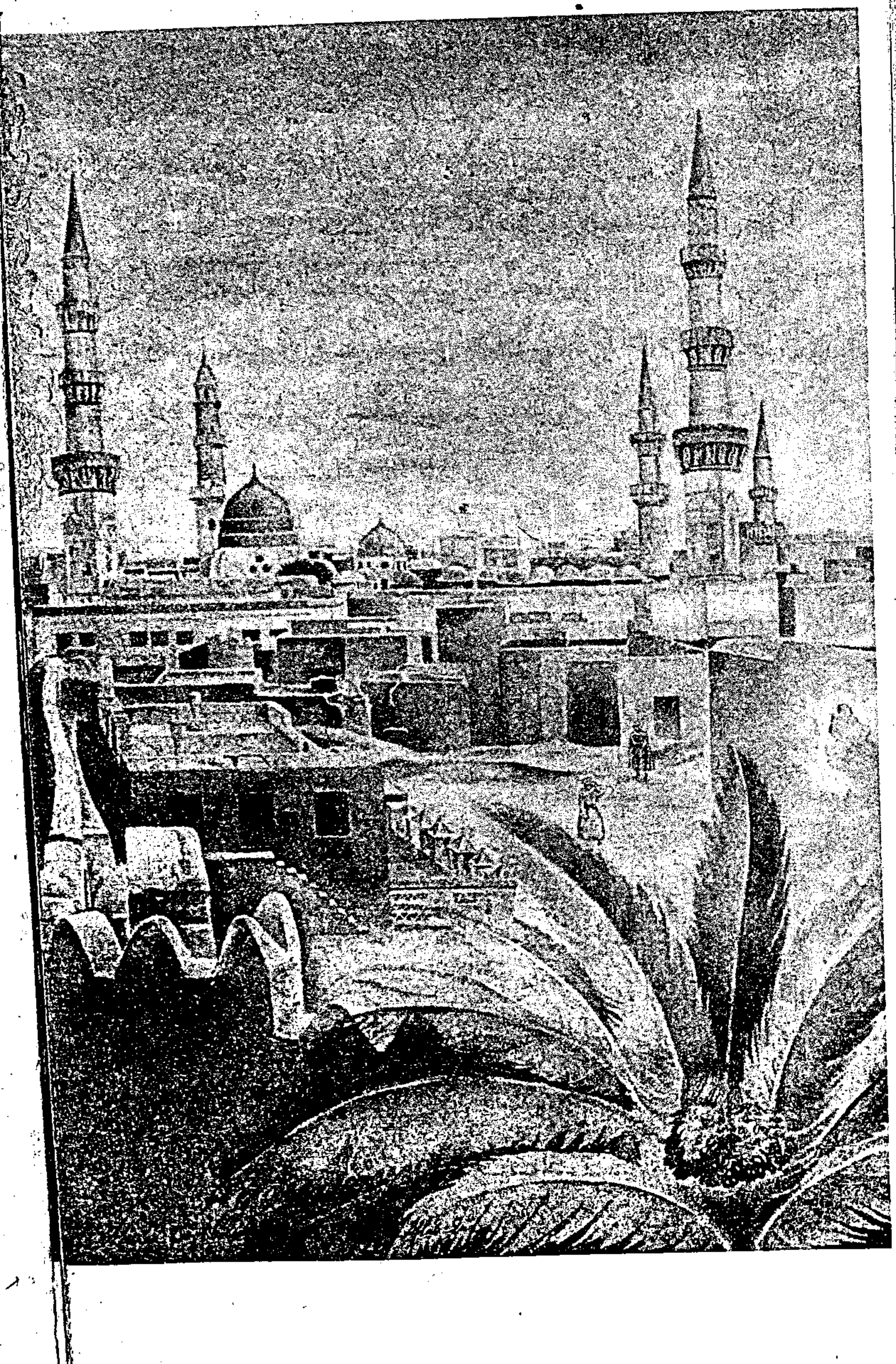

Marfat.com

نکل کے اپنے جاں نثار صحابی ابوبکرؓ کے ہاں پہنچے۔ پھر اُنہیں ساتھ لے کر ایک غار میں جا چھپے۔ جو مکّہ کے پاس ہے۔ اور غارِ ثَور کہلاتا ہے۔ قریش نے بڑی دَوڑ دھوپ کی۔ لیکن آپ کا کوئی سُراغ نہ ملا۔

غار میں تین دن گزرنے کے بعد آپ نے یثرب کا رُخ کیا۔ چونکہ یہ اندیشہ تھا۔ کہ قریش ضرور پیچھا کریں گے۔ اِس لئے ایک لمبا اور دشوار گزار راستہ اختیار کیا۔ اور آٹھ دن تپتے ریگستانوں میں سفر کرنے کے بعد ۸ ربیع الاول کو یثرب کے نواح میں جا پہنچے۔ یہاں ہر شخص مشتاقِ دیدار تھا۔ چنانچہ آپ کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہوئی۔ تو لوگ بے تاب ہو کر گھروں سے نکل آئے۔ اور اللہ اکبر کی صداؤں سے فضا گونج اُٹھی۔ یہاں آپ نے ایک مسجد کی بُنیاد رکھی۔ اور جُمعہ کے روز نماز پڑھائی۔ اسلام میں یہ پہلی نماز جمعہ تھی۔ نماز کے بعد آپ یثرب کے شہر میں داخل ہوئے۔ دیکھو۔ ایک جگہ کی سکونت ترک کر کے دوسری جگہ چلے جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔ اس لئے آنحضرت صلعم کا مکّہ سے یثرب تشریف لے جانا ہجرت کا واقعہ کہلاتا ہے۔ سن ہجری اِسی واقعہ کی یادگار ہے۔

→ —— مدینہ منوّرہ۔ یہ سامنے مسجد نبویؐ کے مینار ہیں

Marfat.com

ہجرت کے بعد

یثرب میں رسول خداؐ کی تشریف آوری کے بعد یہ شہر مدینۃ النّبیؐ یعنی نبی کا شہر کہلانے لگا۔ جو مختصر ہو کر صرف مدینہ رہ گیا۔ جو لوگ مکّہ چھوڑ کر مدینہ آئے۔ وہ مہاجرین یعنی ہجرت کرنے والے کہلائے۔ اور مدینہ کے مسلمان انصار، یعنی مدد کرنے والے۔ ان دونوں میں بھائی چارے کا جو رشتہ قائم ہوا۔ وہ خون کے رشتے سے بھی زیادہ پائدار تھا۔

مدینہ کے لوگوں میں سے ہر شخص چاہتا تھا۔ کہ رسول خداؐ میرے ہاں ٹھہریں۔ لوگ راستے میں جگہ جگہ اُونٹ کی مہار پکڑ کر عرض کرتے تھے۔ کہ ہمارے مہمان بن کے ہمیں عزّت بخشئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اُونٹ کو چھوڑ دو۔ جہاں یہ رُکے گا۔ میں وہیں اُتر پڑوں گا۔ چنانچہ اونٹ جہاں رُکا۔ وہاں ایک مسجد کی بُنیاد ڈالی گئی۔ مسجد کی دیواریں کچّی اینٹوں کی تھی۔ کھجور کی لکڑی کے ستون کھجور کے پتّوں کی چھت۔ مسجد بنانے میں رسُولِ خداؐ نے خود بھی حصّہ لیا۔ یہی وہ مسجد ہے۔ جہاں رسُول خداؐ نے اسلام کے اصُولوں کی تبلیغ کی۔ یہیں یہ آوازِ حق گونجی۔ کہ اللہ ایک ہے۔ سارے اِنسان بھائی بھائی ہیں۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ وُہ نیکی اور پرہیزگاری کی زندگی بسر کرے۔ کمزوروں۔ بُوڑھوں۔ یتیموں اور رسُولِ خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم نے عربوں میں اخوّت کا جو جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ وہ آج تک قائم ہے

Marfat.com

بیواؤں کے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آئے ؛

عرب کے دوسرے علاقوں کی طرح یثرب اور اس کے آس پاس کے علاقے میں بھی قبیلوں کے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے بڑی افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ رسول خداؐ نے اِن جھگڑوں کو مٹا کر بہتر قسم کا معاشرتی نظام قائم کیا۔ مدینے میں اوس اور خزرج دو قبیلے تھے۔ اُن میں بھی پُرانی دشمنی چلی آتی تھی۔ آپ نے اُنہیں متحد کر دیا۔ اور یہ دونوں قبیلے انصار کہلانے لگے۔ اس کے علاوہ مہاجرین اور انصار میں بھائی چارہ قائم کر کے انہیں سچ مچ بھائی بھائی بنا دیا ؛

پہلا منشور۔ مدینہ میں جو یہودی آباد تھے۔ اُنہیں بڑا اقتدار حاصل تھا یہودی مدّت سے مسیحؑ کے انتظار میں تھے انہوں نے آنحضرتؐ کے حالات سُنے۔ تو اُنہیں خیال ہوا۔ کہ آنحضرتؐ ہی وہ مسیحؑ ہیں جن کا انتظار وُہ مدّت سے کر رہے تھے چنانچہ جب رسُولِ خداؐ مدینہ میں تشریف لائے۔ تو اُنہوں نے بڑی گرم جوشی سے آپؐ کا خیر مقدم کیا آپؐ بھی اُن سے بہت اچھی طرح پیش آئے یعنی یہودیوں کو پوری پُوری مذہبی آزادی کی سَنَد عطا کر کے مذہبی رَوَاداری کی اعلیٰ مثال قائم کر دی۔ اس منشُور کی بڑی بڑی دفعات یہ تھیں کہ یہُودیوں کو پُوری پُوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے حقوق ایک جیسے ہوں گے۔ دونوں میں سے کسی کو لڑائی پیش آئے گی۔ تو ایک فریق دُوسرے کی مدد کرے گا۔ اور مدینہ پر کوئی دُشمن چڑھ آئے گا۔ تو دونوں مِل کر اُس کا مقابلہ کریں گے ؛

دوسرا منشُور۔ مدینہ اور اُس کے آس پاس کے علاقے میں عیسائی بھی آباد تھے۔ چنانچہ انہیں بھی اِسی قسم کے حقوق عطا کئے گئے۔ کوہِ سینا کے پاس عیسائی راہبوں کی ایک خانقاہ تھی۔ آگے چل کے آپؐ نے ان راہبوں اور دُوسرے عیسائیوں کے لئے ایک منشُور جاری کیا۔ جو اسلامی رواداری کی ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ رسول خداؐ نے خود اس بات کی ذمہ داری لی۔ کہ اُن کے گرجا اور خانقاہیں محفوظ رہیں گی۔ اور اُنہیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچے گا۔ مُسلمانوں کو بڑی سختی سے اس بات کی تاکید کر دی گئی تھی۔ کہ وہ اِس منشُور کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی نہ کریں۔ جو لوگ خلاف ورزی کریں گے۔ انہیں سخت سزائیں دی جائیں گی ؛

اِس منشُور میں یہ بھی کہا گیا تھا۔ کہ عیسائیوں پر کوئی ناجائز محصُول نہیں لگایا جائے گا۔ اُن کے کسی اسقف یعنی بشپ کو اُس کے عُہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا۔ کسی عیسائی کو اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہیں

Marfat.com

کیا جائے گا۔ کسی راہب کو خانقاہ سے نہیں نکالا جائے گا۔ کسی عیسائی زائر کو اپنے مذہبی مقامات کی زیارت کرنے سے روکا نہیں جائے گا۔ اور مسجدیں تعمیر کرنے یا مسلمانوں کے مکان بنانے کے لئے کوئی گرجا یا خانقاہ گرائی نہیں جائے گی۔ جو عیسائی عورتیں مسلمانوں سے شادی کریں گی۔ اُنہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت ہوگی۔ اور نہ تو اُنہیں مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ نہ مذہبی رسمیں بجا لانے میں کسی قسم کی روک ٹوک کی جائے گی۔ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجاؤں اور خانقاہوں کی مرمّت کرنے یا کسی اور مذہبی کام میں مسلمانوں کی امداد کی ضرورت پڑے گی۔ تو مسلمان اُن کی مدد کریں گے۔ اگرچہ یہ منشور عیسائیوں کے لئے تھا۔ لیکن بعد کے زمانے میں جب مسلمانوں کو دوسری قوموں سے واسطہ پڑا۔ تو اُنہوں نے تمام غیر مسلموں سے اِسی قسم کا سلوک کیا۔

قریش سے جنگ۔ مدینہ میں آنحضرتؐ کو جو ہر دلعزیزی نصیب ہوئی۔ قریش کو اُس کا حال معلوم ہوا۔ تو اُن کے سینوں پر سانپ سا لوٹ گیا۔ اور وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کچلنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ چنانچہ رسول خداؐ کو مدینہ آئے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا۔ کہ قریش نے مسلمانوں کو پھر ستانا شروع کر دیا۔ پہلے تو اُنہوں نے یہودیوں سے ساز باز کر کے یہ منصوبہ باندھا۔ کہ مدینہ کی ناکہ بندی کر دی جائے۔ تاکہ مدینے والوں کو اپنی ضرورت کی چیزیں نہ مل سکیں۔ لیکن یہ وار بھی خالی گیا۔ اور کوئی چیز اللہ کے رسول کو سچائی کے راستے سے نہ ہٹا سکی۔ اب قریش نے مدینے پر حملے شروع کئے۔ لیکن اِن دنوں مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لئے تلوار اُٹھانے کی اجازت مل چکی تھی۔ یعنی اللہ کا حکم آگیا تھا۔ کہ جو تم سے لڑے۔ تم بھی خدا کی راہ میں اُس سے لڑو۔ چنانچہ دونوں فریقوں میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہونے لگیں۔ قریش کی ٹکریاں آئے دن مدینہ پر دھاوے کرتیں۔ اُدھر سے مسلمان بڑھتے۔ تلواریں کھچ جاتیں۔ اور قریش بھاگ کھڑے ہوتے۔

جنگ بدر۔ مدینہ سے کچھ فاصلے پر بدر ایک جگہ ہے۔ ہجرت سے دوسرے برس یہاں قریش مکّہ اور مسلمانوں میں زور کی لڑائی ہوئی۔ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم تین سو تیرہ جاں نثاروں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے۔ اِن میں کچھ کم عمر لڑکے بھی تھے۔ پھر مسلمانوں کے پاس لڑائی کا سامان کم تھا۔ بہت سے سپاہیوں کے پاس پورے ہتھیار بھی نہیں تھے۔ لیکن قریش لڑائی کا پورا بندوبست کر کے آئے تھے۔ چنانچہ ایک تو گنتی میں

Marfat.com

وہ مسلمانوں سے تگنے تھے۔ پھر وہ لڑائی کے ساز و سامان سے بھی اچھی طرح آراستہ تھے۔ لیکن اِس معرکہ میں انہیں شکست فاش نصیب ہوئی۔ اُن کے کئی سردار جن میں ابو جہل بھی تھا۔ مارے گئے۔ بہت سے لوگ قید ہو گئے۔ مسلمانوں نے اِن قیدیوں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اور انہیں بڑے آرام سے رکھا۔

جنگ اُحد۔ اِس شکست پر مکّہ میں کہرام مچ گیا۔ اور قریش کے دِلوں میں انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی۔ چنانچہ ہجرت کے تیسرے برس پھر مدینہ پر چڑھائی ہوئی۔ اب کے وہ پہلے سے زیادہ فوج لے کر آئے تھے۔ اور ابو سفیان سپہ سالار تھا۔ مسلمانوں کی فوج بھی بہت کم تھی، اور سامانِ جنگ بھی کم۔ مدینہ سے باہر اُحد ایک پہاڑ ہے۔ اُس کے دامن میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ پہلے مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اور اہل مکّہ کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ لیکن اُحد کی گھاٹیوں پر جو مسلمان سپاہی مقرّر تھے۔ اُنہوں نے اِس موقع پر غفلت برتی۔ یعنی قریش کو بھاگتے دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ قریش اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کے پیچھے کی طرف سے مسلمانوں پر آپڑے۔ اور لڑائی کا نقشہ بدل گیا۔ اب مسلمانوں میں ایسی افراتفری مچی۔ کہ کئی بڑے بڑے صحابی شہید ہو گئے۔ بلکہ خود رسول خداؐ بھی زخمی ہوئے۔ لیکن اِس نازک موقع پر بھی آنحضرتؐ کے ماتھے پر بَل تک نہ پڑا۔ مسلمانوں نے سنبھل کر حملہ کیا۔ اور قریش کو مار کر ہٹا دیا۔

جنگ خندق۔ کچھ عرصے کے بعد مکّہ والوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تیاریاں پھر شروع کر دیں۔ اور ہجرت کے پانچویں سال دس ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر مدینہ پر ہلّہ بول دیا۔ یہودیوں اور عرب کے بعض دوسرے قبیلوں نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں صرف تین ہزار سپاہی تھے۔ پھر ساز و سامان بھی بہت کم تھا۔ اِس لئے مدینہ کو دشمن سے بچانے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اس موقع پر رسول خداؐ نے ایک نئی جنگی تدبیر سے کام لیا۔ یعنی شہر کے جو حصّے غیر محفوظ تھے۔ ان کے گِرد ایک خندق کھودی گئی۔ دشمن مہینہ بھر تک شہر کا محاصرہ کیئے پڑا رہا۔ اس نے خندق پھاند کر مدینہ کے اندر گھُس آنے کی بہتیری کوششیں کیں۔ لیکن مسلمانوں نے اُسے پسپا کر دیا۔ اِتنے میں مینہ اور آندھی نے زور باندھا۔ حملہ آوروں کے پاس رسد بھی باقی نہ رہی۔ چنانچہ انہیں محاصرہ اُٹھا کر واپس چلا جانا پڑا۔ یہ یادگار لڑائی جنگ خندق کے نام سے مشہور ہے۔

یہودیوں کی غدّاری۔ بدر۔ اُحد۔ اور خندق کے معرکوں میں مسلمانوں کو جو کامیابی ہوئی

Marfat.com

تھی۔ اُس کی وجہ سے مدینہ کو دشمن کے حملے کا خطرہ نہ رہا۔ اور اسلام تیزی سے پھیلتا چلا گیا۔ البتہ یہودی اب تک شرارتوں سے باز نہیں آئے تھے۔ تمہیں معلوم ہے۔ یہودیوں نے مسلمانوں سے یہ معاہدہ کر رکھا تھا کہ اگر مدینہ پر کسی نے حملہ کیا۔ تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر حملہ آور سے لڑیں گے۔ لیکن اُنہوں نے تھوڑے ہی دنوں میں یہ معاہدہ توڑ ڈالا۔ اور مسلمانوں کا ساتھ دینے کے بجائے قریش سے مِل گئے۔ چنانچہ انہیں مدینہ اور اُس کے آس پاس کی بستیوں سے نکال دیا گیا۔ اب اُنہوں نے کُھلّم کُھلا قریش کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ خندق کی لڑائی میں وہ پیش پیش تھے۔ یعنی جس فوج نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا۔ اُس میں یہودی بھی شامل تھے۔ اُنہیں اپنی شرارتوں کی یہ سزا ملی۔ کہ خیبر پر جو اُن کا مرکز تھا۔ مسلمانوں نے چڑھائی کر دی۔ اُنہوں نے یہاں جو قلعے بنا رکھے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے چھین لیئے گئے۔ اور ان کا زور ٹوٹ گیا۔

صُلح حُدیبیہ۔ خیبر کی جنگ سے ایک سال پہلے اہل مکّہ اور مسلمانوں میں عارضی صُلح ہو چکی تھی یہ صُلح حُدیبیہ کے مقام پر ہوئی تھی۔ جو مکّہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔ اس لئے صُلح حُدیبیہ کہلاتی ہے۔ یہ صلح اصل میں اسلام کی فتح تھی۔ چنانچہ قرآن میں اسے فتح مبین کہا گیا ہے۔ حُدیبیہ میں جو صلح نامہ ہوا تھا اُس کے رُو سے دس برس کے لئے لڑائی ملتوی کر دی گئی تھی۔ دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے کی اجازت مِل گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لڑائی نے دونوں فریقوں کے درمیان جو لوہے کی دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔ وہ باقی نہ رہیں۔ دونوں ایک دوسرے سے بے روک ٹوک ملنے لگے۔ اور مسلمانوں کو اسلام پھیلانے کا موقع مل گیا۔

آنحضرتؐ مکّہ میں۔ صلح حُدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ اگلے سال مسلمان کعبہ کی زیارت کرنے مکّہ آئیں گے۔ چنانچہ آنحضرتؐ بہت سے مسلمانوں کو لے کر مکّہ گئے۔ مسلمانوں کے مکّہ پہنچنے سے پہلے ہی قریش آس پاس کے پہاڑوں میں چلے گئے تھے۔ تاکہ مسلمانوں سے مُڈبھیڑ کا موقع نہ آئے۔ وہ پہاڑوں سے حیران ہو ہو کر مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔ اُن کے دِلوں پر آنحضرتؐ کے وقار۔ اور کریم النّفسی اور آپ کے پیروؤں کی سادگی اور عادات و اطوار کی پاکیزگی کا بڑا اثر پڑا۔ جب تک مسلمان مکّہ میں رہے۔ یہ لوگ اپنے گھروں میں نہ آئے۔

Marfat.com

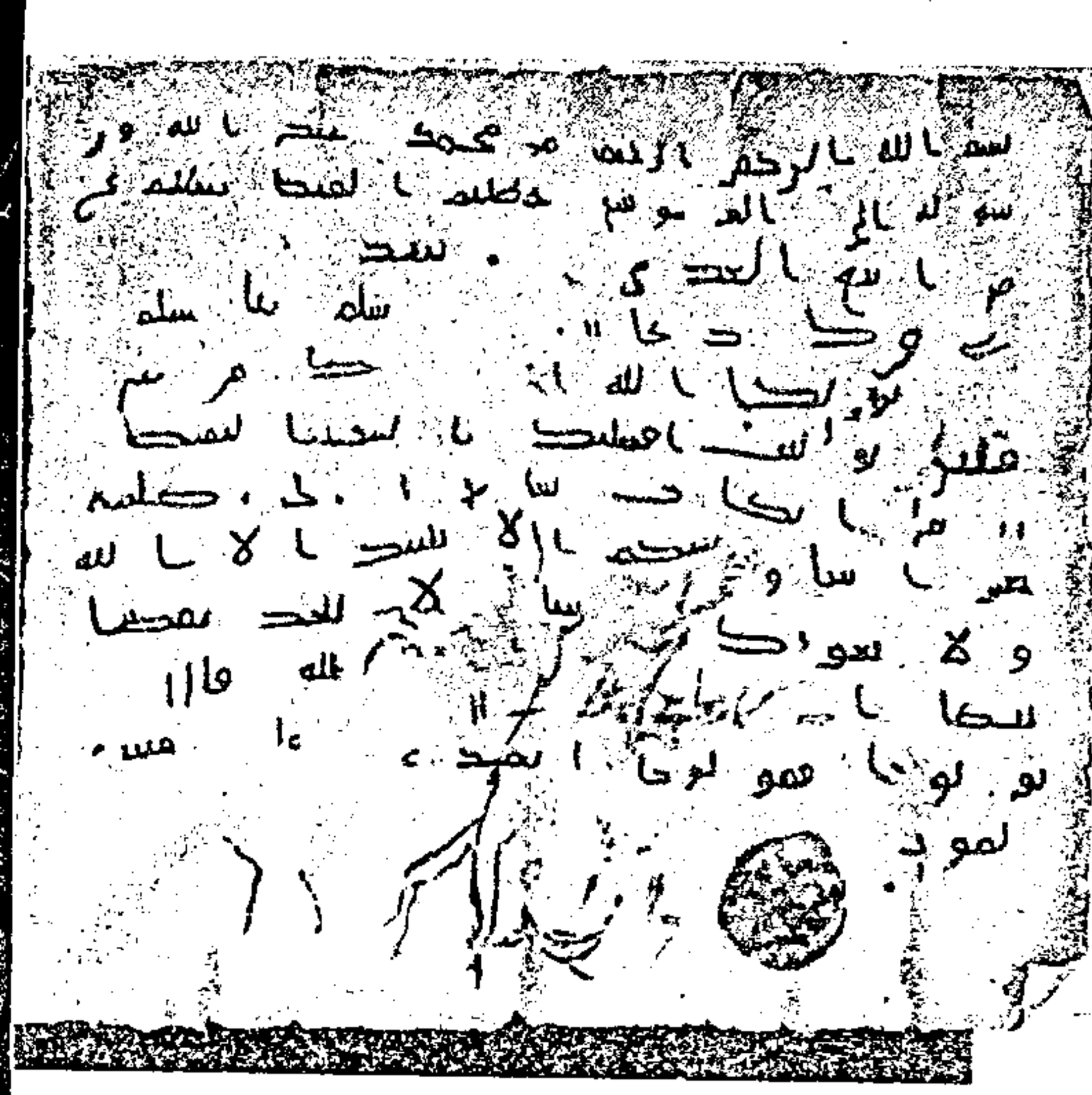

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَ
قَسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰی
الْہُدٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ
بِدِعَاءِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ
یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ
فَعَلَیْکَ اِثْمُ کُلِّ الْقِبْطِ
کِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ
بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ
نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ
تَوَلَّوْا اشْہَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

اللہ
رسول
محمد

رسُولِ خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم کا خط مقوقس حاکم مصر کے نام

بادشاہوں کے نام خط۔ اِسی سال یعنی ہجرت کے ساتویں برس رسُول خدا نے روم کے شہنشاہ ہرقل اور ایران کے بادشاہ خُسرو پرویز کے پاس اپنے ایلچی بھیجے۔ اور اُنہیں خط لکھ کر اسلام کی طرف بُلایا۔ ہرقل نے تو بڑی شائستگی سے خط کا جواب دیا۔ لیکن ایران کے بادشاہ خسرو نے جو بڑا مغرور شخص تھا۔ آنحضرتؐ کے خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور ایلچی کو دربار سے نکلوا دیا۔ جب آنحضرتؐ کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ خسرو پرویز کی سلطنت بھی یوں ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد ہی اِس عظیم الشّان سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی، مصر کے حاکم مقوقس اور آس پاس کے علاقوں کے بعض دوسرے فرمانرواؤں کے نام بھی خط بھیجے گئے۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا۔

فتح مکّہ۔ ابھی حُدیبیہ کی صُلح کو پورے دو برس بھی نہ ہونے پائے تھے۔ کہ قریش نے ایک قبیلے کے

Marfat.com

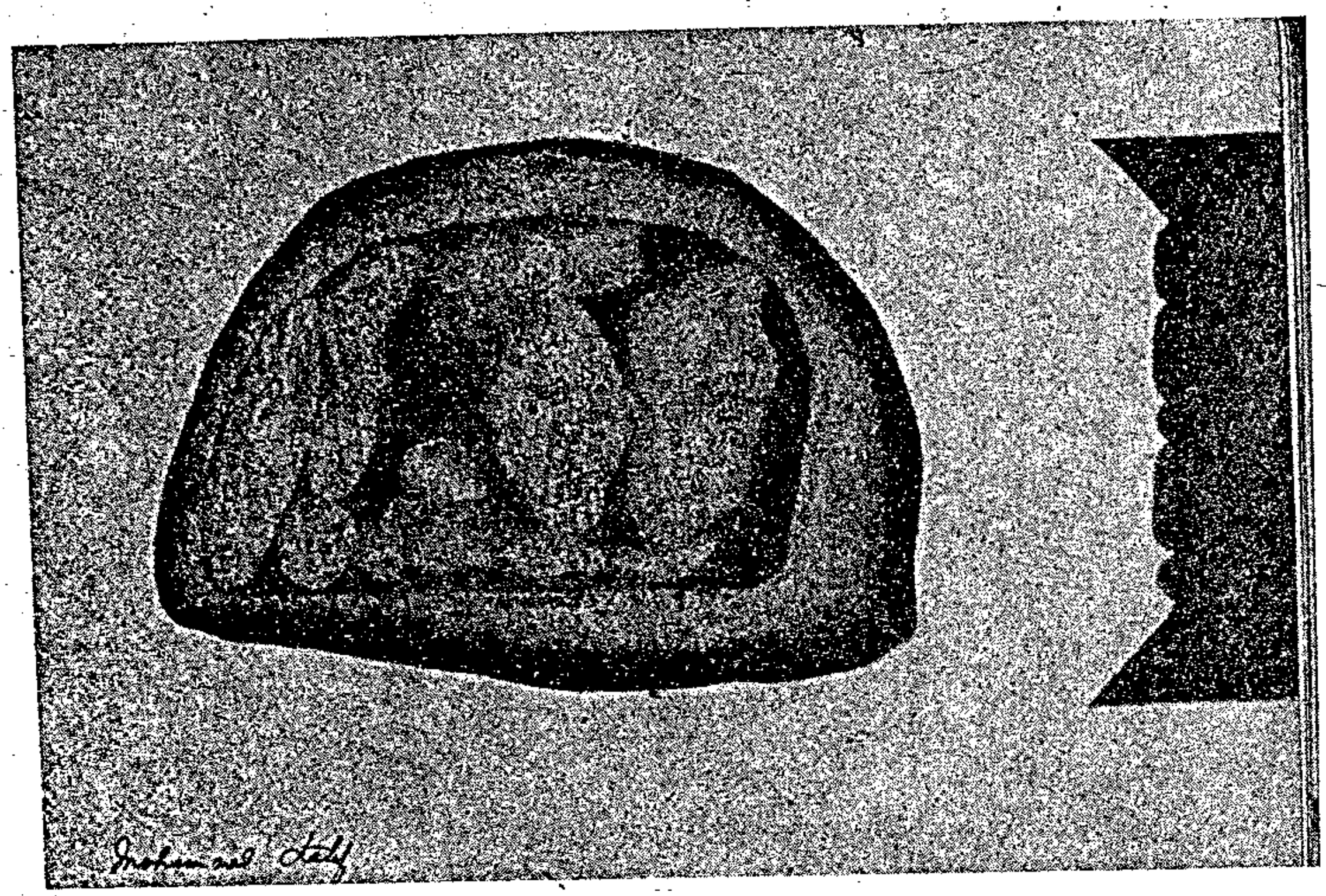

حجرِ اسود جسے رسولِ خدا نے اُٹھا کے اپنے مقام پر رکھا تھا

بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ یہ قبیلہ مسلمانوں کا حلیف تھا اور قریش کی اِس حرکت سے حُدیبیہ کا معاہدۂ صُلح خود بخود ٹوٹ گیا تھا۔ اِس لئے آنحضرت صلعم نے فیصلہ کر لیا۔ کہ مکّہ والوں کی شرارتوں کا خاتمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے دس ہزار مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکّہ کا رُخ کیا۔ اور قریش نے لڑے بھڑے بغیر شہر آپ کے حوالے کر دیا۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ رسُول خداؐ اور آپ کے پیروؤں کو طرح طرح کے دُکھ دِیئے تھے۔ اب آپ کے رحم و کرم پر تھے۔ مگر آپ نے اُن کے قصُور معاف کر دیئے۔ اور اُن سے بڑی شفقت اور مہربانی سے پیش آئے۔ صرف چار آدمیوں کو جو قانون کی نگاہوں میں بہت بڑے مجرم تھے۔ سزائیں دی گئیں۔ البتّہ کعبہ کو بُتوں سے پاک کر دیا گیا۔ آنحضرت صلعم بُتوں کو گراتے وقت یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ حق آیا اور باطل گم ہو گیا۔ اور باطل

رسُولِ خداؐ کے مُبارک عہد کی طرح آج بھی یمن بڑا سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ اور یہاں جزیرہ نمائے عرب کے دوسرے حصوں سے زیادہ پانی موجود ہے ←

Marfat.com

گُم ہو جانے والی چیز ہے۔ اِس موقع پر سارے اہلِ مکّہ نے جو ابھی تک اپنے مذہب پر اَڑے رہے تھے۔ اِسلام قبُول کر لیا۔

سالِ وُفود۔ رسول خدؐا مکّہ سے مدینہ واپس آئے۔ تو آپ کو کئی اور کامیابیاں ہوئیں۔ اب تک بہت سے قبیلے اسلام قبول کرنے میں ہچکچا رہے تھے۔ لیکن اب وہ وفد بھیج بھیج کر اسلام قبول کرنے لگے۔ اور ہجرت کے نویں سال تو اس کثرت سے وفد آئے۔ کہ یہ سال اسلامی تاریخ میں "سالِ وُفود" کہلاتا ہے۔ مدینہ میں جو وفد آتا تھا۔ رسول خدؐا اُس کے ساتھ بڑی شَفقَت اور مہربانی کے ساتھ پیش آتے۔ اور وہ آپ کی مہمان نوازی اور اعلےٰ اخلاق کا گہرا اثر لے کر واپس جاتا تھا۔ اِن میں یمن کے قبیلوں کے وفد کثرت سے تھے۔ جب کسی قبیلے کا وفد رخصت ہونے لگتا۔ تو اُسے اِس مضمون کی ایک تحریر لکھ دی جاتی کہ قبیلے کے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔ اور نَو مُسلموں کو اسلام کے ارکان سکھانے کے لئے ایک شخص وفد کے ساتھ کر دیا جاتا تھا۔ یمن کا ایک بڑا قبیلہ بنو ہمدان کہلاتا تھا۔ اس میں اسلام پھیلانے کے لئے حضرت علیؑ

عرفات کا میدان۔ جہاں رسُولِ خدؐا نے حجۃ الوداع کا خُطبہ ارشاد فرمایا

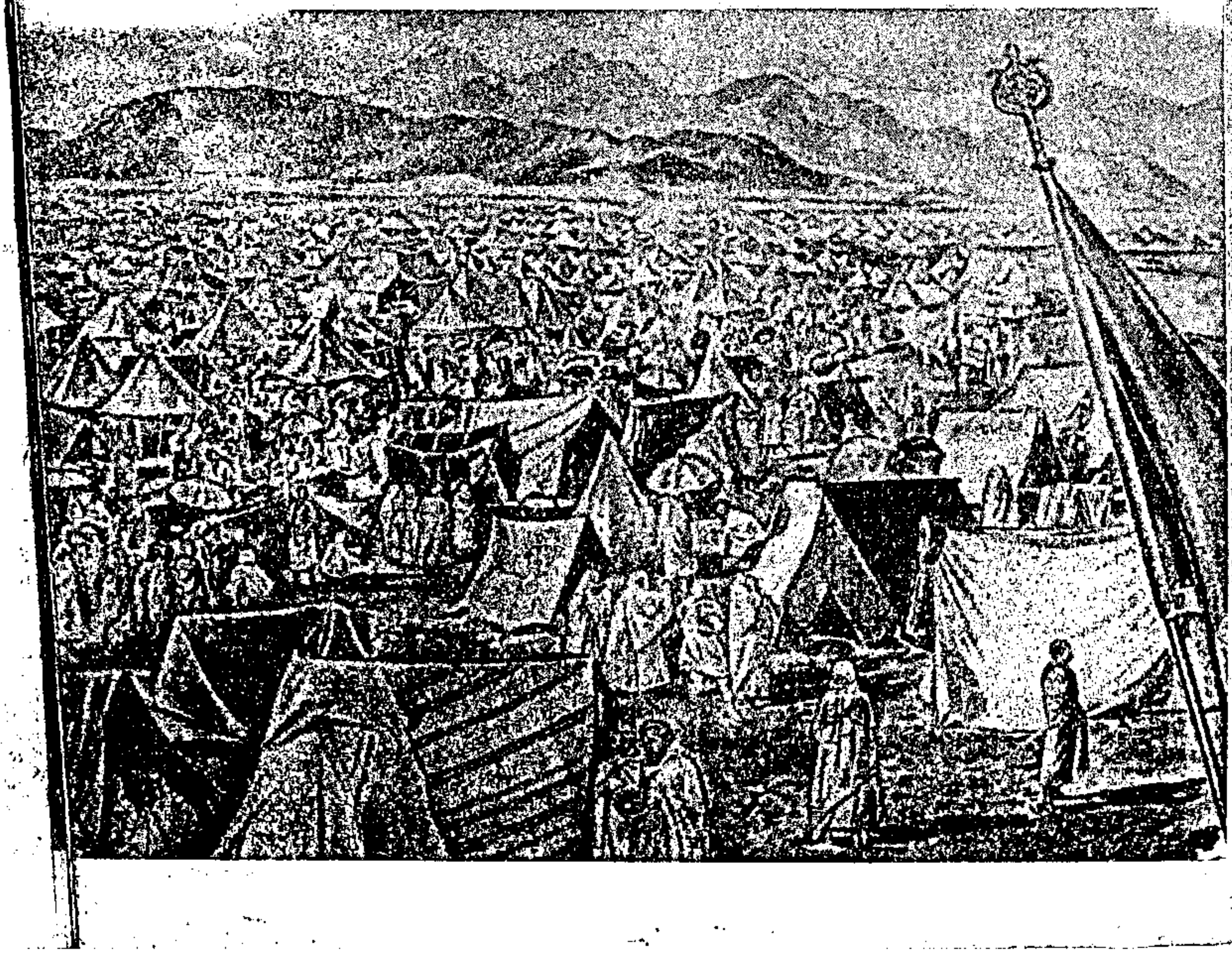

Marfat.com

کو بھیجا گیا۔ چنانچہ اُن کی کوششوں سے ایک دِن میں سارا قبیلہ مُسلمان ہوگیا +

حجۃ الوداع کا خطبہ۔ اللہ کے رسولؐ کا کام قریب قریب ختم ہوچکا تھا۔ اور آپؐ کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی۔ کہ سفرِ آخرت کا زمانہ قریب ہے۔ چنانچہ آپؐ نے سنہ ۱۰ھ مطابق سنہ ۶۳۲ء میں آخری حج ادا کیا۔ جو حجۃ الوداع کہلاتا ہے۔ اِس موقع پر عرفات کے میدان میں سوا لاکھ سے زیادہ مُسلمان موجود تھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ اِنسان ہی اِنسان نظر آتے تھے۔ آپؐ نے اُونٹنی پر سوار ہوکر خُطبہ ارشاد فرمایا۔ آپؐ نے کہا۔ "اے لوگو! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ اُسے غور سے سُنو۔ کیونکہ مُجھے معلوم نہیں۔ کہ میں تُم سے اگلے سال اس میدان میں مِل سکوں گا یا نہیں۔ جس طرح تُم اِس دن اور اِس نحر کا احترام کرتے ہو۔ اِسی طرح ایک دوسرے کی جان اور مال کا احترام کرو۔ تمہیں اپنے خالق کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ جہاں تمہیں اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا ہوگا۔ اے لوگو جس طرح اپنی بیویوں پر تمہارا حق ہے۔ اِسی طرح تمہاری بیویوں کا تم پر ہے۔ اِس لئے اپنی بیویوں کے ساتھ محبّت اور شفقت کا سلوک کرو +

"اور تمہارے غلام۔ جو خود کھاتے ہو۔ اُنہیں کھلاؤ۔ اور جو خود پہنتے ہو۔ اُنہیں پہناؤ۔ اور اگر وہ کوئی ایسی غلطی کر بیٹھیں۔ جسے تم معاف نہ کرسکو۔ تو اُن سے علیٰحدگی اختیار کرلو۔ کیونکہ وہ اللہ کے خادم ہیں۔ تمہیں اُن سے بُرا سلوک نہیں کرنا چاہیئے۔ اے لوگو میری بات سُنو۔ اور اُس کا مطلب سمجھو۔ سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ اور تم سب ایک اُمّت ہو۔ اور تمہارے لئے اپنے کسی بھائی کی چیز پر قبضہ کرنا جائز نہیں۔ جب تک کہ وُہ اپنی خوشی سے تمہارے حوالے نہ کردے۔ دیکھو کسی سے بے انصافی مت کرو +

"دیکھو۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں۔ وہ اُن لوگوں تک جو یہاں موجود نہیں۔ یہ باتیں پہنچا دیں۔ ممکن ہے کہ اُنہیں یہ باتیں اُن لوگوں سے زیادہ یاد رہیں۔ جو یہاں موجود ہیں۔ اور اپنے کانوں سے یہ باتیں سُن رہے ہیں"

وفات۔ رسُول خدا صلعم نے حج سے واپس آکے قبیلوں اور صُوبوں کی تنظیم کا کام شروع کیا۔ اور لوگوں کے باہمی جھگڑے چُکانے اور زکوٰۃ جمع کرنے کا انتظام بھی فرمایا۔ مختلف قبائل میں صحابہ کو بھیجا۔ تاکہ قبیلوں میں جو پُرانی عداوتیں چلی آتی ہیں۔ وہ مِٹ جائیں۔ اہلِ قبائل مُشرکانہ رسموں سے ہاتھ اُٹھالیں۔ اور

Marfat.com

اُن میں صحیح اسلامی رُوح پیدا ہو جائے۔

سالہا سال کی مُسلسل محنت نے آنحضرتؐ کی صحّت پر بڑا اثر ڈالا۔ لیکن اب بھی دِل جمعی اور طبیعت کے سکُون کا وہی عالم تھا۔ چنانچہ آپ پہلے کی طرح اب بھی مسجد نبویؐ میں نماز پڑھاتے تھے۔ تاہم مرض بڑھتا گیا۔ اور رفتہ رفتہ آپ صاحب فراش ہو گئے۔ آخری مرتبہ حُجرے سے باہر نکلے۔ تو حضرت علیؑ آپ کو سہارا دیئے ہوئے تھے۔ اِس وقت مُسلمانوں کی عجب کیفیت تھی۔ دِلوں پر غم واندوہ کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ اور آنکھوں سے آنسُو بہہ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا :۔

" اے مسلمانو۔ اگر مَیں نے کِسی سے کوئی بُرائی کی ہو۔ تو مَیں اُس کی جواب دَہی کے لئے موجُود ہُوں۔ اگر میرے ذِمّے تم میں سے کسی کا کُچھ نکلتا ہے۔ تو میرے پاس جو کچھُ ہے۔ تمہارا ہے "۔ اِس کے بعد آنحضرتؐ نے مُسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے اور اَمن وآشتی کی زندگی بسر کرنے کی تاکید فرمائی۔ اِس خُطبے سے تین دِن کے بعد یعنی ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (مطابق ۸ جون ۶۳۲ء) کو آپ نے ۶۳ برس کی عُمر میں وفات پائی۔ اور اللہ کا برگزیدہ رسولؐ اپنے آقا اور مولا سے جا مِلا۔

آنحضرتؐ کی سِیرت اور کارنامے۔ آنحضرت صلعم نے آنکھ کھولی۔ تو دیکھا۔ کہ عرب کے لوگ طرح طرح کی بُرائیوں میں مُبتلا ہیں۔ شرک اور بُت پرستی میں وہ حد سے گُزر چکے ہیں۔ گھر گھر بُت بج رہے ہیں۔ اُن پر چڑھاوے چڑھ رہے ہیں۔ مُرادیں مانگی جا رہی ہیں۔ قبیلوں کی باہمی عداوتوں اور آئے دِن کی لڑائیوں نے قوم میں کوئی سکت باقی نہیں چھوڑی۔ لُوٹ مار کو قابل فخر سمجھا جاتا ہے۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے۔ غرض بُت پرستی کی کوئی بُری سے بُری رسم نہیں۔ جو اُن سے بچ رہی ہو۔ لیکن رسول خداؐ نے تھوڑے عرصے میں زمانۂ جاہلیت کی رسموں کو ایک ایک کر کے مِٹا دیا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عربوں میں ایک نئی زندگی، انسانی فرض کا نیا تصوّر اور اخلاقی ذمّہ داری کا ایک نیا احساس پیدا کر دیا۔

رسول خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم کو اللہ نے جو خُوبیاں عطا کی تھیں۔ اُن کی مثال ہمیں کہیں نہیں ملتی۔ آپ غیر معمولی طور پر بلند نظر اور عالی حوصلہ تھے۔ آپ کے احساسات میں بے حد لطافت تھی۔ انسانی ہمدردی اور رحم دِلی کی یہ کیفیت کہ لوگوں کی مصیبتیں اور تکلیفیں آپ سے دیکھی نہیں جاتی تھیں۔ کِسی کو

اِسلامی سلطنت کا پھیلاؤ
۶۳۴ء میں

Marfat.com

دُکھ میں مبتلا دیکھتے تھے۔ تو بے چین ہو جاتے تھے۔ پھر تقوٰے وطہارت اور صداقت کا جو اُونچا مقام آپ کے حصّہ میں آیا۔ وہ کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ آپ بڑوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے۔ چھوٹوں کی دل جوئی کرتے۔ غریبوں اور مسکینوں پر شفقت فرماتے اور اُن سے اِس طرح ملتے۔ جس طرح لوگ اپنے برابر والوں سے ملتے ہیں۔ جن لوگوں کو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملتا تھا۔ وہ آپ کی خوبیوں کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔ اور اُن کے دِلوں میں آپ کی محبّت گھر کر جاتی تھی ٭

آپ نے جب اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ تو آپ کے پاس دولت تھی نہ حکومت۔ جِدھر نظر اُٹھتی تھی۔ دُشمن ہی دُشمن نظر آتے تھے۔ پھر اُن میں سے جو تھا خُون کا پیاسا' جان کا لاگو۔ کچھ عرصے کے بعد وہ زمانہ بھی آیا۔ کہ دُشمنوں کے سارے جتھّے ٹوٹ گئے۔ اب سارا عرب آپ کے قبضے میں تھا۔ اور آپ اِس مُلک کے سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ لیکن اب بھی آپ کی طبیعت کی سادگی اور اِنکسار کا وہی عالم تھا۔ اب بھی آپ میں وہی فروتنی تھی۔ وہی شرافت' وہی احساس فرض جس کی وجہ سے اپنے پرائے سب آپ کو امین کہتے تھے۔ اور سچے دِل سے آپ کی عزّت کرتے تھے۔ ایک حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو جس طرح کِسریٰ ایران کا حکمران اور ہرقل رُوم کا فرماں روا تھا۔ اسی طرح آپ بھی عرب کے حاکم تھے۔ لیکن آپ اب بھی گھر کا کام کاج خود کرتے تھے۔ دوسروں کے ساتھ ہوتے تھے۔ تو کام میں اُن کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ خود گھر میں جھاڑُو دیتے۔ اپنے اُونٹوں کو خود باندھتے۔ خود کھولتے۔ اور خود انہیں چارہ کِھلاتے۔ بکریوں کا دُودھ دوہتے۔ ضرورت پڑتی۔ تو اپنے کپڑوں کی مُرمّت بھی خود کر لیتے تھے۔ جہاں تک بن پڑتا لوگوں کے دُکھوں کا بوجھ ہلکا کرتے۔ اور انہیں سہارا دیتے۔ کوئی شخص بیمار پڑ جاتا۔ تو اُس کی تیمارداری کرتے۔ کوئی جنازہ نظر آتا۔ تو اُس میں ضرور شریک ہوتے تھے۔ ادنٰے سے ادنٰے آدمی بھی دعوت کرتا۔ تو قبول کر لیتے تھے ٭

آپ مصافحہ کرتے تھے۔ تو اپنا ہاتھ اس وقت تک نہ کھینچتے تھے۔ جب تک دوسرا اپنا ہاتھ نہ کھینچ لے۔ اسی طرح لڑنے میں بھی پہل نہیں کرتے تھے۔ آپؐ ہاتھ کے سخی۔ بات کے دھنی اور قول کے پکّے تھے۔ اِستقلال اور جُرأت کا یہ حال تھا۔ کہ بڑی سے بڑی مصیبت میں ماتھے پر بَل نہیں پڑتا تھا۔ پہاڑ ٹل جائیں تو ٹل جائیں۔ آپ کا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا تھا۔ کوئی شخص نہ تو سخاوت اور جُرأت میں آپ کا مقابلہ

Marfat.com

کرسکتا تھا نہ سچ بولنے میں +

جو شخص آپ کو ایک مرتبہ بھی دیکھ لیتا تھا۔ وہ آپ کی عزّت کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اور جن لوگوں کو آپ کی خدمت میں بار بار حاضری کی سعادت نصیب ہوتی تھی۔ وہ تو سچے دل سے آپ کے شیدائی ہو جاتے تھے۔ حیاداری، صبر و تحمّل، ایثار، فیاضی ایسی خوبیاں ہیں۔ جو اللہ نے آپ کی طبیعت میں کُوٹ کُوٹ کر بھر دی تھیں۔ اِن خوبیوں کی وجہ سے لوگوں کے دِل آپ کی طرف کھچتے تھے۔ اور صحابہ رضؓ کو تو آپ کی محبّت نے سرشار کر رکھا تھا +

رسُول خداؐ سوگواروں اور مصیبت زدوں کے سچے ہمدرد اور غمگسار تھے۔ راستے میں کوئی غریب سے غریب آدمی بھی مِل جاتا۔ تو رُک کر اس کی بپتا سُنتے۔ یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری کرتے شکستہ دِلوں اور ستم رسیدوں کو تسلّی دیتے۔ اور ان کی ہمّت بندھاتے +

Marfat.com

سلسلہ

خُلَفائے راشدین

حضرت ابوبکرؓ کی ابتدائی زندگی

حضرت ابوبکرؓ قریش کے ایک ممتاز اور دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اُس زمانے کے مال دار لوگوں میں جو بُرائیاں پائی جاتی تھیں حضرت ابوبکرؓ نے اُن سب سے اپنا دامن بچائے رکھا۔ ان کی زندگی بڑی سیدھی سادی تھی۔ ذاتی خرچ بھی بہت کم تھا۔ البتہ نیک کاموں میں جی کھول کر روپیہ صَرف کرتے تھے۔ مہمان داری کا خرچ بھی بہت تھا۔ مکّہ میں اُن کی نیکی، پرہیزگاری اور دیانت داری کی بڑی شُہرت تھی۔ اور چھوٹے بڑے سب ان کی عزّت کرتے تھے۔ اور راست بازی تو گویا اُن کی گھُٹّی میں پڑی تھی۔ اِسی لیئے وہ صدّیق کے لقب سے مشہور ہیں +

حضرت ابوبکرؓ رسُول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم کے پُرانے رفیق تھے۔ آنحضرت صلعم کو ابھی نبوّت نہیں ملی تھی۔ کہ حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی۔ اور آپس میں دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ دونوں کی طبیعتیں بہت ملتی جُلتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ اُن لوگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے اِسلام قبول کیا۔ بہت سے لوگ جن میں حضرت عثمانؓ اور حضرت زبیرؓ بھی شامل ہیں۔ اِنہیں کی کوششوں سے اِیمان لائے۔ اُنہوں نے بڑے بڑے نازک موقعوں پر رسُول خداؐ کا ساتھ دیا۔ اور اپنی دولت کا زیادہ حصّہ اسلام کی ترقی کے کاموں پر خرچ کر ڈالا +

حضرت ابوبکرؓ ایمان لائے۔ تو اُن کے پاس تقریباً چالیس ہزار درہم تھے۔ ہجرت کے موقع پر ان میں سے صرف پانچ ہزار درہم باقی رہ گئے تھے۔ اُنہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ مکّہ والوں کے ہاتھوں بڑے دُکھ اُٹھائے۔ لیکن اُن کا قدم کسی موقع پر نہ ڈگمگایا۔ اور وہ ہر امتحان میں پُورے اُترے۔ وہ اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کی حمایت اور حفاظت میں ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ چنانچہ کئی مرتبہ اُن کی جان کے لالے پڑ گئے۔ ہجرت کے موقع پر رسول خداؐ نے اُنہیں کو اپنی رفاقت کے لیئے منتخب کیا تھا۔ جن جن لڑائیوں میں آنحضرت صلعم نے حصّہ لیا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی ان میں شریک تھے۔ ہجرت کے نویں برس حج کا زمانہ آیا۔ تو رسُول خداؐ نے اُنہیں امیر الحج

بنا کر بھیجا تھا۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ آنحضرتؐ اپنی زندگی کے آخری تین دنوں میں بہت نڈھال ہو گئے تھے۔ اور آپ نے مسجد نبوی میں آ کے نماز پڑھانا چھوڑ دیا تھا۔ ان دنوں حضرت ابوبکرؓ ہی نے آپ کی جگہ امامت کا فرض ادا کیا۔

خلافت (۶۳۲ء سے ۶۳۴ء تک) ۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کر لیا گیا۔ کیونکہ وہ دوسرے صحابہ سے زیادہ سن رسیدہ تھے۔ اور شروع سے آنحضرتؐ کے ساتھ رہے تھے۔ پھر مہاجرین اور انصار سب سچے دل سے اُن کی عزّت کرتے تھے۔ سچ پوچھو۔ تو ان کی شخصیت نے بڑی بڑی گُتھیاں سُلجھائیں اور مسلمانوں کی کامیابی میں کسی شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کی زندگی ایک نیک اور دیندار مسلمان کی زندگی کا صحیح نمونہ تھی۔ وہ اگرچہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ لیکن اُن کی ہمت و جُرأت کے سامنے جوانوں کی ہمتیں ہیچ نظر آتی تھیں۔ پھر اُن کی طبیعت میں بڑی سادگی اور انکسار تھا۔ انہیں عدل و انصاف کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اور وہ کسی کی رورعایت نہیں کرتے تھے۔ اُن کی اِن خُوبیوں نے دوسرے مسلمانوں کے لئے ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کا عُہدہ سنبھالنے کے بعد سب سے پہلے اُن مشکلات کی طرف توجہ کی جو مُسلمانوں کو درپیش تھیں۔ بعض عرب قبیلوں نے صرف مَصلِحتاً اسلام قبول کر لیا تھا۔ رسول خداؐ کے انتقال کی خبر سُن کے وہ یہ سمجھے کہ اسلام ختم ہو گیا۔ چنانچہ اُنہوں نے اسلام کو چھوڑ کر پھر اپنے باپ دادا کا دین اختیار کر لیا۔ بعض قبائل نے اسلام تو نہ چھوڑا۔ لیکن زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کے علاوہ بعض لوگوں یعنی مسیلمہ، اسود، سجاح اور طلیحہ بن خویلد نے نبوت کے دعوے کیئے۔ اور قبائل کو اسلام کی مخالفت پر اُبھارنے لگے۔ غرض یہ بڑا اہل چل کا زمانہ تھا۔ اور حالت اِتنی نازک ہو گئی تھی۔ کہ خود مدینہ کے اِردگرد کے علاقے میں ہر طرف فساد پھیلا ہوا تھا۔ اور جا بجا فتنے سر اُٹھا رہے تھے۔

رسول خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم نے وفات سے کچھ روز پہلے رُومیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے شام کے علاقے میں فوج بھیجنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور اُسامہؓ بن زید اِس فوج کے سردار مقرّر ہوئے تھے۔ ابھی یہ لشکر مدینہ سے روانہ نہیں ہوا تھا۔ کہ رسول خداؐ کا انتقال ہو گیا۔ بظاہر حالات کا تقاضا یہ تھا۔ کہ اس وقت اسامہؓ کو روک

Marfat.com

لیا جاتا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ کہ جس فوج کو آنحضرتؐ نے شام پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اُسے روکا جائے۔ چنانچہ حضرت اُسامہؓ فوج لے کر شام پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ اسلامی لشکر رخصت ہونے لگا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے ایک تقریر کی۔ جس میں بتایا گیا تھا۔ کہ جنگ کے زمانے میں مُسلمانوں کو کن کن باتوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ اُنہوں نے فرمایا "مسلمانو! اُسی پر تلوار اُٹھاؤ جو تم پر تلوار اُٹھائے۔ اُسی سے لڑو جو تم سے لڑے۔ دیکھو۔ عورتوں، بچّوں اور بُوڑھوں پر ہاتھ نہ اُٹھانا۔ بلکہ اُن سے اچھا سلوک کرنا۔ جو لوگ خانقاہوں اور گرجاؤں میں بیٹھے اپنے مذہب کے طریقے کے مطابق خدا کی عبادت کرتے ہیں اُنہیں نہ چھیڑنا۔ کھیتوں کو برباد نہ کرنا۔ درختوں کو نہ کاٹنا"۔

اِدھر باغیوں کو خبر ملی۔ کہ اُسامہؓ فوج کو لے کر شام پر حملہ کرنے چلے گئے۔ اور مدینہ میں تھوڑے سے آدمی باقی رہ گئے ہیں۔ تو اُنہوں نے سوچا کہ مدینہ پر قبضہ کرنے کا ایسا موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ چنانچہ انہوں نے شہر کو گھیر لیا۔ اگرچہ یہ وقت بڑا نازک تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی پیشانی پر بَل تک نہ پڑا۔ چنانچہ مدینہ میں لوگ موجود تھے۔ انہیں ساتھ لے کے نِکلے۔ ان لوگوں میں وہ بڑے بڑے صحابیؓ بھی تھے۔ جنہوں نے بدر و حنین کے معرکوں میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا کے سارے عرب میں اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی تھی۔ باغی ان کے حملوں کی تاب نہ لا کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آخر اُنہیں اپنے خیالات سے توبہ کر کے زکوٰۃ ادا کرنی پڑی۔ اس طرح مدینہ کو جو خطرہ پیش آیا تھا۔ وہ ٹل گیا۔

اِتنے میں حضرت اُسامہؓ بھی شام سے واپس آ گئے۔ اُنہیں جس مقصد کے لئے شام بھیجا گیا تھا اُس میں اُنہیں بڑی کامیابی ہوئی تھی۔ اب حضرت ابوبکرؓ نے اُن لوگوں کی طرف توجّہ کی۔ جنہوں نے نبوّت کے دعوے کر کے ایک دُنیا کو گمراہ کر رکھا تھا۔ اُن سب نے بھی ایک ایک کر کے شکست کھائی۔ اسود پہلے ہی مارا جا چکا تھا۔ مسیلمہ ایک لڑائی میں شکست کھا کر مارا گیا۔ سجاح اور طلیحہ نے کچھ عرصہ تک بھاگے پھرنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ اُن کے پیرو بھی مُسلمان ہو گئے۔ اور بڑے امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے۔ غرض تھوڑے عرصے میں سارے فِتنے مِٹ گئے۔ اور عرب میں ہر طرف امن و امان ہو گیا۔

رُومیوں اور ایرانیوں سے جنگ

۔ رسول خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم کی زندگی ہی میں

Marfat.com

رُومیوں سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے۔ کہ سلطنت ایران سے بھی جنگ چھڑ گئی۔ اُن دنوں عراق سے مغرب کی طرف کا علاقہ رُوم کی مشرقی سلطنت کے قبضے میں تھا۔ جو بازنطینی حکومت کہلاتی تھی۔ اس سے مشرق کی جانب جو علاقہ تھا۔ وہ ایران کی ساسانی سلطنت کے زیر نگیں تھا۔

عرب کی شمالی سرحد کے قبیلے خاص طور پر عراق اور شام کے اہل قبائل آئے دن حجاز پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ شمالی سرحد پر بقاء ایک مقام ہے۔ یہاں رُومی عرب پر حملہ کرنے کے ارادے سے ایک بہت بڑی فوج بھی جمع کر رہے تھے۔ اس لئے خلیفہ اول نے یہ مناسب سمجھا کہ اِدھر ان سرکش قبیلوں کو نیچا دکھایا جائے۔ اور اُدھر رومیوں کو بڑھ کے روکا جائے۔

عرب کی شمالی اور مشرقی سرحد پر جو قبیلے آباد تھے۔ اُن میں کچھ عیسائی تھے اور کچھ بُت پرست۔ پہلے

عرب رُومیوں کے ایک شہر میں

Marfat.com

انہیں سے مسلمانوں کی لڑائی ہوئی۔ اور پھر اسی لڑائی کی وجہ سے رُوم اور ایران دونوں سے مسلمانوں کی جنگ چھڑ گئی۔ جو سالہا سال تک جاری رہی۔

ایران کی فتوحات۔ عرب کی سرحد پر قبائل کی بعض چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں جو ایران کی باج گزار تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے پہلے مثنیٰؓ بن حارث شیبانی کو جو ایک عرب قبیلے کا سردار تھا۔ ان قبیلوں پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ پھر ان کی کمک کے لئے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھیجا۔ سرحدی قبیلوں کو نیچا دکھانے کے بعد یہ دونوں فوجیں عراق کی سرحد کی طرف بڑھیں۔ شاہ ایران کی طرف سے ہُرمز اس علاقے کا حاکم تھا۔

جنگِ سلاسل۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ہُرمز کو پیغام بھیجا کہ یا تو اسلام قبول کرو۔ یا جزیہ دو اور یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو ہم آتے ہیں۔ اِس پیغام میں یہ فقرے بھی تھے "اے ہُرمز! ایک جنگجو قوم تیرے سر پر آ پہنچی ہے۔ جس طرح تجھے زندگی عزیز ہے۔ اِسی طرح وہ موت کو دوست رکھتی ہے۔" ہُرمز نے شاہی دربار میں عرضی بھیجی۔ وہاں سے حکم ہوا۔ کہ حملہ آوروں کو بڑھنے نہ دو۔ ہُرمز لشکر لے کے چلا۔ اُس زمانے کا قاعدہ یہ تھا۔ کہ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی میدان میں اُتر کے مقابلہ کرتا تھا۔ پھر لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔ ہُرمز سب سے پہلے خود میدان میں آیا۔ اور حضرت خالدؓ بن ولید کو للکارا۔ لیکن اُن کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایرانی فوج نے شکست کھائی۔ اور بہت سا مال غنیمت مُسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یہ لڑائی جنگِ سلاسل یعنی زنجیروں کی جنگ کہلاتی ہے۔ کیونکہ ہُرمز نے ایرانی سپاہیوں کو زنجیروں سے جکڑ دیا تھا۔ تاکہ وہ بھاگ نہ سکیں۔

اِس شکست کی خبریں دربار شاہی میں پہنچیں۔ تو وہاں سے ایک ایرانی سردار قارن کو مسلمانوں کے روکنے کے لئے بھیجا گیا۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے بڑھ کے ایرانی فوج کا مقابلہ کیا۔ اس معرکے میں بھی ایرانیوں کو شکست ہوئی۔ اور اُن کے بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ اِس شکست کی خبر سُن کر شاہ ایران بہت گھبرایا۔ اور ایک اور سردار بہمن کی سرکردگی میں بہت بڑی فوج مسلمانوں کے مقابلے پر پہنچی۔ یہ لشکر بھی مسلمانوں کے پے در پے حملوں کی تاب نہ لا کے میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک اور لڑائی ہوئی۔ جس میں ایرانیوں کو پھر پسپا ہونا پڑا۔

حیرہ کی فتح۔ اِن معرکوں کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے ارادہ کیا۔ کہ فرات سے مغرب کا

Marfat.com

جانب جتنا علاقہ ہے۔ اس پر قبضہ کر لیا جائے۔ حیرہ کا شہر اس علاقے کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ حیرہ کچھ مدّت کے لئے مقابلہ پر اڑا رہا۔ لیکن آخر ہتھیار ڈال دیئے۔ حیرہ والوں سے یہ معاہدہ ہوا۔ کہ وہ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ جزیہ کے طور پر ادا کریں گے۔ اور مسلمان اُن کی جان اور مال کی حفاظت کریں گے۔ مذہبی پیشوا فقیر اپاہج عورتیں اور مرد۔ بچّے اور پچاس برس سے زیادہ عمر کے لوگ اِس محصول سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے +

جنوبی عراق کو فتح کرنے کے بعد حضرت خالدؓ نے شمال کی جانب رُخ کیا۔ فرات کے بائیں کنارے پر انبار اُس زمانے کا ایک مشہور قلعہ تھا۔ وہ چند دن کے محاصرے کے بعد فتح ہو گیا۔ یہاں سے وہ عین التمّر کی طرف بڑھے جو صحرائے شام کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ مقام بنو تغلب کے عیسائی قبیلے کا مرکز تھا۔ بنو تغلب جی توڑ کر لڑے۔ لیکن آخر ہتھیار ڈال دیئے۔ اِس معرکے میں جو قیدی ہاتھ آئے۔ اُس میں امام ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگرد امام محمدؒ کے والد اور ہسپانیہ کے فاتح موسیٰ کا باپ نُصَیر بھی تھے +

بنی تغلب کو نیچا دکھانے کے بعد حضرت خالدؓ دریائے فرات سے پار اُتر کے رُومی حکومت کی سرحد کے قریب پہنچے۔ یہاں بہت بڑی فوج اُنہیں روکنے کے لئے جمع تھی۔ جس میں رومیوں اور ایرانیوں کے علاوہ بعض غیر مسلم عرب قبائل شامل تھے۔ خالدؓ بن ولید نے بڑے زور کے معرکوں کے بعد اِس فوج کو ایسی شکست دی۔ کہ اُس میں پھر سر اُٹھانے کی سکت باقی نہ رہی۔ اِس طرح فرات کے آس پاس کے سارے علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ حضرت خالدؓ کا ارادہ تھا۔ کہ یہاں سے بڑھ کے ایران کے دارالحکومت مدائن پر جا پڑیں۔ اِتنے میں حضرت ابوبکرؓ کا حکم پہنچا۔ کہ مثنیٰؓ بن حارث کو اپنی جگہ چھوڑ کر شام چلے جاؤ۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے تو شام کا رُخ کیا۔ اِدھر ان کے جانشین مثنیٰؓ فرات سے پار اُترے۔ اور بابل پہنچ کر ایرانیوں سے جا بھڑے۔ اِس معرکہ میں بھی میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا +

اِنہیں دنوں ایران میں انقلاب ہوا۔ یعنی ایرانی سرداروں نے شاہی خاندان کی ایک عورت پوران دُخت کو تخت پر بٹھا دیا۔ پوران دُخت نے تخت نشین ہوتے ہی مسلمانوں کو روکنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج بھیجی۔ مثنیٰؓ کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی اور ایرانی لشکر کے اِس دَل بادل کا مقابلہ کرنے کے لئے اِس سے کہیں زیادہ فوج کی ضرورت تھی۔ وہ حضرت خلیفہ اول سے کمک کی درخواست کرنے کے لئے مدینہ آئے۔

Marfat.com

فتحمند عرب ایرانیوں کے ایک شہر میں داخل ہو رہے ہیں

حضرت ابوبکرؓ بستر مرگ پر پڑے تھے۔ لیکن مثنیٰؓ کی باتیں سُنیں۔ تو خیال آیا۔ کہ یہ کام بڑا اہم ہے۔ اِس کی طرف توجّہ کرنی چاہیئے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کو بُلا کے حُکم دیا۔ "مثنیٰؓ کے لئے جس قدر جلد ہو سکے۔ فوج جمع کرو۔ میرا خیال ہے کہ میری زندگی کا آخری دن ہے۔ لیکن اگر آج میں مرجاؤں۔ تو فوج جمع کرنے میں شام تک تاخیر نہ ہونے پائے اور اگر مَیں رات تک زندہ رہوں۔ تو صُبح کا انتظار نہ کیجیو۔ مجھے اندیشہ ہے۔ کہ کہیں میری موت کے غم میں تم اسلام کی اِس خدمت میں تاخیر نہ کر بیٹھو"۔

شام کی فتوحات۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حجاز کو چھوڑ کر سارے عرب میں فتنے سر اٹھانے لگے تھے۔ اور ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی دُور اندیشی اور عقل مندی اور خالدؓ بن ولید کی بہادری اور جنگی تدبیروں کی بدولت سارے فتنے مِٹ گئے۔ اور اسلامی حکومت

Marfat.com

حضرت عمرؓ

حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ بھی قریش کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ لڑکپن سے اُن کی طبیعت سپہ گری اور پہلوانی کی جانب مائل تھی۔ وہ تقریر خوب کرتے تھے۔ اور بڑے فصیح البیان خطیب سمجھے جاتے تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے وہ اسلام کی مخالفت میں آگے آگے نظر آتے تھے۔ اُن کا اسلام لانا معجزہ سے کم نہیں۔ ایک دن اسلام کی مخالفت کے جوش میں تلوار سونتے گھر سے نکلے۔ راستہ میں نعیمؓ بن عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے پوچھا "عمرؓ کہاں جاتے ہو؟" کہنے لگے "محمد (صلّے اللہ علیہ وسلّم) کو قتل کرنے"۔ نعیمؓ نے کہا۔ "پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی دونوں اسلام لا چکے ہیں"۔

حضرت عمرؓ غصہ میں آکر پلٹے اور اپنے بہنوئی کے ہاں پہنچے۔ اُن کی بہن اور بہنوئی دونوں قرآن پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اُن دونوں کو خوب پیٹا۔ لیکن اسلام کی محبّت کا نشہ ایسا نہیں تھا کہ مار پیٹ سے اُتر جاتا۔ حضرت عمرؓ پر اُن کے استقلال اور ثابت قدمی کا بڑا اثر ہوا۔ پوچھا۔ "تم کیا پڑھ رہے تھے"۔ اُن کی بہن نے قرآن کے ورق لا کے سامنے رکھ دیئے۔ حضرت عمرؓ پڑھتے جاتے تھے۔ اور چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ غرض کلامِ الٰہی کی حرارت نے دل کو گداز کر دیا۔ ایک بجلی تھی کہ چمکی اور سینے کو آن کی آن میں منوّر کر گئی۔ وہاں سے سیدھے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام اسلامی تاریخ کا بڑا اہم واقعہ ہے۔ مسلمانوں کو اُن کی وجہ سے بڑی تقویت نصیب ہوئی۔ مسلمان اب تک کھُلّم کھُلا نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ وہ اسلام لائے تو سارے مسلمانوں نے کعبہ میں جا کے نماز پڑھی۔ چنانچہ اسی قسم کے کارناموں کی وجہ سے انہیں بارگاہِ نبوّت سے فاروق کا خطاب عطا ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ بھی رسول خداؐ کے خاص صحابی اور معتمد مشیر تھے۔ وہ ہمیشہ بڑے غور و فکر کے بعد مشورہ دیتے تھے۔ اور اُن کی رائے بڑی صائب ہوتی تھی۔ اپنی اِن خوبیوں کی وجہ سے اُنہیں رسول خداؐ کی نگاہوں میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ وہ سارے غزوات میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے تھے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت۔ (۶۳۴ء سے ۶۴۴ء تک) حضرت عمرؓ بڑے

Marfat.com

بلند اخلاق اور پاک نہاد بزرگ تھے۔ اُن کا کردار لوہے کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ وہ عدل و انصاف کے راستے سے ذرّہ بھر اِدھر اُدھر نہ ہوتے تھے۔ اور اُن کی ہمّت نے تو ہار ماننا سیکھا ہی نہیں تھا۔ ان کی طبیعت میں کسی قدر سختی ضرور تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ بڑے دُور اندیش شخص تھے۔ اور عربوں کی سیرت کو خوب سمجھتے تھے۔ اور سچ پوچھو۔ تو عربوں جیسی سرکش قوم پر حکومت کرنے کے لئے وہ بہت موزوں تھے۔ اُن کی طبیعت میں بڑی سادگی تھی۔ ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی کسی روک ٹوک کے بغیر اُن سے مل سکتا تھا۔ وہ اکثر عشاء کی نماز پڑھ کے لوگوں کا حال دیکھنے اور اُن کے خیالات کا اندازہ لگانے کے لئے گھر سے نکل کھڑے ہوتے تھے۔

خلیفہ بننے کے بعد اُنہوں نے پہلے عراق اور شام کی فتوحات کی طرف توجّہ کی۔ شام کے معرکوں میں اسلامی فوج کے سردار تو اور لوگ تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ مدینہ میں بیٹھے جس خوبی کے ساتھ فوجوں کو لڑا رہے تھے۔ اُس پر غور کرو۔ تو اُن کی جنگی قابلیت پر حیرت ہوتی ہے۔ مدینہ سے شام تک ہرکاروں کی ڈاک بیٹھی ہوئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے متعلق سپہ سالاروں کو احکام پہنچ رہے تھے۔ عراق کی بعض لڑائیوں میں بھی یہی ہوا۔ ۲۳ھ تک روم اور ایران کی لڑائیوں کا خاتمہ ہوگیا۔ مسلمانوں کی تلواروں کی بجلیاں جہاں جہاں چمکیں۔ شوکتِ قیصری اور شانِ کسروی کو جلا کے راکھ کر ڈالا۔ اور اسلامی سلطنت کی بُنیادیں مضبوط ہوگئیں۔ جو صُوبے قبضے میں آئے۔ وہاں وہی قبیلے آباد کئے گئے۔ جنہوں نے اِس صوبے کو فتح کیا تھا۔ یہ سپاہی جو عرب سے اُٹھ کے اِن علاقوں میں جا بسے تھے۔ وہاں کے باشندوں سے بہت کچھ گھُل مِل گئے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر اُنہوں نے اِن صُوبوں کے پُرانے باشندوں پر بھی بڑا اثر ڈالا۔ چنانچہ اُنہوں نے بہت سی باتوں میں عربوں کے طور طریقے اُن کی خُو بُو اور چال ڈھال اختیار کر لی۔ یہ مفتوحہ علاقے مرکزِ حکومت سے بڑے فاصلے پر تھے۔ لیکن اُن کے نظم و نسق کے لئے ایسے اصول اور قاعدے باندھے گئے۔ کہ لوگ بڑے آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اِس وسیع سلطنت میں مختلف نسلوں اور قوموں کے لوگ آباد تھے۔ جن میں سے اکثر نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی زندگی کا آخری زمانہ اِن مختلف عناصر کی شیرازہ بندی کرنے اور انہیں ایک سانچے میں ڈھالنے میں صَرف ہوگیا۔

سلطنت اسلامی کا مالی اُنتظام کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے باقاعدہ مالیات کا محکمہ قائم کیا۔ جو

دیوان کہلاتا تھا۔ سپہ سالاروں کو حکم تھا۔ کہ باقاعدہ اطلاعات بھیجتے رہیں۔ اِس میں مصلحت یہ تھی۔ کہ یہ لوگ سرکش نہ ہوجائیں۔ اور اپنے آپ کو خود مختار نہ سمجھنے لگیں۔ پھر اُنہوں نے زرعی زمین پر مال گزاری مقرر کی مسلمانوں غیر مسلموں۔ تاجروں پیشہ وروں اور کاری گروں پر محصول لگائے۔ اِس طرح حکومت کو مستقل آمدنی ہونے لگی۔

فتح دمشق۔ تم پڑھ چکے ہو۔ کہ حضرت ابوبکرؓ ہی کے عہد خلافت میں ایران اور رُوم سے جنگ چھڑ گئی تھی۔ اور بڑے زور کے معرکے ہو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے خلیفہ بننے کے بعد پہلے اسی طرف توجّہ کی۔ اجنادین کے معرکے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید شام کے صدر مقام دمشق کی طرف بڑھے۔ اور جاتے ہی اس شہر کے اِرد گِرد فوجیں پھیلا دیں۔ چھ مہینے تک محصور رہنے کے بعد دمشق کی رُومی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور شہر پناہ پر اسلامی عَلَم لہرانے لگا۔ اِس کامیابی کے بعد دو اور شہر حمص اور فحل بھی آسانی سے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔

جنگ یرموک۔ رومیوں کی پے در پے شکستوں نے روم کے شہنشاہ ہرقل کو چونکا دیا۔ چنانچہ اُس نے انطاکیہ میں بہت بڑی فوج جمع کر کے مسلمانوں کو شام سے بالکل نکال دینے کا ارادہ کیا۔ یہ فوج جس میں بڑے بڑے آزمودہ کار سپاہی شامل تھے۔ انطاکیہ سے چلی۔ تو مسلمانوں کو مناسب معلوم ہوا۔ کہ جن جن شہروں پر اُن کا قبضہ ہو چکا ہے۔ وہاں سے فوجیں ہٹا لی جائیں۔ اور یہ ساری فوجیں سمٹ کے ایک جگہ جمع ہو جائیں لیکن اُنہوں نے دمشق، حمص وغیرہ شہروں سے نکلتے وقت وہاں کے باشندوں کو جزیہ کی رقمیں لوٹا دیں۔ مُسلمان اِن شہروں کے باشندوں کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے۔ اِس لئے اُن سے جزیہ لینا بھی ناجائز تھا۔

مسلمان شام کے شہروں سے نکل کے یرموک پہنچے۔ اور یہاں پاؤں جما کے کھڑے ہو گئے۔ اسلامی فوج کی تعداد تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ اور رُومی فوج اُس سے کئی گُنا زیادہ یعنی کوئی دو لاکھ کے قریب تھی۔ پہلے دونوں طرف سے قاصد آتے جاتے رہے۔ رُومیوں نے چاہا کہ مُسلمان روپیہ لے لیں اور واپس چلے جائیں۔ لیکن مُسلمان اِس پر آمادہ نہ ہوئے۔ رومی اِس معرکے میں بڑی بے جگری سے لڑے۔ مسلمانوں نے کئی بار جی توڑ کر حملے کئے۔ لیکن رومیوں نے اُنہیں ہٹا دیا۔ تاہم مسلمان بڑے ثابت قدم نکلے۔ انہوں نے تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دیئے۔ تلواریں سونت لیں۔ اور دشمن کی صفوں میں جا گھُسے۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ یکایک مسلمانوں کی فوج

کا ایک دستہ بجلی کی تیزی کے ساتھ رومیوں پر پیچھے سے آگرا۔ اِس جنگی چال نے دشمن کی فوج میں کھلبلی ڈال دی رُومی فوج میں سے آدھی تو میدان میں کام آئی۔ جو لوگ زندہ بچ گئے۔ وہ بھاگ نکلے ٭

مسلمانوں کو اس معرکے میں مکمّل کامیابی ہوئی تھی۔ جس نے پوری جنگ ہی کا فیصلہ کر دیا۔ ہرقل بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ اور پھر کبھی اسے شام کا رُخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اب شہر پر شہر فتح ہونے لگے۔ اور قنسرین حمص اور انطاکیہ یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ بعض لوگ اسلام لے آئے۔ لیکن زیادہ تعداد اُن لوگوں کی تھی۔ جو اپنے مذہب پر قائم رہے۔ اور جزیہ دینا قبول کر کے مسلمانوں کے سایۂ حمایت میں آگئے۔ جرجومہ کے شہر پر چڑھائی ہوئی۔ تو اس کے باشندوں نے کہا کہ نہ تو ہم مسلمان ہوں گے۔ نہ جزیہ ہی ادا کریں گے۔ البتّہ لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جزیہ فوجی خدمت کے عوض لیا جاتا تھا۔ اِس لئے یہ شرط منظور کر لی گئی اور اُنہیں جزیہ معاف کر دیا گیا ٭

اب مسلمان یروشلم یعنی بیت المقدس کی طرف بڑھے اور اُسے بھی فتح کر لیا۔ اِس موقع پر حضرت عمرؓ یروشلم تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر اُنہوں نے ذمّیوں کے حقوق مقرّر کئے۔ اور شام کے علاقے کا انتظام کیا۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح شام کے والی مقرّر ہوئے۔ اور اس علاقے کو چار حصّوں یعنی دمشق۔ حمص۔ اُردن اور فلسطین میں بانٹ دیا گیا ٭

شام کی فتح نے دُنیا بھر میں مُسلمانوں کی طاقت و قوت کی دھاک بٹھا دی۔ یہاں اُنہوں نے جا بجا اپنی چھاؤنیاں قائم کر لیں چنانچہ اِن چھاؤنیوں سے وہ زور دے کر بڑھے اور شمالی عراق، آرمینیا، کُردستان، آذربائیجان اور گرجستان پر بڑی آسانی سے قبضہ کر لیا۔ انہیں فتوحات کی وجہ سے آگے چل کر ایشیائے کوچک اُن کے قبضہ میں آیا۔ اور اسلامی حکومت بحیرۂ اسود کے ساحل تک پھیل گئی ٭

ایرانیوں سے معرکے۔ جن دنوں حضرت ابوبکرؓ نے انتقال فرمایا۔ ایران کے مشہور سپہ سالار رُستم نے مُسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑے زور شور سے تیاریاں شروع کیں۔ بلکہ آگے بڑھ کے دریائے فرات کے آس پاس کے علاقے پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے قبیلہ ثقیف کے سردار ابو عبیدہؓ کو ایرانیوں کے

مسجد اقصےٰ۔ یروشلم ←

Marfat.com

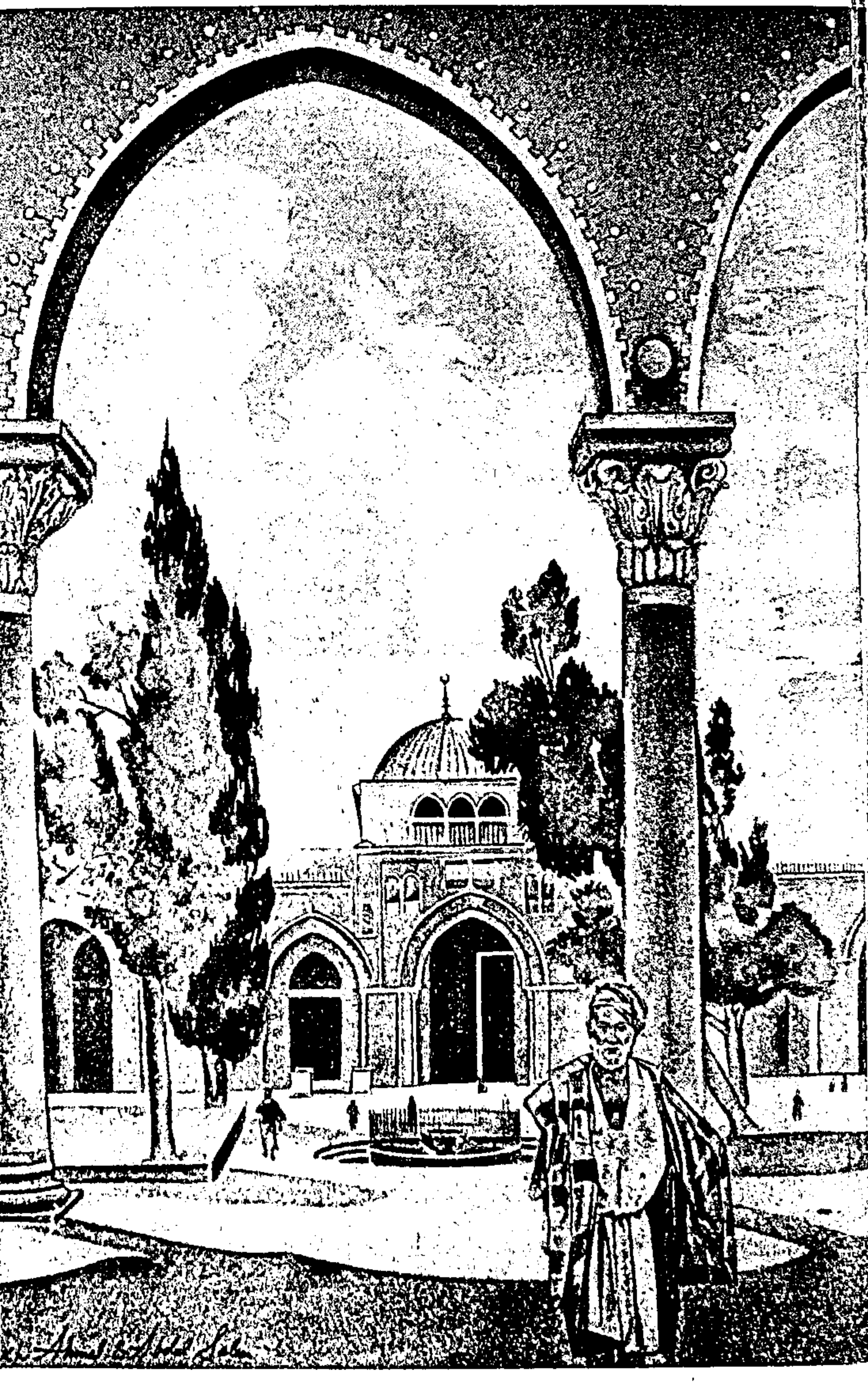

Marfat.com

مقابلے پر بھیجا۔ ایرانیوں کو شکست کھا کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور وہ بھاگ کر فرات کے پار چلے گئے۔

پُل کی لڑائی ۔ ایرانی سپہ سالار رُستم کو اِن شکستوں کا حال معلوم ہوا۔ تو بہت پریشان ہوا۔ اور برہم ہو کے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک بہت بڑی فوج بھیجی۔ جس کا سردار بہمن تھا۔ اس نے دریائے فرات کے کنارے پہنچ کے ڈیرے ڈالے اور ابو عبیدہؓ کو کہلا بھیجا۔ کہ تم آتے ہو کہ ہم آئیں۔ ابو عبیدہؓ کو مناسب معلوم نہ ہوا۔ کہ شجاعت کے امتحان میں مسلمان ایرانیوں سے پیچھے رہ جائیں۔ تلوار ٹیک کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور لشکر کو ساتھ لے کر دریا کے پار جا اُترے۔ ایرانیوں کی فوج میں ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی تھا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اور ابو عبیدہؓ کو عین لڑائی میں ایک ہاتھی نے پامال کر ڈالا۔ سردار کی موت نے مسلمانوں کی فوج میں بددِلی پھیلا دی۔ اور اُنہوں نے ہٹنے کا قصد کیا۔ لیکن ہٹ کے کہاں جاتے۔ دشمن نے موقع پا کے فرات کا پُل توڑ دیا تھا۔ آخر تلواریں سونت سونت کے دشمن پر جا پڑے۔ اور جانیں دے کر سرخ روئی حاصل کی۔ مثنیٰؓ بن حارث نے اس عالم میں بڑی ہمّت دکھائی۔ کچھ لوگوں کو پُل بنانے بھیجا اور خود عَلَم سنبھال کے دشمن کو روکا۔ اِس طرح وہ اسلامی لشکر کے ایک حصّے کو موت کے مُنہ سے نکال لائے۔ پھر بھی بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ یہ لڑائی معرکۂ جسر یعنی پُل کی لڑائی کہلاتی ہے۔

بُویب کی لڑائی ۔ مدینہ میں اِس شکست کی خبریں پہنچیں۔ تو حضرت عمرؓ نے فوج بھرتی کرنی شروع کی۔ قبیلہ قبیلہ کے لوگ مدینہ پہنچے۔ جریر بجلی کی سرداری میں ایک لشکر مثنیٰؓ کی مدد کے لئے بھیجا گیا۔ اب ایرانیوں کی فوج کا سردار مہران تھا۔ کُوفہ کے قریب بُویب ایک مقام ہے۔ یہاں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ یہ معرکہ بھی بہت سخت تھا۔ دونوں طرف کے سپاہی جی توڑ کر لڑے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان بھی شہید ہوئے۔ لیکن میدان انہیں کے ہاتھ رہا۔ مہران لڑائی میں کام آیا۔ یہ فتح بہت اہم تھی۔ کیونکہ اس معرکہ کے بعد مُسلمانوں نے آسانی سے سارے عراق پر قبضہ کر لیا۔

قادسیہ ۔ اِس شکست سے سارے ایران میں کُہرام مچ گیا۔ امیروں اور وزیروں نے بوران دخت کو تخت سے اُتارا۔ اور اس کی جگہ ایک نوجوان شہزادہ جس کا نام یزدجرد تھا اور جس کی عمر صرف سولہ برس کی تھی تخت نشین ہوا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی ایرانیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ ہرکارے یہ خبر لے کر ہر طرف پھیل گئے۔ اور

Marfat.com

قومی غیرت اور جوش نے سارے مُلک میں آگ سی لگادی۔

کُچھ دِنوں کے بعد ایرانی پھر بڑے عزم اور حوصلے کے ساتھ اُٹھے۔ اور مسلمان جو علاقہ فتح کر چکے تھے اُس پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عمرؓ کو خبر پہنچی۔ تو مثنیٰؓ کو لکھا۔ کہ ساری فوج کو سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹ آؤ۔ پھر عرب قبیلوں میں کمک کے لئے قاصد دوڑائے۔ فوج جمع ہو چکی۔ تو ارادہ کیا۔ کہ اِس لشکر کو لے کے خود ایرانیوں کے مقابلے پر نکلیں۔ لیکن صحابہؓ نے روکا۔ اور کہا۔ کہ آپ کا مدینہ میں رہنا ہی مناسب ہے۔

حضرت سعدؓ بن وقاص بڑے رُتبے کے صحابی تھے۔ اِس فوج کی سرداری کے لئے حضرت عمرؓ کی نگاہ اِنتخاب اُن پر پڑی۔ چنانچہ وہ تیس ہزار سپاہیوں کو لے کر عراق کی طرف بڑھے۔ مثنیٰؓ سرحد کے پاس ایک گاؤں میں فوج لئے پڑے تھے۔ پُل کی لڑائی میں اُنہوں نے جو زخم کھائے تھے۔ اُن کے ٹانکے کھُل گئے۔ سعدؓ ابھی سرحد تک پہنچنے نہیں پائے تھے۔ کہ مثنیٰؓ کا انتقال ہو گیا۔ سعدؓ نے بڑھ کے قادسیہ کے سرسبز میدان میں پڑاؤ ڈالا اور پھر یزدجرد کے پاس ایلچی بھیجے۔ کہ یا جزیہ دو یا اسلام قبول کر لو۔ یزدجرد یہ پیغام سُن کر شعلہ کی طرح بھڑک اُٹھا۔ اور سعدؓ بن وقاص کے ایلچیوں کو بڑی ذلّت اور حقارت کے ساتھ نکلوا دیا۔ پھر رُستم کو ڈیڑھ لاکھ سپاہیوں کا لشکر دے کر مسلمانوں کے مقابلے پر بھیجا۔

رُستم بڑی شان و شوکت کے ساتھ فرات سے پار اُترا۔ اُس کا تخت سونے کا تھا۔ جس پر سُنہری چتر سایہ کئے ہوئے تھا۔ زری اور بادلے کے خیمے، ساری فوج لوہے میں ڈوبی ہوئی۔ اِس فوج کے ساتھ جنگی ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی تھا۔ جن کے قدموں کی دھمک سے زمین کانپ اُٹھتی تھی۔ لڑائی شروع بھی نہ ہونے پائی تھی کہ سعدؓ بن وقاص یکایک بیمار ہو گئے۔ اِس لئے وہ خود تو لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ لیکن افسروں کے نام برابر احکام بھیجتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہ جنگ اُنہیں کی ہدایتوں کے مطابق لڑی گئی۔ تین دِن تک بڑے زوروں کی لڑائی ہوتی رہی۔ ایرانیوں کو ہاتھیوں سے بڑی مدد ملی۔ یہ کالی آندھی بڑھتی تھی۔ تو گھوڑے بدکنے لگتے تھے۔ اور مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ لیکن ان بہادروں کی ہمّت پر ہزار آفرین ہے کہ اِن مشکلات کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ اور تیسرے دن اِس زور کا حملہ کیا۔ کہ دشمن کی صفیں اُلٹ کے رکھ دیں۔ بیس ہزار ایرانی کام آئے۔ اُن میں رُستم بھی تھا۔ مسلمانوں کا جانی نقصان اس کا دسواں حصّہ بھی نہیں تھا۔

مدائن کی فتح۔ قادسیہ کی لڑائی ایسی دوٹوک تھی۔ کہ اِدھر کی دُنیا اُدھر ہوگئی۔ سعدؓ نے بابل تک ایرانیوں کا پیچھا کر کے آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ایران کا دارالحکومت مدائن یہاں سے قریب تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق سعدؓ مدائن کی طرف بڑھے۔ راستہ میں دشمن نے جگہ جگہ روکا۔ اور کئی چھوٹے چھوٹے معرکے ہوئے۔ لیکن مسلمانوں کی فتح مند فوج دشمن کو ریلتی دھکیلتی مدائن تک جا پہنچی۔ اور جاتے ہی شہر کے مغربی حصّے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ دو مہینے تک رہا۔ آخر سارے ایرانی خاص مدائن میں جو دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد تھا۔ سمٹ کر جمع ہو گئے۔ پُل توڑ دیا گیا۔ دریا کے کنارے جو کشتیاں پڑی تھیں وہ بھی ہٹا لی گئیں۔ سعدؓ نے یہ کیفیت دیکھی۔ تو دجلہ میں گھوڑا ڈال دیا۔ فوج نے بھی اُن کی پیروی کی۔ اور سب کے سب اس طرح رکاب سے رکاب مِلائے بڑھے گویا دریا نہیں سپاٹ میدان ہے۔ ایرانی یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ کچھ دیر تک ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھتے رہے۔ پھر سراسیمگی کے عالم میں "دیو آگئے دیو آگئے" کہتے ہوئے بھاگے۔ یزدجرد اپنا حرم اور خزانہ تو پہلے ہی حلوان بھیج چکا تھا۔ اب مدائن کے در و دیوار پر حسرت سے نظر ڈالتا خود بھی شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

سعدؓ ۶۳۷ء میں مدائن کے شہر میں داخل ہوئے۔ یہ فتح گویا ایرانی سلطنت کی تباہی کی تمہید تھی۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصّہ جس میں کسریٰ کا لباس۔ زیور اور جواہرات بھی شامل تھے۔ مدینہ بھیج دیئے گئے۔ جب یہ چیزیں حضرت عمرؓ کے سامنے آئیں تو اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ کہنے لگے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ مال و دولت اور آرام و آسائش کا یہ سامان کہیں میری قوم کو بھی تباہ نہ کر دے۔ مدائن کی فتح کے بعد جلولا کا معرکہ ہوا۔ یہاں بھی مسلمانوں نے فتح پائی۔ اِس لڑائی کے بعد سارا عراق مُسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

عراق کا جو علاقہ اخیر میں فتح ہوا تھا۔ سعدؓ بن وقاص کو اُس کا والی بنایا گیا۔ پہلے اُن کا صدر مقام مدائن تھا۔ پھر وہ کوفہ اُٹھ آئے۔ اور بصرہ جنوبی عراق کا صدر مقام قرار دیا۔ یہ دونوں شہر حضرت عمرؓ ہی نے بسائے تھے۔ کچھ عرصے تک تو ایرانی چُپ چاپ بیٹھے رہے۔ پھر اُنہوں نے عراق کی سرحد پر چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔

حضرت عمرؓ کو پہلے ایرانیوں کے اِن حملوں کی خبریں ملیں۔ پھر معلوم ہوا۔ کہ یزدجرد نے کوہ البرز کے دامن میں بہت بڑی فوج جمع کر لی ہے۔ تو اُنہوں نے مجبوراً مسلمانوں کو آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔ مُسلمانوں

نے بڑھ کے نہاوند میں پڑاؤ ڈالا۔ ۶۴۲ء میں یہاں بڑے زور کی لڑائی ہوئی۔ جس میں ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اور اُن کے ہزاروں افسر اور سپاہی مارے گئے۔ یزدجرد میدانِ جنگ سے بھاگ نکلا۔ اور کچھ عرصے کے بعد مارا گیا۔ اُس کی موت کے ساتھ ہی ساسانیوں کی سلطنت ختم ہوگئی۔ اور مُسلمان خوزستان، فارس، خراسان، کردستان، آذربائیجان، گرجستان اور مکران کو فتح کر کے ہندوستان کی سرحد تک آپہنچے +

مصر کی فتح۔ حضرت عمرؓ نے اپنے سپہ سالاروں کو مصر پر چڑھائی کرنے کی ممانعت کر دی تھی۔ لیکن مصری آئے دن شام میں گھُس کر مسلمانوں پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ اس لیئے حضرت عمرؓ کو مجبور ہو کر مصر پر حملے کی اجازت دینی پڑی۔ اِس مُہم کی سرداری کے لیئے عمروؓ بن العاص کو منتخب کیا گیا۔ کیونکہ اُنہیں کئی بار مصر جانے کا اتفاق ہُوا تھا۔ اس لیئے وہ وہاں کے حالات سے واقف تھے۔ عمروؓ بن العاص کے ساتھ صرف چار ہزار سپاہی تھے۔ یہ چھوٹی سی فوج عریش کے شہر میں پہنچ کے رُکی۔ ایران اور شام کی طرح مصر میں بھی مُسلمانوں کی کامیابی کے لیئے حالات بڑے سازگار تھے۔ کیونکہ یہ علاقہ بھی رُومیوں کے ماتحت تھا۔ لوگ اُن کے ظلم وستم سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ مصریوں نے مسلمانوں کو نجات دہندہ سمجھ کر اُن کا ساتھ دیا۔ چنانچہ عریش آسانی سے فتح ہوگیا +

عمرو بن العاص کا خیمہ۔ فسطاط کا شہر یہیں آباد کیا گیا تھا۔ عربی زبان میں فسطاط خیمہ کو کہتے ہیں

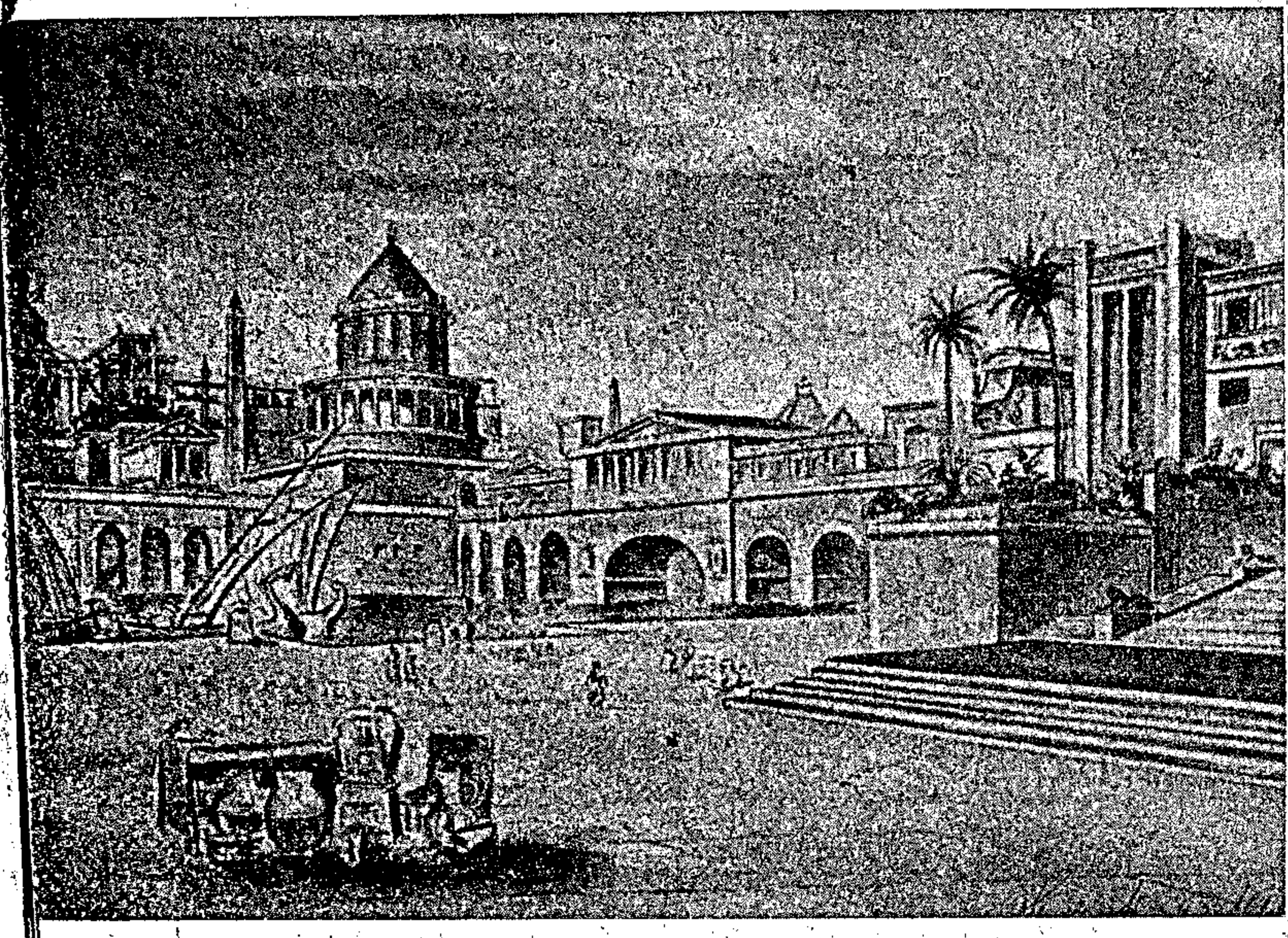

اسکندریہ کا شہر۔ مصر پر مسلمانوں کے حملے کے زمانے میں

اس فتح نے مسلمانوں کے حوصلے بڑھا دیئے۔ چنانچہ اُنہوں نے مصر کے دوسرے قلعہ بند شہروں کی طرف توجّہ کی۔ اور رُومیوں کو ہر جگہ نیچا دکھاتے اسکندریہ کا رُخ کیا۔ کیونکہ مصر کی ساری رومی فوج ہر طرف سے سمٹ کر اسی بندرگاہ میں جمع ہو گئی تھی۔ مُدّت تک مسلمان اسکندریہ کا محاصرہ کیئے پڑے رہے۔ آخر یہ شہر بھی فتح ہو گیا اور رُومیوں نے ہار مان کے ہتھیار ڈال دیئے۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد سارا مصر مُسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ اور افریقہ میں اسلامی سلطنت کی سرحد مغرب میں لیبیا اور جنوب میں حبش سے جا ملی ٭

اب مُسلمانوں نے ایران اور شام کی طرح مصر کے اُنتظام کی جانب توجّہ کی۔ فسطاط کا شہر جو قاہرہ کے موجُودہ شہر سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ مصر کے والی عمروؓ بن العاص کا صدر مقام قرار پایا۔ یہیں بیٹھ کے وُہ مُلک کا انتظام کرتے تھے۔ فوج کے نام بھی یہیں سے احکام جاری ہوتے تھے ٭

مصر کے مغرب کی طرف جو علاقہ واقع ہے۔ وہ بھی رُوم کے قبضے میں تھا۔ مصر کے فتح ہو جانے

Marfat.com

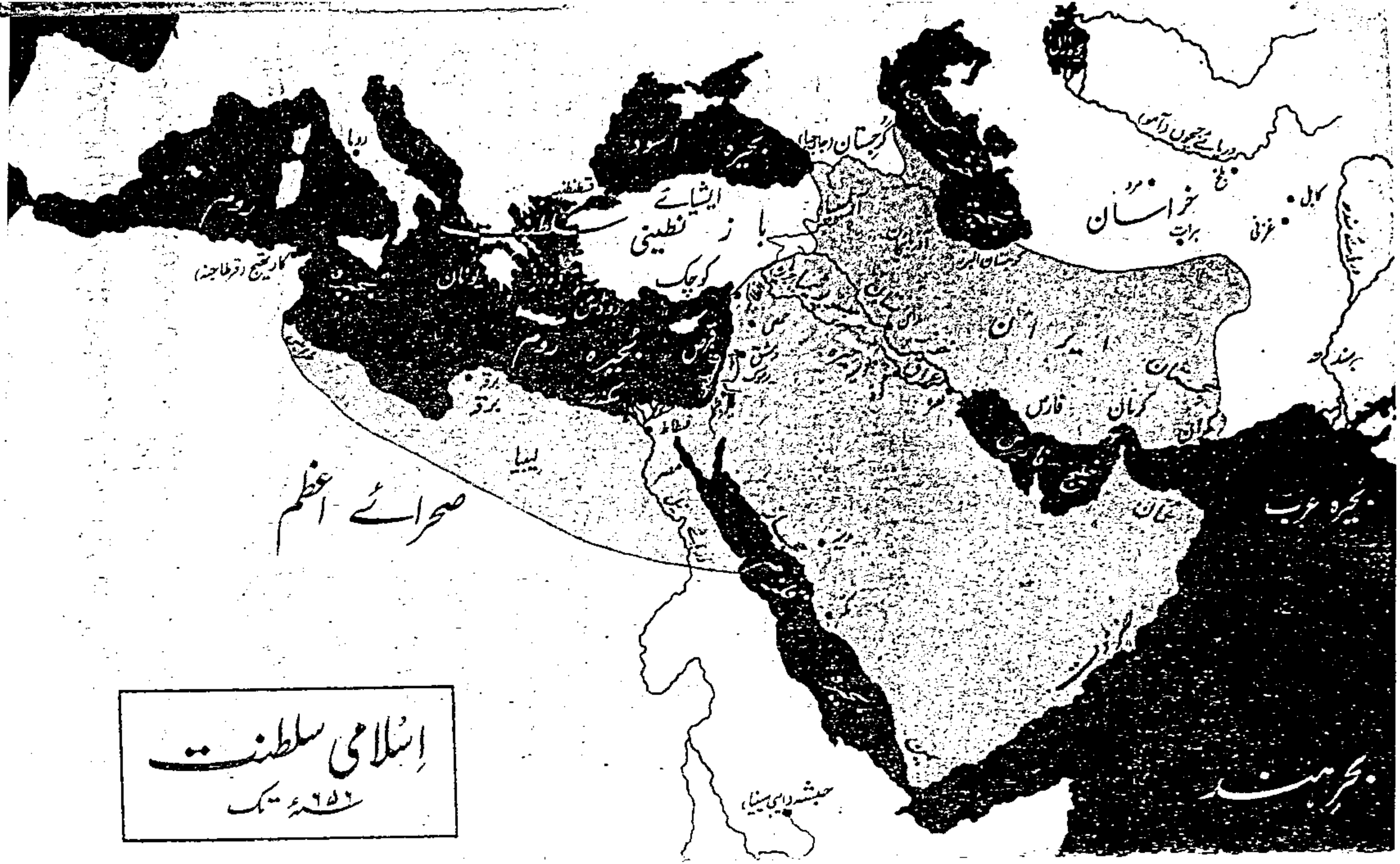

اسلامی سلطنت
۶۵۶ء تک
صحرائے اعظم
لیبیا
برقہ
بحیرہ روم
بحیرہ اسود
ایشیائے کوچک
بازنطینی
ایران
خراسان
مرو
ہرات
غزنی
کابل
بلخ
فارس
کرمان
عمان
بحیرہ عرب
بحر ہند
کارتھیج (قرطاجنہ)
حبشہ (ابی سینا)

Marfat.com

کی وجہ سے اُس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ رہا۔ عمرو نے بڑی آسانی کے ساتھ شمالی ساحل کے قبیلوں کو مغلوب کر لیا۔ اور مسلمان برقہ تک جا پہنچے۔ بلکہ طرابلس کے بربری قبائل نے بھی خود بخود اطاعت قبول کر لی۔

حضرت عمرؓ کی شہادت۔ حضرت عمرؓ نے ۲۳ھ مطابق ۶۴۴ء میں وفات پائی۔ اُن کی بے وقت موت سے اسلام کو بڑا نقصان پہنچا۔ ابو لؤلؤ فیروز ایک ایرانی تھا۔ جسے حضرت خلیفہ دوم رضؓ سے ذاتی پرخاش تھی۔ حضرتؓ مسجد میں صبح کی نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو ابو لؤلؤ نے جو گھات لگائے بیٹھا تھا۔ نکل کے حملہ کیا۔ زخم کاری تھا۔ اس لئے وہ جاں بر نہ ہو سکے۔ حضرت ابو بکرؓ کی طرح حضرت عمرؓ نے بھی ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ موت سے پہلے اُنہوں نے اپنا جانشین منتخب کرنے کا کام چھ صحابیوں یعنی حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ بن وقاص، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے سپرد کر دیا تھا۔ اور اُنہیں ہدایت کر دی تھی کہ اپنے میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ دراصل خلیفہ کا اِنتخاب کرنے کے لئے اِن سے بہتر لوگ نہیں مل سکتے تھے۔

اِس مجلس کے ارکان نے یہ فیصلہ کیا کہ معاملہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر چھوڑ دیا جائے۔ اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں فیصلہ کیا۔ چنانچہ مسجد نبوی میں لوگوں کو جمع کر کے یہ فیصلہ سُنا دیا گیا۔ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور مجمع عام میں اُن کی خلافت کا اعلان ہو گیا۔

Marfat.com

حضرت عثمانؓ

حضرت عثمانؓ قریش کی ایک شاخ بنی اُمیّہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کا قبیلہ مکّہ میں بڑا طاقت ور تھا۔ اور بنو ہاشم کا سب سے بڑا حریف سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اُن پر اپنے قبیلہ کا اثر نہیں پڑا تھا۔ چنانچہ جب اُنہیں اسلام کی سچائی کا یقین ہوگیا۔ تو اُنہوں نے ایمان لانے میں لمحہ بھر تامّل نہ کیا۔ وہ بڑے مال دار لوگوں میں سے تھے اور اپنی دولت مندی اور فیاضی کی وجہ سے غنی کہلاتے تھے۔ وہ ذوالنّورین کے لقب سے بھی مشہور ہیں کیونکہ رسُول خداؐ کی دو صاحبزادیوں سے اُن کی شادی ہوئی تھی۔ پہلے حضرت رقیہؓ سے اُن کا بیاہ ہوا۔ وہ انتقال کر گئیں تو آنحضرتؐ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت اُمّ کلثومؓ سے اُن کا نکاح کر دیا۔ حضرت عثمانؓ بڑے جوشیلے مسلمان تھے۔ اُنہوں نے دو مرتبہ ہجرت کی۔ قریش نے جب مُسلمانوں کو بہت ستایا۔ تو وہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لے کر حبش چلے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد وہاں سے لَوٹے۔ اور کچھ دن مکّہ میں رہ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کے حُکم سے مدینہ چلے آئے۔ قریب قریب تمام غزوات میں شرکت کی۔ البتّہ بدر میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ حضرت رقیہؓ اُن دنوں سخت بیمار تھیں۔ آنحضرتؐ کو اُن کی قابلیّت اور دانش مندی پر بڑا بھروسہ تھا۔ حُدیبیہ کا واقعہ تمہیں یاد ہوگا۔ رسُول خداؐ خود تو سارے صحابہ سمیت حُدیبیہ میں ٹھہرے۔ اور حضرت عثمانؓ کو صُلح کی شرطیں طے کرنے مکّہ بھیجا۔ قریش نے اُنہیں روک لیا۔ اور یہاں یہ خبر اُڑ گئی۔ کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ رسُول خداؐ کو سخت صدمہ ہوا۔ صحابہؓ سے بیعت لی۔ اور سارے مُسلمانوں نے عہد کیا۔ کہ ہم اپنی جانیں دے کر عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیں گے۔ یہ بیعت بیعت رضوان یا بیعت الشّجرہ کہلاتی ہے۔ قریش کو معلوم ہوا تو حضرت عثمانؓ کو رہا کر دیا۔ اور مسلمانوں سے صُلح کر لی۔ رسُول خداؐ کی طرح حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو

Marfat.com

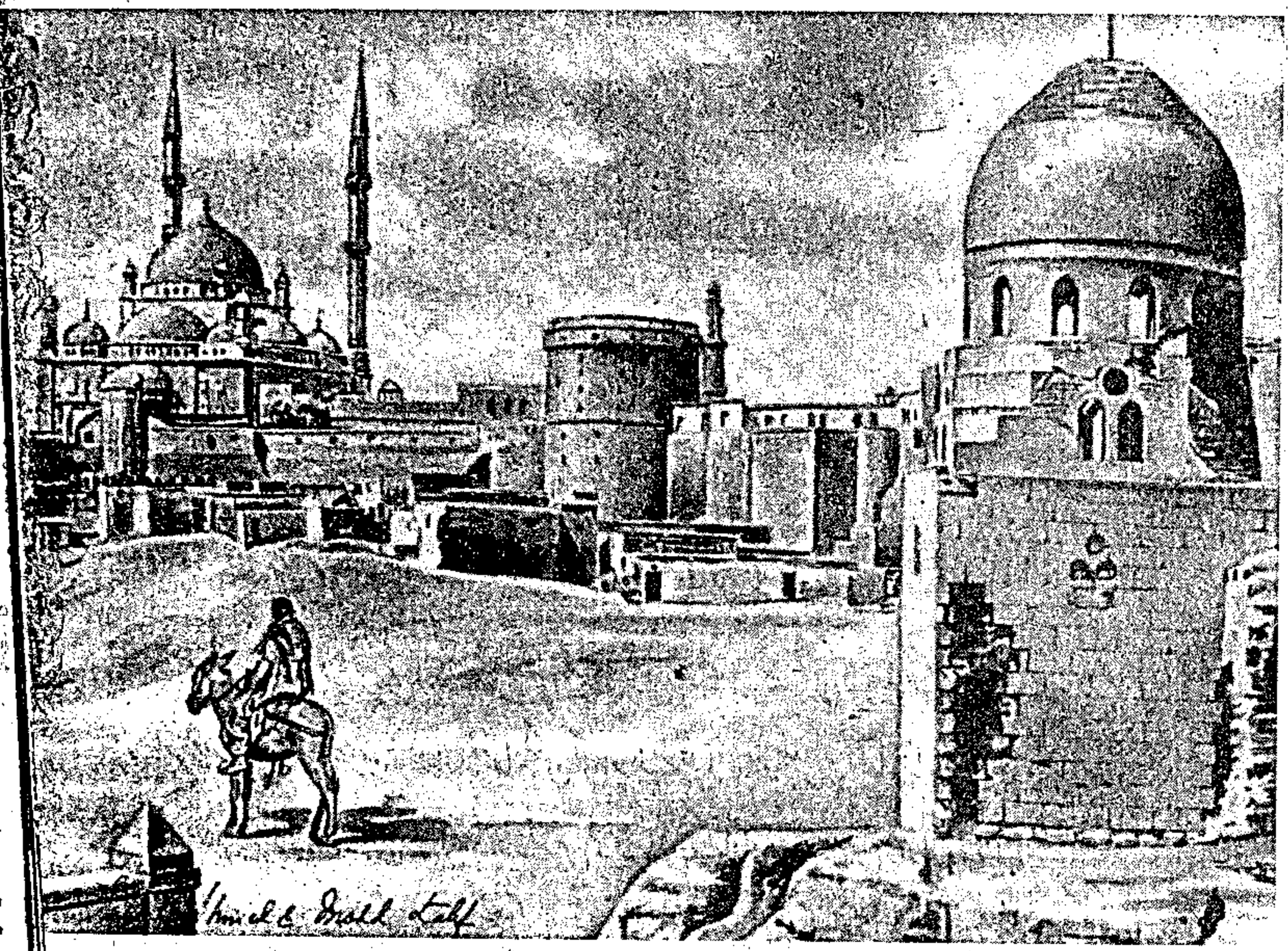

قاہرہ کی فصیل ۔ قاہرہ کا جدید شہر اُس جگہ آباد ہے۔ جہاں کسی زمانے میں فسطاط کا شہر تھا

بھی اُن پر بڑا اعتماد تھا۔ اور ہر معاملے میں اُن سے مشورہ کرتے۔ حضرت عثمانؓ جب خلیفہ ہوئے تو اُن کی عُمر ستّر برس کے قریب تھی۔

خلافت۔ (۶۴۴ء سے ۶۵۶ء تک) حضرت عثمانؓ بڑے نیک پرہیزگار اور دیانت دار بزرگ تھے۔ اِس کے ساتھ اُن کی طبیعت میں بڑی نرمی اور بُردباری بھی تھی۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت میں سختی تھی۔ اِس لئے جب تک وہ زندہ رہے۔ عربوں کے مختلف گروہوں کو جن میں پُرانی دشمنیاں چلی آتی تھیں۔ سر اُٹھانے کی جُرأت نہ ہوئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ تو اِن جھگڑوں نے پھر سر اُٹھایا۔ اور وہ اپنی نرم دِلی کی وجہ سے اُنہیں روک نہ سکے۔ اُن کی خلافت کے پہلے چھ برسوں میں تو مُلک کا انتظام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ چلتا رہا۔ مسلمان ایرانیوں اور رومیوں کو ریلتے دھکیلتے دُور تک بڑھتے چلے گئے۔ کئی نئے علاقے فتح ہوئے۔ دریائے جیحوں کے پار کا علاقہ فتح ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہوا۔ پھر مسلمان

Marfat.com

سیستان کی طرف بڑھے۔ جو اُن دِنوں اِیران کا ایک صوبہ تھا۔ اور بلخ، ہرات، غزنی اور کابل کو فتح کر کے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد تک آپہنچے۔ افریقہ کا بہت سا علاقہ بھی فتح ہوا۔ عمروؓ بن العاص کی جگہ عبداللہ بن سعد مصر کے والی مقرر ہوئے تھے۔ اُنہوں نے ٹریپولی پر قبضہ کر کے کارتھیج یعنی قرطاجنہ کو فتح کیا۔ نوبیہ کا علاقہ بھی فتح ہوا۔ امیر معاویہؓ شام کے والی تھے۔ اُنہوں نے جنگی جہاز اور کشتیاں بنائیں۔ اور رُومیوں کے جنگی بیڑے کو شکست دے کر قبرص اور روڈس کے جزیروں پر قبضہ کر لیا۔ یہ شکست ایسی تھی جس نے رُومیوں کا بحری اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اور اُن میں سر اُٹھانے کی سکت باقی نہ چھوڑی۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری زمانے میں جگہ جگہ فتنہ و فساد نے سر اُٹھایا۔ فساد کی یہ آگ مفتوحہ علاقوں کے کچھ لوگوں نے بھڑکائی تھی۔ جو مُسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے ہمیشہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ اِس کے علاوہ اس زمانے میں عربوں کی پُرانی رنجشیں اور کدُورتیں بھی اُبھر آئیں۔ جن کی وجہ سے مُسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ یمن کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے فساد پھیلانے میں بڑا حصّہ لیا۔ اور خلافت کو کمزور کرنے کے لئے بڑی بڑی چالیں چلیں۔ اُس نے مسلمانوں کو حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر اُبھارا۔ چنانچہ کوفہ اور بصرہ کے بہت سے لوگ اُس کے ساتھ ہو گئے۔ یہاں سے وہ مصر پہنچا۔ وہاں بھی اُس کی تحریک بہت پھلی پھولی اور بہت سے لوگ حضرت عثمانؓ کے دشمن ہو گئے۔ عبداللہ بن سبا نے حضرت عثمانؓ کے خلاف جو باتیں مشہور کی تھیں۔ آہستہ آہستہ مدینہ کے لوگ بھی اُنہیں درست ماننے لگے۔ دراصل حضرت عثمانؓ نے صُوبوں کے والی مقرر کرنے میں جو طریقہ اختیار کیا تھا۔ لوگ اُس سے خوش نہیں تھے۔ لوگوں کو اُن سے یہ شکایت تھی۔ کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ یعنی خاص خاص لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے خلاف ہر طرف بے اطمینانی پھیل گئی۔

۳۵ھ ہجری میں مختلف علاقوں سے جو لوگ حج کرنے آئے تھے۔ اُنہوں نے بغاوت کر دی۔ مدینہ میں فوج بالکل نہیں تھی۔ خلیفہ کی حفاظت کون کرتا۔ چنانچہ باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کو گھیر لیا۔ صُوبوں کے والیوں اور فوجی سرداروں کے نام امداد کے لئے خط بھیجے گئے۔ لیکن باہر سے ابھی مدد پہنچنے نہیں پائی تھی۔ کہ باغیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علیؓ نے انہیں بچانے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن اُنہیں کامیابی نہ ہوئی۔

Marfat.com

حضرت علیؓ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول خداؐ کے چچا ابو طالب کے بیٹے تھے۔ آنحضرتؐ نے اُن کی پرورش اپنے ذمّے لے لی تھی چنانچہ وہ شروع ہی سے آپ کے ساتھ رہے تھے۔ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ اُنہوں نے نبوّت کی گود میں پرورش پائی تھی۔ ان پر آنحضرت صلعم کے اعلےٰ اوصاف کا بڑا اثر پڑا تھا۔ اور رسُول خُداؐ کی اکثر خوُبیاں تو اُن کی طبیعت میں رچ گئی تھیں ٭

رسُولِ خدا کو جب نبوّت ملی۔ تو حضرت علی کی عُمر دس برس کی تھی۔ چنانچہ وہ اُن لوگوں میں سے تھے۔ جو سب سے پہلے ایمان لائے۔ لیکن اس چھوٹی سی عُمر میں بھی اُن کے دل میں دین کی حمایت کا بڑا جوش تھا۔ اور وہ اسلام کی تبلیغ میں ہمیشہ آگے آگے نظر آتے تھے۔ تمہیں یہ معلوم ہے۔ کہ شروع شروع میں مسلمانوں کو بڑی مصیبتیں اُٹھانی پڑتی تھیں۔ حضرت علی نے بھی کم عُمری کے باوجود دوسرے مُسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کی سختیاں اُٹھائیں۔ اور دُکھ جھیلے۔ ہجرت کے موقع پر اُنھوں نے جس جُرأت اور ہمّت کا ثبوت دیا۔ اُس کا حال بھی تم جانتے ہو۔ دشمن ننگی تلواریں ہاتھوں میں لیئے رسولِ خدا کے مکان کو گھیرے کھڑے تھے۔ کہ رسولِ خدا حضرت علی کو اپنے بچھونے پر سُلا کر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اِس حالت میں آنحضرتؐ کے بچھونے پر سونا اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا تھا۔ لیکن حضرت علی کے ماتھے پر بل تک نہ پڑا۔ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا بیاہ اُن سے کر دیا ٭

حضرت علی بڑی سیدھی سادی زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا۔ کہ وہ سال بھر میں چالیس ہزار درہم زکوٰۃ ادا کرتے تھے لیکن اس زمانے میں بھی اُن کی سادگی کا وہی حال تھا۔ اپنی ذات یا اپنے کُنبے پر بہت تھوڑا خرچ کرتے تھے۔ جو کچھ آتا تھا۔ سب خیرات میں چلا جاتا تھا۔ گھر میں کئی کئی دن کھانا نہیں پکتا تھا۔ چُولھا ٹھنڈا پڑا رہتا

Marfat.com

تھا۔ اور سارا کُنبہ فاقے کرتا تھا۔ شجاعت اور دلاوری میں اُن کا نام ضرب المثل ہے۔ چنانچہ آج بھی اُن کے کارنامے لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ اُن کی تلوار نے بڑی بڑی گتھیاں سُلجھائیں۔ بدر اور دوسرے معرکوں میں وہ جس طرح لڑے۔ اُس کا حال بھی تم جانتے ہو۔ اِن لڑائیوں میں وہ اسلامی فوج کے عَلَمدار تھے۔ خندق میں عرب کا مشہور شہسوار عمرو بن عبدِ ودّان کے مقابلہ پر آیا۔ اور مارا گیا۔ خَیبر میں قموص کا قلعہ کسی سے فتح نہ ہوتا تھا۔ یہ مہم بھی حضرت علی ہی نے سَر کی ٭

حضرت علی کی سیرت کی سب سے بڑی خصوصیت اُن کا زُہد اور پرہیزگاری ہے۔ دن کو روزہ رکھتے تھے۔ راتیں نماز پڑھنے میں گزار دیتے تھے۔ مال و دولت کی طرف رغبت نہیں تھی۔ ہاں علم کا بڑا شوق تھا اور فرصت کا سارا وقت علمی مشغلوں میں خرچ کر دیتے تھے۔ چنانچہ اُن کا شمار اپنے زمانے کے بڑے بڑے عالموں میں ہوتا تھا۔ فقہ پر بڑا عبور تھا۔ قرآن کے حافظ تھے۔ اُس کے نکتے خوب سمجھتے۔ اور دُوسروں کو سمجھاتے تھے۔ کوئی جھگڑا آپڑتا تھا۔ تو لوگ فیصلہ کرانے کے لئے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور وہ کتاب اللہ اور رسولِ خدا کے ارشادات کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے۔ اُن کی زبان میں بڑی شیرینی تھی۔ تقریر کرنے کھڑے ہوتے تھے۔ تو معلوم ہوتا تھا کہ مُنہ سے پھُول جھڑ رہے ہیں۔ لکھنے بیٹھتے تھے۔ تو اُن کا قلم الفاظ کے نگینے جڑتا چلا جاتا تھا۔ عربی صَرف و نحو کے قاعدے سب سے پہلے اُنہوں نے ہی وضع کئے ٭

خلافت۔ (۶۵۶ء سے ۶۶۱ء تک) حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلافت کے لئے کوئی شخص حضرت علی سے زیادہ موزوں نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے حامیوں نے ایک طاقتور جماعت قائم کر لی تھی۔ جس کے سرگروہ شام کے والی امیر معاویہؓ تھے۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں خلافت کے اُمیدوار تھے۔ پہلے ان دونوں نے حضرت علی کی بیعت کی۔ پھر عراق چلے گئے اور وہاں اُن کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے ٭

حضرت علی نے ایسی حالت میں خلافت کا منصب سنبھالا۔ کہ جگہ جگہ افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اور ہر طرف سے یہ صدا اُٹھنے لگی۔ کہ سب سے پہلے حضرت علی کو حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا چاہیئے۔ حضرت علی نے بہتیرا کہا۔ کہ حضرت عثمانؓ کا قِصاص لینے کا یہ وقت نہیں۔ ذرا امن و امان ہو جانے دو۔ لیکن لوگوں نے

Marfat.com

اُن کی بات نہ مانی۔ پھر حضرت علیؑ نے خلیفہ بننے کے بعد پہلا کام یہ کیا۔ کہ حضرت عثمانؓ کے مقرر کئے ہوئے تمام والیوں کو موقوف کر کے اُن کی جگہ نئے والی مقرر کر دیئے۔ امیر معاویہؓ جو شام کے حاکم تھے۔ حضرت علیؑ کو خلیفہ ماننے پر ہی آمادہ نہ تھے۔ وہ کیسے شام کی حکومت سے ہاتھ اُٹھاتے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت علیؑ کا حکم ماننے سے اِنکار کر دیا۔ اِسی زمانے میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بصرہ میں خاصی بڑی جماعت اکٹھی کر لی تھی۔ وہ بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت عائشہؓ نے اُن کا ساتھ دیا۔ جن فتنہ پردازوں نے یہ آگ لگائی تھی۔ اُنہوں نے اس موقع سے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ اور اُن کی چالوں کی وجہ سے دونوں فریقوں میں لڑائی ٹھن گئی۔ حضرت علیؑ چاہتے تھے۔ کہ امن ہو جائے۔ تو حضرت عثمانؓ کا قصاص لیا جائے۔ جب حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اُن کے ارادے کی خبر ملی۔ تو وہ بھی صُلح پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن فسادیوں نے صُلح نہ ہونے دی۔ اور دونوں فریقوں میں بڑے زور کی جنگ ہوئی۔ یہ لڑائی جنگ جمل کہلاتی ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ اس میں اونٹ پر سوار تھیں۔ اور عربی میں اونٹ کو جمل کہتے ہیں۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ دونوں کو اس بات کا احساس ہو گیا تھا۔ کہ اُنہیں اِس لڑائی میں شریک نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ چنانچہ دونوں نے لڑائی چھوڑ کر چلے جانے کا ارادہ کیا۔ حضرت طلحہؓ میدانِ جنگ سے ہٹنے کو تھے۔ کہ ایک فسادی نے اُنہیں قتل کر ڈالا۔ حضرت زبیرؓ مدینہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ کہ ایک مفسد کے ہاتھوں راستے میں مارے گئے۔ حضرت علیؑ کو اس لڑائی میں فتح حاصل ہوئی۔ اور انہوں نے بڑی عزّت و احترام کے ساتھ حضرت عائشہؓ کو مدینہ پہنچا دیا۔

حضرت علیؑ نے یہ معرکہ تو سر کر لیا۔ لیکن ابھی بڑا خطرہ باقی تھا۔ امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کے خُون کا بدلہ لینے کے لئے بہت بڑی فوج جمع کر رکھی تھی۔ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کا خون آلود کُرتا دکھا دکھا کر اُن کے خون کا بدلہ لینے پر اُبھارا جاتا تھا۔ جا بجا بڑے زور کی تقریریں کی جاتی تھیں۔ جنہوں نے ہر طرف آگ لگا رکھی تھی۔ خاص طور پر شام میں حالات بڑے نازک ہو گئے تھے۔ آخر حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ دونوں فوجیں دریائے فرات کے کنارے صِفّین کے مقام پر آمنے سامنے ہوئیں۔ مدّت تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر یہ فیصلہ ہوا۔ کہ یہ جھگڑا ثالثوں کے سپُرد کر دیا جائے۔ لیکن اِس پر بھی آپس کے جھگڑوں کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

Marfat.com

حضرت علیؓ کی فوج کے بہت سے لوگ ثالثوں سے فیصلہ کرانے کے خلاف تھے۔ یہ لوگ اُن سے الگ ہوگئے۔ اور خارجی کہلائے۔ حضرت علیؓ کوفہ پہنچے۔ تو خارجیوں نے بڑا فساد مچایا۔ چنانچہ حضرت علیؓ کو مجبوراً اُن سے لڑنا پڑا۔ اِس لڑائی میں خارجیوں نے شکست کھائی۔ اور اُن کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ حضرت علیؓ تو اِن جھگڑوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ اُدھر معاویہؓ نے موقع پاکر شام میں اپنے قدم اچھی طرح جمالیئے۔ ساتھ ہی حجاز کے ایک حصّے اور مصر پر قبضہ کرلیا +

انہیں دِنوں خارجیوں نے حضرت علیؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؓ کوفہ کی مسجد میں صُبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ کہ ایک خارجی نے اُن پر حملہ کر دیا۔ زخم کاری تھا۔ چنانچہ وہ کچھ دیر زندہ رہنے کے بعد ۲۱ رمضان سنہ ۴۰ھ (سنہ ۶۶۱ء) کو تریسٹھ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ اُن کی وفات پر خلافت راشدہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اور جمہوریت کی جگہ بادشاہت نے لے لی +

خلیفہ کا اِنتخاب

رسول خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم صرف اللہ کے نبی ہی نہیں تھے۔ بلکہ ایک وسیع مُلک کے فرمانروا اور مسلمانوں کے سردار بھی تھے۔ آپ کی وفات کے بعد نبوّت تو ختم ہوگئی۔ صِرف حکومت باقی رہ گئی۔ اِس لئے یہ ضروری تھا۔ کہ کسی شخص کو آپ کا جانشین یعنی اسلامی حکومت کا صدر منتخب کیا جاتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ آپ کے خلیفہ چُنے گئے۔ اور خلافت کا قیام عمل میں آیا۔ خلیفہ کے بڑے بڑے فرائض دو تھے۔ ایک تو یہ کہ شریعت کے احکام پر مسلمانوں سے عمل کرائے۔ اور دوسرے یہ کہ آنحضرت صلعم نے جو حکومت قائم کی تھی۔ اُس کا انتظام کرے۔ خلفائے راشدین کے مبارک عہد میں خلافت کسی خاندان کی وراثت

نہیں تھی۔ بلکہ خلیفہ لوگوں کے نمائندوں کی رائے سے چُنا جاتا تھا۔

بیعت۔ خلیفہ کے انتخاب کے بعد ہر مسلمان کے لئے اس کی بیعت کرنا ضروری تھا۔ یہ بیعت اُسی صورت میں توڑی جا سکتی تھی۔ کہ خلیفہ شرعی احکام کی خلاف ورزی کرے۔ گویا بیعت خلیفہ اور عام لوگوں کے درمیان ایک معاہدہ تھا۔ اور اس معاہدے کے رو سے ہر شخص پر خلیفہ کی حمایت کرنا فرض ہو گیا تھا۔

مجلس شوریٰ۔ خلیفہ ایک مجلس کے مشورے سے احکام قرآنی کے مطابق فیصلے کرتا تھا۔ یہ مجلس جس میں بڑے بڑے صحابی شامل تھے۔ مجلس شوریٰ کہلاتی تھی۔ اور مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔ تمام اہم مُلکی معاملات اِسی مجلس کے مشورے سے طے ہوتے تھے۔ جب کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا تھا جس کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی واضح حکم ملتا تھا نہ رسولِ خداؐ کی سُنّت سے کوئی سند ہاتھ آتی تھی۔ تو اُس کا فیصلہ بھی انہیں لوگوں کے مشورے سے کیا جاتا تھا۔ لیکن اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ کہ جو فیصلہ کیا جائے۔ وہ کتاب و سُنّت سے مطابقت رکھتا ہو۔ خلیفہ کا فرض تھا کہ مجلس شوریٰ میں جو فیصلے ہوں۔ اُن کے مطابق عمل کرے۔ جب کوئی زیادہ اہم معاملہ پیش ہوتا تو مجلس شوریٰ کا عام اجلاس منعقد کیا جاتا تھا۔ جس میں ارکانِ مجلس کے علاوہ دوسرے مہاجرین اور انصار کو بھی شریک کر لیا جاتا تھا۔

خلیفہ کے اختیارات اور حقوق۔ خلیفہ آنحضرت صلعم کا جانشین اور مسلمانوں کا سردار تھا۔ اُسے خلافت حاصل کرنے کے بعد آنحضرتؐ کی ردائے مبارک اوڑھنے، آپ کی انگوٹھی پہننے اور مُہر استعمال کرنے کا حق حاصل ہو جاتا تھا۔ وہ جُمعہ کی نماز بھی پڑھاتا تھا۔ اور اِس موقع پر خُطبہ بھی دیتا تھا۔ اُسے مجلسِ شوریٰ کے ارکان منتخب کرنے اور اُنہیں الگ الگ کام سونپنے کا اختیار بھی حاصل تھا۔ اعلےٰ عہدہ دار یعنی صُوبوں کے حاکم، فوج کے سردار، صاحب الخراج یعنی مال گزاری وصول کرنے والا افسر اور قاضی مجلس شوریٰ کے مشورے سے مقرّر کیے جاتے تھے۔ لیکن یہ سارے افسر براہِ راست خلیفہ کے ماتحت ہوتے تھے۔

خلیفہ کا سب سے بڑا فرض یہ تھا۔ کہ اسلام جن مقاصد کو لے کے آیا تھا۔ اُن کی حمایت کرے۔ اسلام کا پیغام پھیلائے۔ اور جن جن علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اُن کا انتظام کرے۔ جہاد کا اعلان بھی صرف خلیفہ ہی کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ سرحدوں کی حفاظت بھی کرتا تھا۔ محاصل کی فراہمی کا انتظام

Marfat.com

کرنا۔ امن وامان قائم رکھنا۔ عدالتیں قائم کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔

خلیفہ کی ذات قانون کا سرچشمہ نہیں تھی۔ وہ خود قانون نہیں بناتا تھا۔ بلکہ مجلس شوریٰ کتاب وسنّت کے مطابق جو فیصلے کرتی تھی۔ وہ اُنہیں نافذ کر دیتا تھا۔ خلیفہ کا مرتبہ بے شک بہت اونچا تھا۔ لیکن اُسے کسی معاملہ میں کوئی خاص حق حاصل نہیں تھا۔ حقوق کے لحاظ سے اُس میں اور عام آدمیوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اسے دوسروں سے زیادہ تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ اور وہ عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر وہ کسی قانون کی خلاف ورزی کرتا۔ تو اُسے بھی دوسرے لوگوں کی طرح سزا دی جا سکتی تھی۔

عدالتی نظام۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے جا بجا قاضی مقرّر کرنا بھی خلیفہ کے فرائض میں شامل تھا۔ قاضیوں کے اِنتخاب میں بڑی اِحتیاط برتی جاتی تھی۔ صِرف وہی لوگ جو قرآن وحدیث پر پورا عبور رکھتے تھے۔ اور شریعت کے نکتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ قاضی بنائے جاتے تھے۔ اِس کے علاوہ صِرف بے داغ چال چلن کے لوگوں کو قاضی مقرّر کیا جاتا تھا۔ اور اُنہیں معقول تنخواہیں دی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ قاضیوں کو کچھ ہدایتیں لکھ بھیجی تھیں۔ جن میں عدالت کے قاعدے اور اصُول بیان کئے گئے تھے۔ یہی اصُول تھے جن کی برکت سے مسلمانوں کا عدالتی نظام ترقّی کر کے کہیں سے کہیں جا پہنچا۔

خلفائے راشدین کے عہدِ حکومت میں حسب ذیل عدالتیں موجُود تھیں:۔

۱۔ مدینہ میں ایک عدالت عالیہ قائم تھی۔ یہاں خلیفہ خود مقدّمات کے فیصلے کرتا تھا۔ لیکن یہ صِرف اپیل کی عدالت تھی۔ یعنی نچلی عدالتوں میں جو فیصلے ہوتے تھے۔ یہاں اُن کے خلاف اپیلیں پیش کی جاتی تھیں۔

۲۔ اِس عدالت عالیہ کے نیچے مختلف صُوبوں کی عدالتیں تھیں جن میں صُوبوں کے قاضی مقدّمات کی سماعت کرتے تھے۔ اور اُن کے نیچے اضلاع کے قاضیوں کی عدالتیں تھیں۔

قاضیوں کو پُورے عدالتی اختیارات حاصل تھے۔ اور جہاں تک مقدّمات کے فیصلے کرنے کا تعلّق ہے۔ وہ صُوبہ یا ضلع کے حاکموں یا کسی دوسرے افسر کے ماتحت نہیں سمجھے جاتے تھے۔ گویا مُسلمانوں نے شروع ہی میں عدالتی نظام کو مُلکی انتظام سے الگ کر دیا تھا۔

Marfat.com

شریعتِ اسلامی میں شہادت کے متعلق بڑی سختی برتی گئی ہے۔ صرف وہی لوگ گواہی دے سکتے تھے، جو اعلےٰ درجے کے دیانتدار ہوتے تھے۔ اور جن کے چال چلن پر کوئی اُنگلی نہیں رکھ سکتا تھا۔ ہر قاضی کے پاس ایسے لوگوں کی فہرست موجود ہوتی تھی۔ جن کی شہادت پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

مُفتی۔ حضرت عمرؓ نے قاضیوں کے علاوہ مُفتی بھی مقرّر کر رکھے تھے۔ قاضیوں کو کوئی مشکل قانونی مسئلہ پیش آتا تھا۔ تو وہ مُفتیوں سے فتوے طلب کرتے تھے۔ اور وہ جو فتوے دیتے تھے۔ قاضی اُسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ عام لوگ بھی مُفتیوں سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ اور اُنہیں فتوے لینے کے لئے کوئی فیس ادا نہیں کرنی پڑتی تھی۔

پولیس۔ حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں پہرہ دار بھی مقرّر کئے۔ جو راتوں کو گشت لگاتے پھرتے تھے۔ اِس کے علاوہ اُنہوں نے جیل بھی بنوائے۔ لیکن پولیس کا محکمہ پُوری باقاعدگی کے ساتھ حضرت علیؓ کے زمانے میں قائم ہوا۔ پولیس کے آدمی بازاروں کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ تاکہ کوئی دُکان دار کسی کو ناپ تول میں دھوکا نہ دینے پائے۔ اِس کے علاوہ جرائم کا سُراغ لگانا اور مُجرموں کو سزا دِلوانا بھی پولیس کے فرائض میں شامل تھا۔ حضرت علیؓ نے شہر کی نگرانی کے لئے بھی ایک محکمہ قائم کیا تھا۔ جو شُرطہ کا محکمہ کہلاتا تھا۔

محتسب۔ لوگوں کے چال چلن اور اخلاق کی نگرانی کے لئے احتساب کا محکمہ قائم کیا گیا تھا۔ جس کے اہل کار محتسب کہلاتے تھے۔ خلیفہ مدینہ میں محتسب مقرّر کرتا تھا۔ صُوبوں کے والیوں کو بھی اپنے ہاں محتسب مقرّر کرنے کا اختیار حاصل تھا۔ یہ اہل کار اس بات کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ کہ لوگ احکام شریعت کی خلاف ورزی نہ کرنے پائیں۔ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ محتسب لوگوں کو نیک کام کرنے پر اُبھارتے اور بُرائیوں سے روکتے تھے۔ اِس کے علاوہ وہ اور بھی بہت سے کام کرتے تھے۔ یعنی یتیم لڑکیوں کے لئے شوہر ڈھونڈتے تھے۔ شہروں کی صفائی کا انتظام بھی اُنہیں کے سپُرد تھا۔

مال کا محکمہ۔ حضرت عمرؓ نے مستقل طور پر مال کا محکمہ قائم کر رکھا تھا۔ جو دیوان کہلاتا تھا۔ آمدنی کی بڑی بڑی مدیں چھ تھیں۔ خراج۔ عُشر۔ عشور۔ زکوٰۃ۔ صدقات۔ مالِ غنیمت اور جزیہ۔

۱۔ زمین کے محصول یعنی مال گزاری کو خراج کہتے ہیں۔ لیکن خراج وہ مال گزاری تھی۔ جو مفتوحہ ممالک کی

Marfat.com

زمینوں سے وصُول کی جاتی تھی۔

۲۔ عُشر بھی زمین کا محصول تھا۔ اور اُن زمینوں سے وصُول کیا جاتا تھا۔ جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں۔ عُشر عربی زبان میں دسویں حصّے کو کہتے ہیں۔ چونکہ مال گزاری پیداوار کا دسواں حصّہ ہوتی تھی اِس لیئے عُشر کہلاتی تھی۔

۳۔ عشُوردہ محصُول تھا۔ جو مالِ تجارت پر لیا جاتا تھا۔ یہ ایک قسم کی چونگی کا محصول تھا۔ اور جو مال ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا تھا۔ اُس پر لگایا جاتا تھا۔ اُس کی شرح بھی مال کی قیمت کا دسواں حصّہ تھی۔

۴۔ زکوٰۃ صِرف مُسلمانوں سے لی جاتی تھی۔ تمام مسلمانوں کو اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد پر ڈھائی فی صدی زکوٰۃ ادا کرنی پڑتی تھی۔ گویا زکوٰۃ کو ایک طرح کا انکم ٹیکس سمجھنا چاہیئے۔ جو صرف مسلمانوں پر لگایا جاتا تھا۔ غیر مُسلم اِس سے مستثنےٰ تھے۔

۵۔ صدقات کا تعلّق بھی صِرف مسلمانوں سے تھا۔ لیکن ان کے بارے میں کوئی پابندی نہیں تھی۔ لوگ اپنی خوشی سے دیتے تھے۔ دراصل جو مسلمان اپنی دولت خیرات میں خرچ کرنا چاہتے وہ صدقات دیتے تھے۔ اور اِس سے جو رقم وصول ہوتی تھی۔ وہ غریبوں اور محتاجوں کی اعانت اور خبر گیری میں خرچ کر دی جاتی تھی۔

۶۔ فتوحات کے زمانے میں مال غنیمت بھی آمدنی کی ایک بڑی مد تھی۔ لڑائیوں میں جو مال ہاتھ آتا تھا اُس کے پانچ حصّے کیئے جاتے تھے۔ چار حصّے تو سپاہیوں میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ ایک حصّہ بیت المال میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ یہ خُمس یعنی پانچواں حصّہ کہلاتا تھا۔

۷۔ جزیہ وہ محصول تھا جو غیر مسلموں سے وصُول کیا جاتا تھا۔ یہ فوجی خدمت کے عوض لیا جاتا تھا۔ کیونکہ غیر مسلم فوجی خدمت سے مستثنےٰ تھے۔ گویا جزیہ کے عوض حکومت پر غیر مُسلموں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمّہ داری عائد ہو جاتی تھی۔ مُسلمانوں کو تو کئی محصُول ادا کرنے پڑتے تھے۔ لیکن غیر مُسلموں سے صرف جزیہ لیا جاتا تھا۔ اِس محصول کی شرح بہت کم تھی۔ دولت مندوں سے ۴۸ درہم۔ متوسّط طبقے کے لوگوں سے ۲۴۔ اور نچلے درجے کے لوگوں سے صرف ۱۲ درہم سالانہ وصُول کیئے جاتے تھے۔ ایک درہم کوئی ساڑھے تین آنے کے برابر ہوتا تھا۔ لیکن جو غیر مسلم یہ معمولی سی رقم بھی ادا نہیں کر سکتے تھے۔ اُن سے جزیہ بالکل نہیں لیا جاتا تھا۔

Marfat.com

حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہر صُوبے اور ہر ضلع میں بیت المال یعنی خزانہ قائم کر دیا گیا تھا۔ جتنا روپیہ آتا تھا وہ بیت المال میں جمع کر دیا جاتا تھا۔

حضرت عُمرؓ کے زمانے میں تمام قبیلوں کی مردم شماری کی گئی۔ ہر قبیلہ کا رجسٹر الگ تھا۔ جن جن لوگوں کو روزینے اور وظیفے ملتے تھے۔ اِن رجسٹروں میں اُن کے نام درج کیے جاتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اِس نظام کو اور وسعت دی گئی۔ آزاد ہوں یا غلام عورتیں ہوں یا مرد، بچے ہوں یا بُوڑھے اور جوان سب کو وظیفے مِلتے تھے۔ اور ہر شخص کی اسلامی خدمات کے مطابق اُس کا وظیفہ مقرّر کیا جاتا تھا۔

گداگری کی ممانعت تھی۔ ہر اپاہج۔ محتاج اور بیمار کو وظیفہ ملتا تھا۔ ہر مذہب و ملّت کے غریبوں اور مسکینوں کے لئے وظیفے مقرّر تھے۔ اور اِس میں ذات پات۔ مذہب و ملّت اور رنگ و نسل کی کوئی تخصیص نہیں تھی۔

فوجی نظام۔ ہر بالغ مسلمان مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ حکومت کو جب ضرورت پڑتی تھی۔ اُسے فوجی خدمت کے لئے طلب کر لیا جاتا تھا۔ گویا اس لحاظ سے ساری اسلامی آبادی فوج کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن اس کی دو قسمیں قرار دی گئی تھیں۔ ایک تو باقاعدہ فوج تھی جو چھاؤنیوں میں رہتی تھی۔ دوسرے والنٹیر تھے۔ جنہیں مطوّعہ کہتے تھے۔ اِن لوگوں کو بھی فوجی تربیت دی جاتی تھی۔ لیکن وہ اپنے گھروں پر رہتے تھے اور جب ضرورت پڑتی تھی۔ انہیں بُلا لیا جاتا تھا۔ ہر سپاہی کے لئے پیراکی۔ شہسواری اور تیر اندازی سیکھنا ضرُوری تھا۔ وُہ نیزے اور تلوار سے کام لینا بھی سیکھتا تھا۔ ننگے پاؤں چلنے کی مشق بھی کرتا تھا۔ یہ سپاہی ڈھال، تلوار اور چھوٹے اور بڑے نیزوں سے مسلح ہوتے تھے۔ کمانیں گلے میں حمائل ہوتی تھیں۔ تیروں کا مُٹھّا پُشت پر پڑا ہوتا تھا۔

سپاہی کو کم سے کم تین سَو درہم سالانہ تنخواہ ملتی تھی اور افسروں کو سات ہزار سے دس ہزار درہم سالانہ تک۔ اِس کے علاوہ سپاہیوں کے بیوی بچوں کو بھی حکومت وظیفہ دیتی تھی۔ سپاہیوں کو تنخواہ کے علاوہ کھانا کپڑے۔ اور جُوتے وغیرہ بھی ملتے تھے۔

صُوبوں کی حکومتیں۔ مفتوحہ علاقوں کو انتظامی سہولت کے خیال سے کئی صُوبوں میں بانٹ دیا گیا تھا۔ صُوبوں کے حاکم امیر یا والی کہلاتے تھے۔ اور اپنے اپنے صوبے میں خلیفہ کے نائب سمجھے جاتے تھے۔ صوبے کا والی صرف اپنے علاقے کا انتظام ہی نہیں کرتا تھا۔ بلکہ فوج کا افسر اعلیٰ بھی ہوتا تھا۔ ہر صُوبے میں بہت سے دوسرے

Marfat.com

عُہدہ دار بھی مقرر کئے جاتے تھے۔ مثلاً قاضی جو مقدمات کے فیصلے کرتا تھا۔ کاتب یعنی میر مُنشی، کاتبِ دیوان، یعنی فوج کا میر مُنشی، عامل یعنی کلکٹر جو محاصل جمع کرتا تھا، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ +

غیر مُسلموں کی حیثیت۔ غیر مُسلم ذمّی کہلاتے تھے۔ اُن کے جان و مال اور مذہب کی حفاظت حکومت پر فرض تھی۔ اِس کے عوض اُنہیں ایک ہلکا سا محصُول ادا کرنا پڑتا تھا جو جزیہ کہلاتا تھا۔ یہ نہ سمجھو کہ مسلمانوں کو جو محصُول ادا کرنے پڑتے تھے۔ غیر مُسلم وہ سب محصول بھی ادا کرتے تھے اور جزیہ کا بوجھ بھی اُن پر ڈال دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کو تو کئی محصول ادا کرنے پڑتے تھے جو غیر مُسلموں سے نہیں لئے جاتے تھے +

مُسلمانوں نے جو مُلک فتح کئے۔ اُن کی ساری زمین غیر مُسلموں ہی کے قبضے میں رہنے دی۔ حضرت عمرؓ نے حُکم دے دیا تھا۔ کہ کوئی مُسلمان مفتوحہ ممالک میں زمین نہ خریدنے پائے۔ غیر مُسلموں کو مذہبی معاملات میں پُوری آزادی حاصل تھی۔ اقتصادی ترقّی کرنے اور اپنی تہذیب کو فروغ دینے کے موقعے بھی دیئے جاتے تھے +

تعلیم۔ قرآن شریف تو شروع کے زمانے ہی میں مرتّب ہو چکا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اُس کی نقلیں کرا کے مختلف علاقوں میں بھیجی گئیں۔ یہ نقلیں کرانے میں الفاظ کی صحّت اور درستی کا بڑا خیال رکھا گیا تھا۔ اس کے علاوہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے مختلف علاقوں میں حافظ، قاری، اور فقیہ بھی بھیجے گئے۔ ان دِنوں مسجدوں ہی میں مکتب لگتے تھے۔ اور لوگوں کو فقہ۔ تفسیر اور حدیث کی تعلیم دی جاتی تھی +

Marfat.com

بنو اُمیّہ کا دورِ حکومت

خلفائے بنی اُمیّہ

امیر معاویہؓ (۶۶۱ء سے ۶۸۰ء تک) خلافت بنی اُمیّہ کے

(بانی امیر معاویہؓ قریش کی ایک شاخ بنی اُمیّہ سے تعلق رکھتے تھے، اُن کے والد کا نام ابُوسفیان اور دادا کا نام حرب تھا) اِس کتاب کے پہلے دو بابوں میں اُن کے باپ اور دادا دونوں کا ذکر آچکا ہے +

امیر معاویہؓ فتح مکّہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ رسول خدا صلّے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پہنچے۔ اور کتابتِ وحی کی سعادت حاصل کی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں شام پر چڑھائی ہوئی۔ تو اُنہوں نے بعض معرکوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ حضرت عمرؓ نے اُنہیں دمشق کا والی مقرر کیا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت میں شام کا سارا صُوبہ جس کے ایک طرف مِصر تھا اور دوسری جانب فرات۔ اُن کے سپُرد کر دیا گیا۔ رُومی شام پر آئے دن حملے کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ نے سرحد کی حفاظت کا انتظام کر کے رُومیوں کے حملوں کا سدِّباب کر دیا +

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ اُن کے خُون کا دعوےٰ لے کر اُٹھے۔ اور حضرت علی کو خلیفہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مدّت تک حضرت علی سے اُن کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ۴۰ھ میں دونوں کے درمیان عارضی صُلح ہوگئی۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد اُنہوں نے خلافت کا دعوےٰ کیا۔ اور فوج لے کر عراق کی طرف بڑھے۔ اِدھر عراق میں حضرت علی کے بڑے صاحبزادے امام حسن کی خلافت کا اعلان ہو چکا تھا۔ لیکن اُنہیں یہ گوارا نہ ہوا۔ کہ اُن کی خاطر مُسلمانوں میں خونریزی ہو۔ چنانچہ اُنہوں نے خلافت سے ہاتھ اُٹھایا۔ اور ۴۱ھ میں اُن تمام علاقوں میں جہاں اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ امیر معاویہؓ کی خلافت کا اعلان ہو گیا +

Marfat.com

حضرت علی نے مدینہ کے بجائے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ امیر معاویہؓ نے دمشق ہی کو اپنا دارالحکومت رہنے دیا۔ کیونکہ یہاں سے دُور دُور کے علاقوں پر زیادہ آسانی سے حکومت کی جا سکتی تھی۔ اِس کے علاوہ جنوب کے علاقے یعنی عراق اور حجاز امیر معاویہؓ کی مخالفت کے مرکز تھے۔ اور وُہ اُن سے دُور ہی رہنا چاہتے تھے۔ مُسلمانوں کی تہذیب نہایت تیزی سے ترقّی کر رہی تھی۔ اور دمشق کو اس تہذیب کے مرکز کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

خارجی حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں کے مخالف تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے بار بار بغاوتیں کیں۔ لیکن کوفہ کے والی مغیرہ بن شعبہ اور بصرہ کے حاکم زیاد نے انہیں بار بار شکستیں دے کر اُن کا زور توڑ دیا۔ سلطنت کے مشرقی صُوبوں میں بھی شورشیں ہوئیں۔ لیکن اِن علاقوں کے والیوں نے باغیوں کو بآسانی مغلوب کر لیا۔ ان اندرونی شورشوں کے باوجود بہت سے نئے علاقے فتح ہوئے۔ اور سلطنت کی مشرقی اور مغربی حدود زیادہ وسیع ہو گئیں۔ اس کے علاوہ امیر معاویہ نے اور بھی کئی کارنامے انجام دیئے۔ رومیوں کو بار بار نیچا دکھایا۔ بڑی جانفشانی سے سلطنت کا انتظام کیا۔ اور کئی نئے قاعدے

دمشق کے موجودہ شہر کی بعض عمارتیں بنُو اُمیّہ کے عہد کی یادگار ہیں۔

Marfat.com

اور قانون جاری کیئے ۔

امیر معاویہؓ سیاست میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔ اُنہوں نے فتنوں کو دبایا، افراتفری دُور کی۔ اور امن قائم کرکے اسلامی معاشرت کو ترقی کرنے اور پھلنے پھُولنے کا موقع دیا۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ اموی خلافت کی بُنیادیں بھی مستحکم کر گئے۔ وہ بڑے متحمّل مزاج شخص تھے۔ اور اپنے حلم اور بُردباری کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ وہ دُشمنوں کو زیر کرنے میں بھی عقل و تدبیر اور حلم اور بُردباری کے حربوں سے کام لیتے تھے۔ اور تلوار اُسی وقت سنبھالتے تھے۔ جب دوسری تمام تدبیریں ناکام ثابت ہوتی تھیں۔ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ مَیں تلوار سے اُسی وقت کام لیتا ہوں جب تازیانہ بیکار ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اگر زبان ہی سے کام نکل آئے تو تازیانے کو بھی ہاتھ نہیں لگاتا۔ اگر میرے اور میرے ساتھیوں کے درمیان بال جیسا کمزور رشتہ بھی ہو۔ تو مَیں اُسے بھی ٹوٹنے نہیں دیتا۔ وہ کھینچتے ہیں تو مَیں ڈھیل دیتا ہوں۔ وہ ڈھیل دیتے ہیں تو مَیں کھینچتا ہوں ۔

امیر معاویہؓ نے ۶۸۰ء میں وفات پائی اور اُن کا بیٹا یزید اوّل مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ مسلمانوں کے لئے یہ چیز اجنبی تھی۔ کہ خلافت میں وراثت کا طریقہ رواج پائے۔ اور بیٹا باپ کا جانشین مقرّر ہو۔ لیکن امیر معاویہؓ تدبیروں کے گھوڑے دَوڑانا خُوب جانتے تھے۔ اُنہوں نے اِس سلسلے میں بھی بڑی موقع شناسی اور ہوشمندی کا ثبوت دیا۔ یعنی یزید کو اپنا ولیعہد قرار دے کر پہلے تو دمشق کے بڑے بڑے لوگوں مجلس شوریٰ کے ارکان، افسروں اور سرداروں سے اُس کی ولیعہدی منوائی۔ پھر خود ایک ایک شہر میں جاکے لوگوں کو اس کی بیعت پر آمادہ کیا۔ اِس کے علاوہ سلطنت کے مختلف حِصّوں سے لوگوں کے وفد آئے جنہوں نے دمشق پہنچ کر یزید کی اطاعت کا حلف اُٹھایا۔ اِس کے بعد اِسی طریقے نے رواج پایا۔ ہر خلیفہ اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے یا خاندان کے کسی دوسرے شخص کو اپنا جانشین مقرّر کرکے صُوبوں کے والیوں اور بڑے بڑے افسروں سے اُس کی اطاعت کا وعدہ لے لیتا تھا۔ غرض اِسلامی جمہوریت کا یہ بُنیادی اصُول کہ خلیفہ کو صرف جمہور کے نمائندے ہی منتخب کر سکتے ہیں۔ توڑ ڈالا گیا، اور خلافت، خلافت نہ رہی۔ بادشاہت ہو گئی ۔

یزید اوّل۔ (۶۸۰ء سے ۶۸۳ء تک) دمشق کے دربارِ خلافت میں تُزک و احتشام کے سامانوں کی کمی نہیں تھی۔ یزید نے اِسی فضا میں آنکھ کھولی اور شہزادوں کی طرح عیش و عشرت

Marfat.com

کی گود میں پرورش پائی۔ چنانچہ ایسی فضا میں جو جو بُرائیاں پیدا ہو جایا کرتی ہیں۔ وہ سب اُس میں موجود تھیں۔ اُس کی طبیعت بداخلاقی کی جانب مائل تھی۔ اور اُس کی عادتیں بہت بگڑ چکی تھیں۔ وہ ہمیشہ خوشامدی مصاحبوں میں گھرا رہتا۔ اور اپنے وقت کا زیادہ حصّہ عیش و عشرت میں گزارتا۔ اور کبھی کبھی تو وہ حدِّ اعتدال سے بالکل ہی گزر جاتا تھا۔

واقعہ کربلا۔ حجاز کے لوگوں کو شروع سے یزید کی ولیعہدی ناپسند تھی چنانچہ اہلِ حجاز میں سے چار سربرآوردہ اشخاص یعنی عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ، رسول خداؐ کے نواسے حسینؑ ابن علیؑ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور امام حسینؑ کو تو یزید کی حرکتیں بہت ناپسند تھیں چنانچہ جب کوفہ کے لوگوں نے اُنہیں بار بار خط لکھے کہ "آپ آکر ہمیں یزید کی حکومت سے نجات دِلایئے" تو وہ اِن لوگوں کی امداد کو فرض سمجھ کر کوفہ جانے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن اہلِ کوفہ وعدہ شکنی میں مشہور تھے حضرت علیؑ نے بھی اُن کے ہاتھوں بڑے دُکھ اُٹھائے تھے۔ اِس لئے امام حسینؑ نے پہلے اپنے چچیرے بھائی مُسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا۔ کہ وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر اطّلاع دیں۔ وہ کوفہ پہنچے۔ تو ایک خلقت اُمنڈ آئی۔ مُسلمؓ نے امام حسینؑ کو خط لکھا۔ کہ اہلِ کوفہ آپ کے جاں نثار ہیں۔ آپ تشریف لے آیئے۔ لیکن کوفہ کے نئے والی عبیداللہ بن زیاد نے جب لوگوں کو ڈرایا دھمکایا تو اُنہوں نے مسلمؓ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چنانچہ ابن زیاد نے مسلمؓ کو گرفتار کر کے شہید کر ڈالا۔

اُدھر امام حسینؑ مُسلمؓ کا خط مِلتے ہی مُٹھی بھر جاں نثاروں کو ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہو چکے تھے۔ عراق کی سرحد پر پہنچے۔ تو مسلمؓ کی شہادت کی خبر ملی۔ ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ ابن زیاد کے ڈر سے کوئی کوفی اُن کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں کچھ لوگوں نے صلاح بھی دی کہ یہیں سے پلٹ چلئے۔ لیکن وہ تو مدینہ سے تہیّہ کر کے نکلے تھے۔ کہ اِس جھگڑے کا فیصلہ کر کے رہیں گے۔ اِس لئے پلٹنا مناسب معلوم نہ ہوا۔ نہ موت کا خوف اُنہیں اپنے ارادے سے باز رکھ سکا۔ نہ عزیز و اقارب کی ہلاکت اور تباہی کے خیال سے اُن کے پاؤں ڈگمگائے۔ اور اُنہوں نے سچّائی کے راستے میں جو قدم رکھا تھا۔ وہ پیچھے نہ ہٹا۔

یہ چھوٹا سا قافلہ جنگلوں اور بیابانوں کو طے کرتا ہوا۔ کوفہ کے قریب پہنچا۔ تو ابن زیاد کی فوج نے راستہ

Marfat.com

روکا۔ امام حسینؑ نے شمال کی طرف ہٹ کر دریائے فرات کے کنارے کربلا کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ دشمنوں نے اُن سے یزید کی بیعت لینی چاہیئے۔ لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ فرات پر پہرے بٹھا دیئے گئے۔ کہ امام حسینؑ اور اُن کے ساتھی دریا سے پانی نہ لے سکیں۔ حضرت امام حسینؑ اور اُن کے ساتھی بڑی بہادری سے لڑے۔ پہلے امامؑ کے بھائی، بھتیجے، بھانجے، اور ساتھ کے کھیلے ہوئے رفیق ایک ایک کر کے اُن کی آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے۔ پھر وہ خود میدان میں آئے۔ اور ایسی شجاعت دکھائی۔ کہ لوگوں کو حضرت علیؑ کی لڑائی کا انداز اور اُن کی تلوار کی کاٹ اور روانی یاد آگئی۔ غرض ابن زیاد کی فوج نے اِس پُوری جماعت کو پیاس کی شدّت کے عالم میں تہ تیغ کر ڈالا۔ اور آخری وقت بھی اُنہیں ہونٹ تر کرنے کے لئے پانی کا ایک قطرہ تک نہ دیا۔ یہ ہولناک واقعہ ۱۰ محرّم ۶۱ھ کو پیش آیا۔ آگے چل کر اس واقعہ کے نتائج نہایت اہم ثابت ہوئے +

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر جہاں جہاں پہنچی۔ لوگ سنّاٹے میں آگئے۔ مدینہ کے لوگوں کو یہ خبر ملی تو تلواریں سُونت سُونت کے یزید کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن اِس بغاوت کو بڑی سختی سے کچل ڈالا گیا۔ خاندانِ رسالتؐ پر یزید کے ہاتھوں جو ظُلم ہوئے تھے اُن کی وجہ سے لوگ پہلے ہی اُس سے سخت ناراض تھے۔ مدینۃ النبیؐ یعنی نبی صلّے اللہ علیہ وسلّم کے شہر مدینہ میں اُس کی فوج نے جو ظُلم توڑے۔ اُس نے لوگوں کے دِلوں میں ناسُور ڈال دیئے۔ اور اُن کی برہمی کی انتہا نہ رہی +

یزید نے صِرف تین برس یعنی ۶۸۳ء تک حکُومت کی۔ لیکن اِس تین برس کی مدّت میں بڑے بڑے ہنگامے ہوئے۔ اور بڑے اہم واقعات پیش آئے۔ یزید اپنے ظُلم و ستم کی وجہ سے بہت بدنام ہے۔ شراب خوری، راگ رنگ، سیر و شکار، وغیرہ میں پڑ کے وُہ حکُومت کے کاموں سے بالکل غافل ہو گیا تھا۔ لیکن کہتے ہیں کہ اُس نے مالی معاملات میں کچھ اِصلاحیں بھی کیں۔ دمشق کے آس پاس کے علاقے کی آبپاشی کا انتظام بھی کیا۔ اُس کی مَوت کے بعد اُس کا بیٹا معاویہ ثانی خلیفہ مقرّر ہوا +

عبداللہ بن زبیرؓ۔ (۶۸۴ء سے ۶۹۳ء تک)

عبداللہ بن زبیرؓ رسُول خداؐ کے خاص صحابی زبیرؓ بن العوام کے صاحبزادے تھے۔ اُنہیں خود بھی آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ آنحضرتؐ سے قرابت بھی رکھتے تھے۔ ان کی والدہ اسماءؓ

Marfat.com

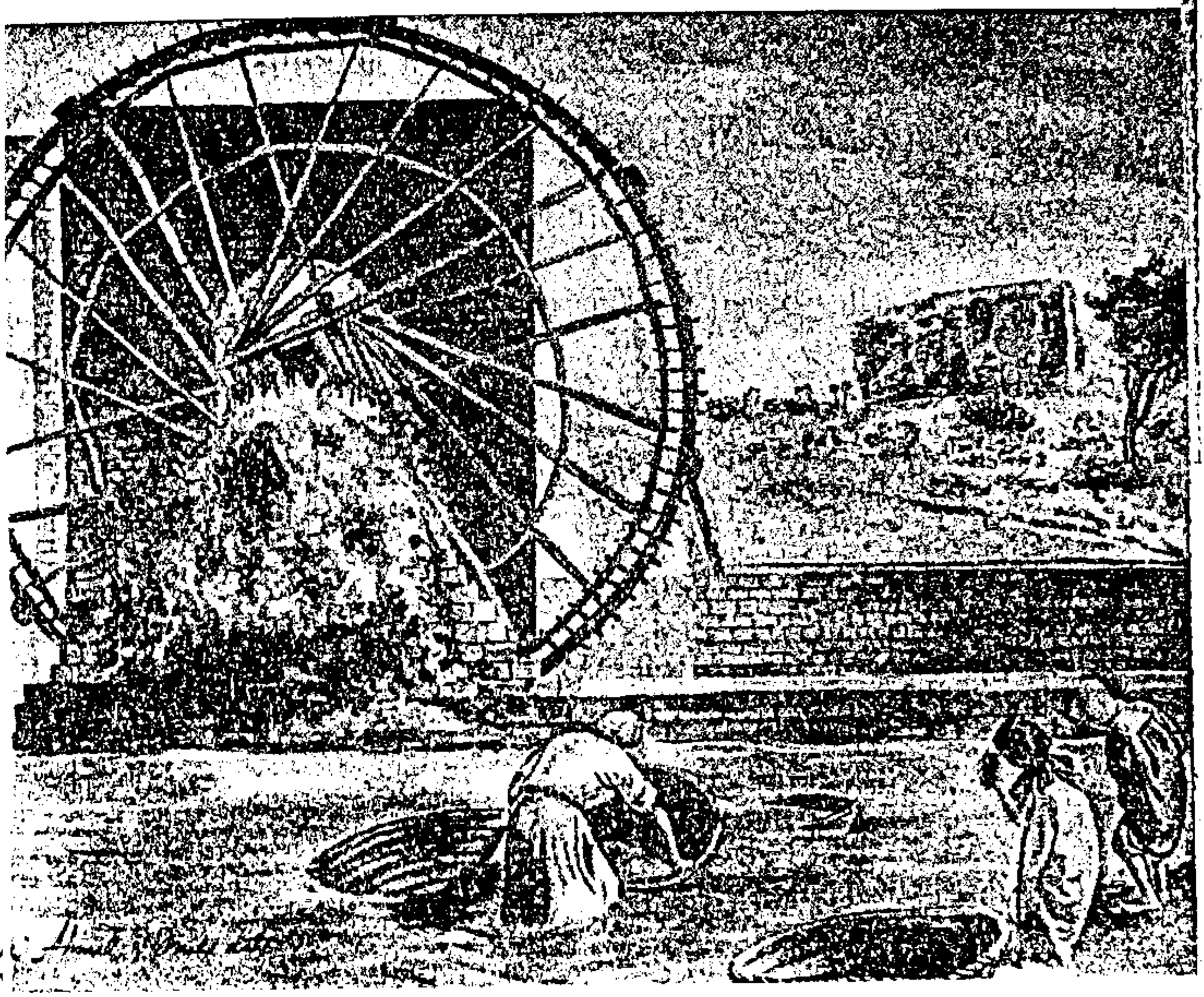

امویوں کے عہدِ حکومت میں کھیتوں کو سینچنے کے لئے اِس قسم کے رہٹوں سے کام لیا جاتا تھا

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہ رضؓ کی بہن تھیں۔ وہ حجاز کے اُن چار سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے جنہوں نے یزید کی بیعت کرنے سے اِنکار کر دیا تھا۔ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد حجاز کے لوگوں نے اُنہیں اپنا سردار تسلیم کر لیا۔ اور اُن کے عَلَم کے نیچے جمع ہو گئے۔ یزید اس تحریک کو کچل ڈالنا چاہتا تھا۔ عبداللہ بن زبیرؓ مکّہ معظمہ میں تھے۔ اِس لئے یزید کی فوجوں نے مدینہ کو فتح کرنے کے بعد مکّہ کو گھیر لیا۔ ابھی لڑائی ہو رہی تھی۔ کہ یزید کے مرنے کی خبر پہنچی۔ اور اُس کی فوج نے مکّہ معظمہ کا محاصرہ اُٹھا لیا۔ یزید کا جانشین معاویہ ثانی صرف تین مہینے حکومت کر کے سلطنت سے دست بردار ہو گیا۔ اب عبداللہؓ بن زبیرؓ کا کوئی حریف نہیں رہا تھا۔ پہلے حجاز میں اُن کی خلافت کا اعلان ہوا۔ پھر عراق اور مصر کے علاوہ شام کے بعض حصّے بھی اُن کے قبضے میں آ گئے۔

مروان بن الحکم۔ (۶۸۴ء سے ۶۸۵ء تک) اموی خاندان کا ایک رُکن

مروان بن الحکم مدینہ کا والی تھا۔ حجاز کی حکومت ابن زبیرؓ کے قبضے میں آئی۔ تو اُنہوں نے مروان کو مدینہ سے نکال دیا۔ وہ یہاں سے سیدھا شام پہنچا۔ اور بنو اُمیّہ کے طرف داروں کو اکٹھا کر کے اپنے خاندان کا اقتدار قائم کرنے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے شام کے انتظام کے لیے جو لوگ مقرّر کر رکھے تھے۔ مروان نے پہلے اُنہیں شکست دی۔ پھر دمشق پہنچ کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ گویا اِس وقت عالمِ اسلام میں دو خلافتیں تھیں۔ شام میں مروان خلیفہ تھا۔ اور حجاز میں عبداللہ بن زبیرؓ، کوئی نو برس تک یہی کیفیت رہی۔ ۶۹۲ء میں عبداللہ بن زبیرؓ مارے گئے۔ تو سارے اسلامی ممالک اموی خلافت کی ماتحتی میں آگئے۔ مروان نے صرف چند مہینے خلافت کی۔ اُس کی موت کے بعد اُس کا بیٹا عبدالملک اُس کا جانشین ہوا۔

عبدالملک بن مروان۔ (۶۸۵ء سے ۷۰۵ء تک)

مروان کو تو بُڑھاپے میں خلافت نصیب ہوئی تھی۔ لیکن عبدالملک مسندِ خلافت پر بیٹھا تھا۔ تو ابھی اس کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ وہ بڑا مستعد اور لائق شخص تھا۔ اُس نے ساری سلطنت کو پھر متّحد کر دیا۔ مُلکی انتظام میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اُنہیں بھی ایک ایک کر کے دُور کیا۔ اُس کی حکومت کا ابتدائی زمانہ امن قائم کرنے اور اندرونی

عہدِ بنو اُمیّہ کے سِکّے (اُوپر) اور اوزان (نیچے)

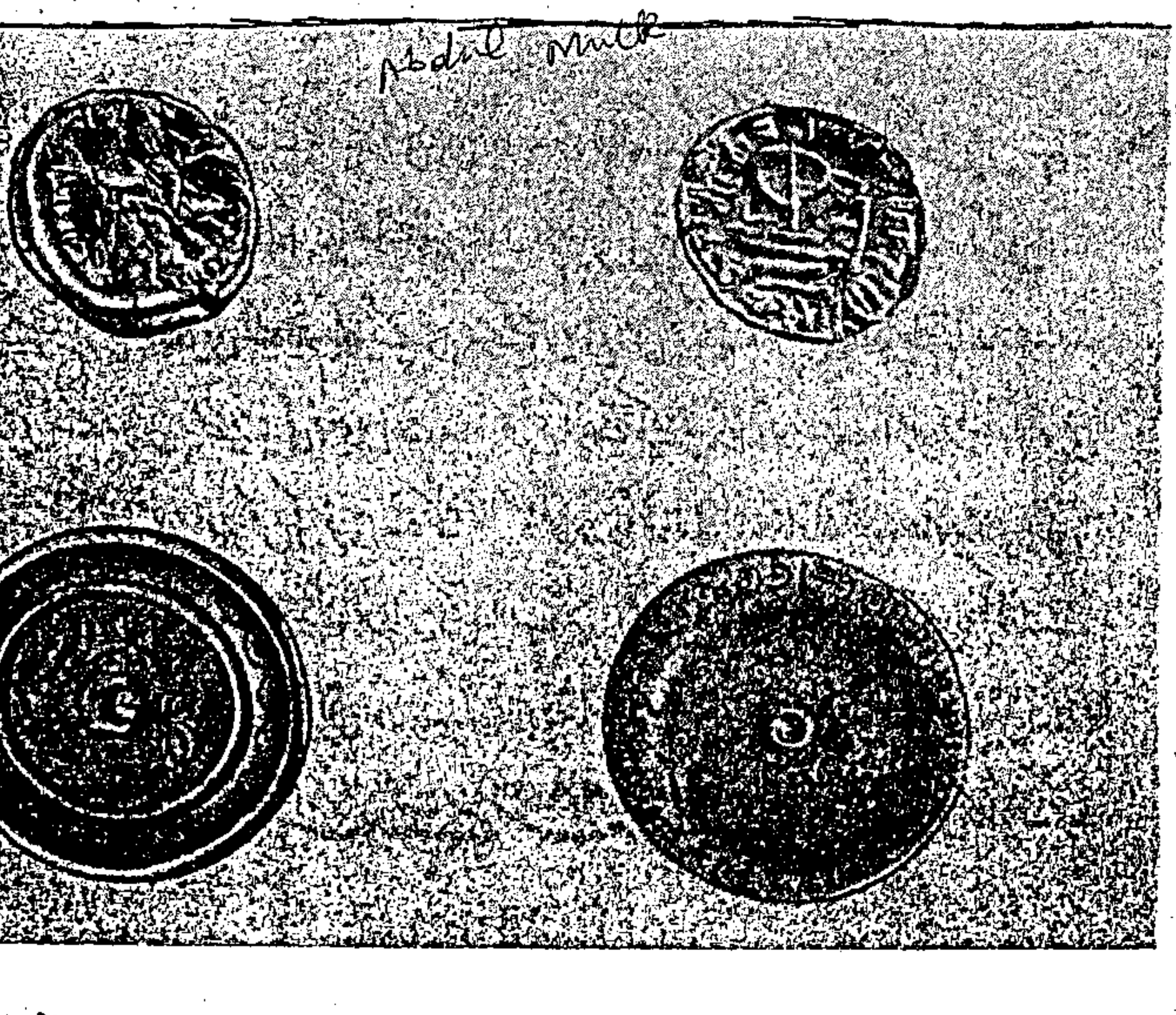

Marfat.com

جھگڑے مٹا کے اپنے خاندان کی بُنیادیں مضبوط کرنے میں صَرف ہوگیا۔ یہ بڑا ہل چل اور شورش کا زمانہ تھا حجاز میں ابنِ زبیرؓ کی حکومت تھی۔ عراق میں خارجی سر اُٹھا رہے تھے۔ دوسرے مقامات پر بھی شورشیں ہو رہی تھیں۔ عبدالملک نے پہلے تو رومیوں سے صُلح کی۔ جو شام کی سرحد پر آئے دن چھاپے مارتے رہتے تھے۔ اِس طرف سے اطمینان نصیب ہُوا۔ تو باغیوں کی طرف متوجّہ ہوا۔ پہلے خارجیوں کا زور توڑا پھر عبداللہؓ بن زبیرؓ پر چڑھائی کی عبدالملک کی فوجوں نے جاتے ہی مکّہ معظمہ کو گھیر لیا۔ عبداللہؓ بن زبیرؓ نے بڑی مردانگی سے لڑ کر جان دی۔ اور سارے عالمِ اسلام پر بنی اُمیّہ کا اقتدار قائم ہوگیا۔

اب عبدالملک نے مرکزی حکومت کے استحکام کی جانب توجّہ کی۔ شام کے لوگ جو شروع سے بنی اُمیّہ کے حامی تھے۔ فوج پر چھائے ہوئے تھے۔ عبدالملک نے نئے سرے سے شامی فوج کو منظّم کر کے اُسے بہت ہی طاقت ور بنا دیا۔ مختلف صُوبوں کے انتظامی معاملات میں بھی بہت سی اصلاحیں کیں۔ اب تک صوبوں میں بہت سے ایسے قاعدے چلے آتے تھے۔ جو ایرانیوں اور رُومیوں کے عہدِ حکومت کی یادگار تھے۔ عبدالملک نے اُنہیں مٹا کے نئے قاعدوں کو رواج دیا۔ اس زمانے تک صُوبوں میں دفتروں کی زبان فارسی اور یونانی تھی۔ مال گزاری۔ زکوٰۃ اور جزیہ وغیرہ کا حساب کتاب انہیں زبانوں میں رکھا جاتا تھا عبدالملک کے عہد میں عربی نے دفتروں پر قبضہ کر لیا۔ اور عربی ساری سلطنت کی دفتری زبان قرار پائی۔ اس کے علاوہ دمشق میں ٹکسال قائم ہوئی۔ اور اُس میں سونے چاندی کے سکّے ڈھلنے لگے۔

عبدالملک اپنی موت سے پہلے ساری سلطنت میں امن قائم کر کے اپنی اولاد کے لئے میدان صاف کر گیا تھا۔ اُس نے اپنے دو بیٹوں یعنی ولید اور سلیمان کو اپنا جانشین نامزد کر کے لوگوں سے اُن کی ولی عہدی کی بیعت لی۔ چنانچہ اُس کی وصیت کے مطابق پہلے ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا۔ اور اُس کے بعد سلیمان بن عبدالملک مسندِ خلافت پر بیٹھا۔

ولید بن عبدالملک۔ (۷۰۵ء سے ۷۱۵ء تک) ولید نے اگرچہ صرف دس برس حکومت کی۔ لیکن اُس کا عہد حکومت بنی اُمیّہ کے اصل عروج و اقبال کا زمانہ ہے۔ ساری سلطنت میں پُوری طرح امن و امان قائم ہو چکا تھا۔ سارے جتھّے ٹوٹ چکے تھے۔ اور کسی میں بنی اُمیّہ کی مخالفت

Marfat.com

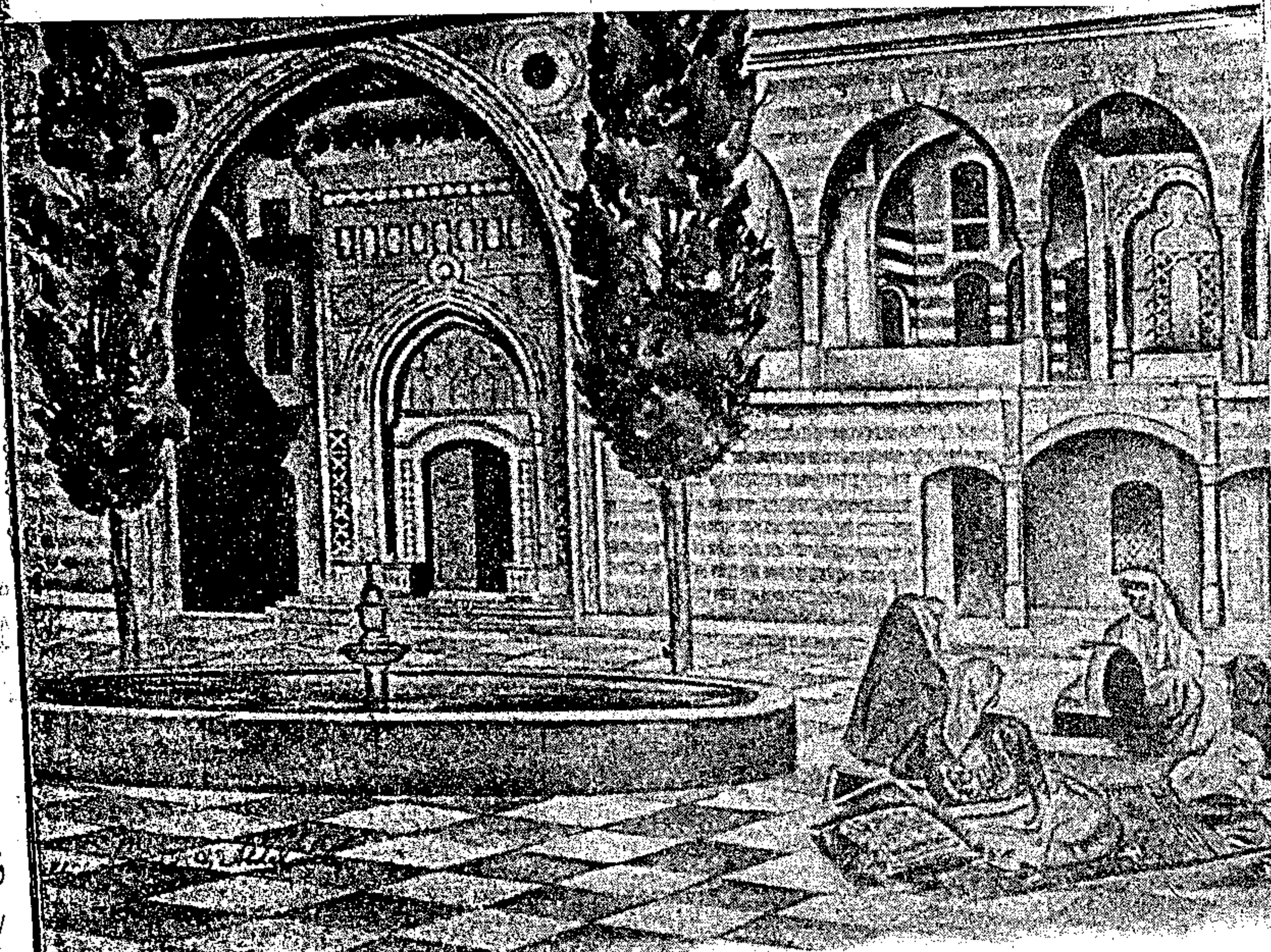

اموی عہد کے ایک محل کا صحن

اموی عہد کے سلیمان بن عبد

کرنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔ البتہ خارجیوں کی وجہ سے چند چھوٹی چھوٹی شورشیں ہوئیں۔ لیکن اُنہیں آسانی سے دبا دِیا گیا۔

ولید کا زمانہ ہر لحاظ سے بڑی ترقّی کا زمانہ ہے۔ اِسی لئے اُس کے دورِ حکومت کو امویوں کی سلطنت کا زرّیں عہد کہتے ہیں۔ اِس زمانے میں ایک نو لوگ بڑے آسُودہ اور خوش حال تھے۔ پھر ایک مِلی جُلی تہذیب نے نشو و نما پائی۔ مُلکی انتظام کو بھی بڑی ترقّی نصیب ہوئی۔ اِس کے علاوہ مشرق اور مغرب میں بہت سے نئے علاقے فتح ہوئے۔ اور چین سے لے کر ہسپانیہ تک مُسلمانوں کا عَلَم لہرانے لگا۔ ولید کو خوش قسمتی سے ایسے نامور سپہ سالار اور نظم و نسق میں مہارت رکھنے والے مشیر ہاتھ آگئے تھے۔ جو دُنیا بھر کی تاریخ میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ مثلاً سندھ اور مُلتان کا فاتح، محمد بن قاسمؒ۔ قُتیبہؒ بن مُسلم باہلی جس نے چین اور ترکستان کو زیر و زبر کیا۔ اور طارقؒ ابن زیاد اور مُوسیٰؒ ابن نُصَیر جنہوں نے افریقہ اور ہسپانیہ میں فتح کا نشان اُڑایا۔ ایسے دلاور ہیں جن کے کارناموں پر

Marfat.com

دُنیا بھر کے مسلمان ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔ حجّاج بن یوسف جو عبدالملک اور ولید دونوں کے عہد میں عراق کا حاکم رہا ہے۔ بڑا عقل مند اور با تدبیر شخص تھا۔ اگرچہ وُہ ظُلم وستم کی وجہ سے بہت بدنام ہے۔ چنانچہ اُس نے جتنا خُون بہایا۔ اُس کے چھینٹوں سے اِن دونوں باپ بیٹوں کی شہُرت کا دامن داغ دار نظر آتا ہے۔ لیکن اِس میں شک نہیں۔ کہ اُس نے بنو اُمیّہ کی حکُومت کو بہت مستحکم کر دیا۔

ولید نظم ونسق کا بڑا سلیقہ رکھتا تھا۔ اور اگرچہ وہ اپنے ماتحتوں سے کام لینے میں بڑی سختی بھی برتتا تھا۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ وہ بڑا فیّاض بھی تھا۔ اُس کی طبیعت کا میلان مذہب کی جانب بھی تھا۔ چنانچہ دینی تعلیم کو عام کرنے کے لئے اُس نے بہت کچُھ کیا۔ اُسے رفاہِ عام کا بھی بڑا خیال رہتا تھا۔ اُس نے بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ کنوئیں کھُدوائے۔ سڑکیں تعمیر کیں۔ نہریں جاری کیں۔ اپاہجوں اور محتاجوں کے وظیفے مقرّر کئے۔ اُس کے عہد میں بہت سی ایسی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ جو فنِ تعمیر کے اعتبار سے بڑی ممتاز اور نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ اُس نے دمشق میں ایک عالیشان مسجد تعمیر کی۔ جو جامعِ اموی کہلاتی ہے۔ اُس کے حُکم سے مسجدِ نبویؐ بھی از سرِ نَو تعمیر کی گئی۔

سلیمان بن عبدالملک۔ (۷۱۵ء سے ۷۱۷ء تک)

عبدالملک وصیّت کر گیا تھا۔ کہ ولید کے بعد سلیمان خلیفہ ہوگا۔ لیکن حکومت قبضے میں آئی۔ تو ولید کی نیّت ڈانوا ڈول ہوگئی اور بھائی کو ولی عہدی سے محروم کر کے بیٹے کو جانشین بنانے کا ارادہ کیا۔ لیکن موت نے مُہلت نہ دی چنانچہ اُس کے بعد عبدالملک کی وصیّت کے مطابق سلیمان خلیفہ ہوا۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ سلیمان بڑا نرم دِل اور فیّاض شخص تھا۔ لیکن وہ درگزر سے کام لینا نہیں جانتا تھا۔ کسی کی طرف سے دِل میں کدورت پیدا ہو جاتی تھی۔ تو مشکل ہی سے دُور ہوتی تھی۔ چنانچہ جن لوگوں نے اُسے خلافت سے محروم کرنے کی کوششوں میں ولید کا ساتھ دیا تھا۔ اُس نے اُن سب سے بدلہ لیا۔ اور محمد بن قاسمؓ، موسیٰؓ اور طارقؓ جیسے نامور سپہ سالار جن کے کارناموں نے ساری دُنیا کو دَنگ کر دیا تھا۔ برطرف کر دیئے گئے۔ قُتیبہؓ کو یہ خبریں ملیں۔ تو اُس نے یہ سوچ کر کہ میری بھی خیر نہیں۔ بغاوت کا ارادہ کیا۔ لیکن اُس کے بعض ماتحت سردار سلیمان کے حامی تھے۔ اِس لئے فوج میں پھُوٹ پڑ گئی۔ اور اِسی ہنگامے میں قُتیبہ مارا گیا۔

Marfat.com

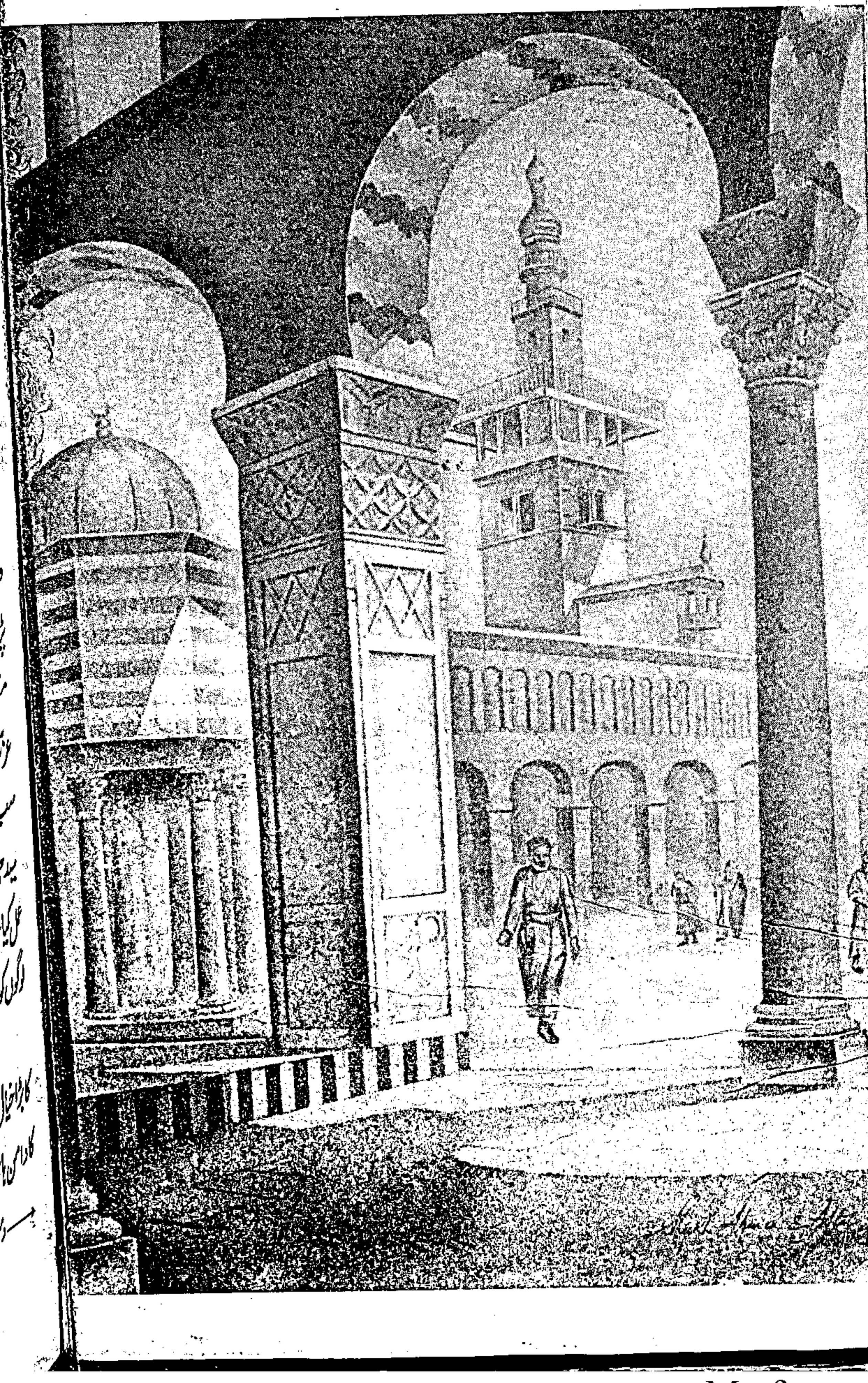

Marfat.com

سلیمان سے جو غلطیاں ہوئی تھیں۔ اُن کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اِدھر خراسان میں شورش ہوئی۔ اُدھر ہسپانیہ میں بدامنی پھیل گئی۔ لیکن اِن بغاوتوں کو دبا دیا گیا۔ سلیمان کے زمانے میں قسطنطنیہ پر بھی چڑھائی ہوئی۔ یہ شہر جو رُومی سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ بُحیرہ رُوم کا پھاٹک سمجھا جاتا تھا۔ اور مُسلمانوں کے دِلوں میں اُسے فتح کرنے کی آرزو مدّت سے تھی۔ سلیمان کی فوجوں نے جاتے ہی اِس شہر کو گھیر لیا۔ محاصرے نے طُول کھینچا۔ اور کچھ عرصے تک اِن فوجوں کو دمشق سے کوئی کمک نہ پہنچی۔ آخر سلیمان نے خود فوج لے کر قسطنطنیہ کا رُخ کیا۔ لیکن راستے ہی میں طبیعت بگڑی۔ اور کچھ روز بیمار رہ کر وفات پائی۔ سلیمان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے۔ کہ اُس نے اپنے بھائی یا بیٹے کو ولی عہد نامزد کرنے کے بجائے عمر بن عبدالعزیزؒ کو اپنا جانشین بنایا۔

عُمر بن عبدالعزیزؒ۔ (۷۱۷ء سے ۷۱۹ء تک)

عُمر بن عبدالعزیزؒ کے والد عبدالعزیز عبدالملک کے بھائی تھے۔ اور ان کی والدہ حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھیں۔ اُن پر نانہال کا بڑا اثر پڑا تھا۔ چنانچہ وہ عادات و خصائل میں حضرت خلیفہ ثانیؓ سے بہت مِلتے جُلتے ہیں۔ عزّت و احترام کا جو اُونچا مقام انہیں نصیب ہوا۔ خلفائے بنی اُمیّہ میں اور کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔ چنانچہ آج بھی لوگ اُن کا نام بڑی عزّت سے لیتے ہیں۔ شروع شروع میں وہ بڑے عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور اپنے زمانے کے سب سے زیادہ خوش لباس شخص سمجھے جاتے تھے۔ لیکن خلیفہ مقرّر ہوتے ہی اُن کا انداز بالکل بدل گیا۔ یعنی بڑی سیدھی سادی زندگی اختیار کر لی۔ مُلکی انتظام کے جن قاعدوں اور اصُولوں پر خلفائے راشدین کے زمانے میں عمل کیا جاتا تھا۔ خلفائے بنو اُمیّہ نے اُن پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اُنہیں پھر رواج دیا اور لوگوں کو ایسا معلوم ہوا۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ کا مبارک زمانہ پلٹ آیا ہے۔

عُمر بن عبدالعزیزؒ بڑے نیک اور پارسا بزرگ تھے۔ اُن میں ظاہرداری بالکل نہیں تھی۔ عدل و انصاف کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ سچّائی کے راستے سے ذرا بھر اِدھر اُدھر نہیں ہوتے تھے۔ اور کسی حالت میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھُوٹنے نہیں پاتا تھا۔ اِس کے ساتھ ساتھ وُہ جس قسم کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُس پر غور

← دمشق کی جامع مسجد جسے ولید بن عبدالملک نے تعمیر کیا تھا۔

Marfat.com

کرو۔ تو اُس میں بدوؤں کی سی سادگی نظر آتی ہے ٭

ایک واقعہ سُنو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کی خلافت کا انداز کیا تھا۔ اور اُنہیں اپنی ذمّہ داریوں کا کتنا خیال رہتا تھا۔ ایک رات کو عشا کی نماز پڑھ کے دُعا مانگنے کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ تو جی بھر آیا اور پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگے۔ بیوی نے رونے کی وجہ پوچھی۔ کہنے لگے "فاطمہ! مجھے مسلمانوں اور غیر مُسلم ذمّیوں کا حاکم بنا دیا گیا ہے۔ میری حکومت میں ایسے لوگ بھی ہیں۔ جنہیں پیٹ بھرنے کو روٹی میسّر نہیں۔ اور ایسے بھی جنہیں تن ڈھانکنے کو کپڑا نہیں جُڑتا۔ پھر کوئی بیمار اپنے بستر پر پڑا کراہ رہا ہے۔ لیکن اُس کے پاس علاج کے لئے پیسے نہیں۔ کسی مظلوم پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اور کوئی نہیں جو اُس کی مدد کرے۔ کوئی بے وطن قید خانے میں بیٹھا اپنے بیوی بچوں کو یاد کر رہا ہے۔ اور کوئی سفید ریش بُوڑھا اِس خیال سے بیکل ہے۔ کہ کوئی اُسے سہارا دینے والا نہیں۔ پھر ایسے لوگ بھی ہیں۔ جن کا کُنبہ بڑا ہے اور آمدنی کم۔ اِس لئے بڑی مشکل سے گُزر ہوتی ہے۔ غرض اِس قسم کے مصیبت زدہ کثرت سے ہیں۔ جو مختلف مُلکوں اور صُوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن جب خدا مجھ سے سوال کرے گا۔ کہ تم نے اِن لوگوں کے لئے کیا کیا۔ تو مَیں کیا جواب دُوں گا؟"

عمر بن عبد العزیزؒ نے خلیفہ بننے کے بعد عیش و آرام اور شوکت و تجمّل کے سارے سامانوں سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اپنے گُزارے کے لئے ولید کے زمانے میں جو جاگیر ملی تھی۔ اُس سے بھی دست بردار ہو گئے۔ ساری جمع جتھا حتّٰی کہ بیوی کا سارا زیور بھی بیت المال میں داخل کر دیا۔ وہ اپنے گُزارے کے لئے روزانہ دو درہم یعنی ہمارے مُلک کے حساب سے کوئی سات آنے بیت المال سے لیتے تھے۔ انہیں میں سارے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ اگلے خلیفوں کے زمانے میں لوگوں کی جو جائدادیں اور زمینیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ وہ واگزار کر دی گئیں۔ بد دیانت اہل کاروں نے جن زمینوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اُنہیں ضبط کر لیا گیا۔ جو جو محصول خلاف شریعت تھے۔ وہ اُڑا دیئے گئے٭

ہشام بن عبد الملک (**۷۲۳ء سے ۷۴۳ء تک**) عمر بن عبد العزیزؒ کے بعد عبد الملک کا ایک اور بیٹا یزید ثانی خلیفہ مقرر ہوا۔ وہ بڑا آرام طلب شخص تھا۔ اس لئے حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ جا بجا شورشیں ہونے لگیں۔ اس نے چار سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔ اور اس کے بھائی ہشام نے حکومت سنبھالی۔ خلفائے بنو اُمیّہ

ہیں ہشام بن عبدالملک آخری خلیفہ ہے۔ جو پُوری طرح حکمرانی کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اِس کے بعد جو لوگ مسندِ حکومت پر بیٹھے۔ اُن میں انتظام کا سلیقہ نہیں تھا۔ ہشام میں امیر معاویہؓ کے حِلم اور دُور اندیشی کے ساتھ ساتھ عبدالملک کا تدبّر اور انتظامی قابلیت بھی موجود تھی۔ چنانچہ اُس نے اپنی دانائی اور عقلمندی کی وجہ سے سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچائے رکھّا۔ ہشام کے عہدِ حکومت میں بڑے بڑے ہنگامے ہوئے۔ خراسان کے لوگوں نے بغاوت کردی۔ خارجی بار بار بڑے زور سے اُٹھے۔ ترکمان، تاتاری اور بحیرہ خزر کے آس پاس کے قبیلوں نے چڑھائی کردی۔ ادھر افریقہ میں بربریوں نے عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ لیکن ہشام نے سارے سرکشوں کو نیچا دکھا کے پوری سلطنت میں امن قائم کردیا۔ رُومی اِن شورشوں سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ لیکن ہشام نے اُنہیں بھی روکے رکھا۔ اِس کے علاوہ شمالی ہسپانیہ، اور فرانس میں بھی اسلامی فوجوں نے پیش قدمی کی۔ سِسلی اور سارڈینیا پر بھی چڑھائی ہوئی۔ لیکن فرانس میں مُسلمانوں نے آپس کی نااِتفاقی کے باعث شکست کھائی۔ جس کی وجہ سے یورپ میں اُن کی پیش قدمی رُک گئی۔ غرض ہشام کے زمانے میں بغاوتوں کا زور بھی بندھا رہا۔ نئے علاقے بھی فتح ہوئے۔ اور اسلامی سلطنت کو اِتنی وسعت نصیب ہوئی۔ کہ اِس سے پہلے نصیب نہ ہوئی تھی۔ لیکن سچ پوچھو۔ تو سلطنت کی جڑیں آہستہ آہستہ برابر کھوکھلی ہوتی چلی جارہی تھیں۔ اور حکومت میں زوال کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

امویوں کی حکومت کا زوال ۔ ہشام کی وفات کے بعد بنی اُمیّہ کی حکومت بڑی تیزی سے کمزور ہوتی چلی گئی۔ ایک طرف خارجی بار بار اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ دوسری طرف حضرت علیؓ کے خاندان کے حامی جابجا زور پکڑ رہے تھے۔ ہشام کے بعد اُس کے خاندان کے چار آدمی یکے بعد دیگرے تختِ سلطنت پر بیٹھے۔ لیکن اُن میں سے کسی میں ہمّت نہیں تھی۔ کہ سلطنت کو سنبھال سکتا۔ چنانچہ اُس کی وفات کو ابھی سال بھر کا عرصہ بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ بعض علاقوں سے امویوں کی عملداری اُٹھ گئی۔ اور تو اور شام میں، جو بنی اُمیّہ کی طاقت کا مرکز تھا۔ بڑے زور کی بغاوت ہوئی۔ ۷۴۴ء میں عبدالملک کا پوتا مروان ثانی خلیفہ ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ وُہ بڑا لائق اور باہمّت شخص تھا۔ لیکن جب اُس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ تو حالت بہت خراب ہوچکی تھی اور وہ خود بھی بُڈّھا ہوچکا تھا۔ چنانچہ اُسی پر بنی اُمیّہ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

حضرت علیؓ کے خاندان کے لوگوں نے کبھی دِل سے بنی اُمیّہ کی اطاعت نہیں کی تھی۔ کیونکہ وہ امویوں

Marfat.com

کو غاصب سمجھتے تھے۔ اگرچہ نہ تو اُن کے پاس اتنی طاقت تھی۔ کہ حکومت پر قبضہ کر لیتے۔ نہ اُنہوں نے خلافت کا دعوے ہی کیا۔ بلکہ چُپ چاپ بیٹھے رہے۔ تاہم اُن کے حامی جا بجا موجود تھے۔ جو اُنہیں خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ اور اُن کی حمایت میں جانیں لڑا دینے پر آمادہ تھے۔ عراق میں جہاں امام حسینؑ شہید ہوئے تھے۔ اُن کے طرفداروں کی کثرت تھی۔ عراق سے مشرق کی طرف ایران کا علاقہ ہے۔ نو مُسلم ایرانیوں سے بنی اُمیّہ نے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ اِس لئے وہ اُن کے مخالف تھے۔ اور سادات کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے ٭

کچھ عرصے کے بعد ایک اور جماعت نے جو بنو عبّاس کی طرفدار تھی۔ لوگوں کو بنو اُمیّہ کی مخالفت پر اُبھارنا شروع کیا۔ یہ تمہیں معلوم ہے۔ کہ رسول خداؐ کے چچا حضرت عبّاسؓ بن عبد المطّلب کی اولاد بنو عبّاس یا عبّاسی کہلاتی تھی۔ یہ لوگ کہتے تھے۔ کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد امامت اُن کے صاحبزادے امام زین العابدینؑ کے حصّے میں نہیں آئی۔ بلکہ اصل میں محمد بن حنفیہؓ جو حضرت علیؑ کے فرزند اور امام حسینؑ کے سوتیلے بھائی تھے۔ امام مقرّر ہوئے تھے۔ اُن کی وفات پر امامت اُن کے بیٹے ابو الہاشم کو ملی۔ اُن کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اِس لئے وہ انتقال سے پہلے حضرت عبّاسؓ کے خاندان کے ایک شخص محمدؓ بن علیؓ بن عبد اللہؓ بن عبّاسؓ کو امام مقرّر کر گئے۔ چنانچہ بنو عبّاس خلافت کے مستحق ہیں ٭

محمدؓ بن علیؓ بن عبد اللہؓ بن عبّاسؓ بڑے عقل مند شخص تھے۔ اُنہوں نے جب دیکھا۔ کہ لوگ خاندانِ رسالت کے طرفدار ہیں۔ تو بنی اُمیّہ کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ چنانچہ اُنہوں نے کچھ آدمیوں کو اِس کام پر مقرّر کیا۔ کہ وہ عراق اور خراسان میں گھوم کر اہلِ بیت کی خلافت کی بیعت لیں۔ خراسان میں ابو مسلم ان کا خُفیہ کارندہ تھا۔ جو لوگوں کو اُن کی حمایت پر اُبھارتا رہتا تھا۔ محمدؓ بن علیؓ اپنی موت سے پہلے یہ وصیّت کر گئے تھے۔ کہ اُن کے بعد اُن کے تین بیٹے ابراہیمؓ، ابو العبّاسؓ، اور ابو جعفر یکے بعد دیگرے اُن کے جانشین ہوں گے ٭

ابو مسلم بڑا منتظم اور لائق شخص تھا۔ چنانچہ اُس نے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ ہشّام کی وفات کے بعد اس کا کام زیادہ آسان ہو گیا۔ کیونکہ ہشّام کے بعد ولید ثانی، یزید ثالث، اور ابراہیم یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے۔ اور صرف تھوڑی مدّت خلافت کی۔ یہ تینوں بڑے کمزور حکمران تھے۔ اِس لئے اِن دِنوں ابو مسلم کو اپنے مقصد میں بڑی کامیابی ہوئی۔ چنانچہ ۷۴۴ء میں خلیفہ کا اقتدار صرف دمشق اور اُس کے آس پاس کے

Marfat.com

علاقے تک محدود ہو کر رہ گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اِس خاندان کا آخری خلیفہ مروان بڑا لائق شخص تھا۔ لیکن ایک تو وہ بے حد ضدی تھا۔ دوسرے لوگوں سے اُس کا سلوک بھی اچھا نہیں تھا۔ اُس کی اِن کمزوریوں کی وجہ سے مخالفوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور انہوں نے بنو اُمیّہ کی حکومت کو مٹانے کا تہیّہ کر لیا +

خلافت بنی اُمیّہ کا خاتمہ۔ (۷۵۰ء)

ابو مسلم نے ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی تھی جو پوری طرح سامانِ جنگ سے آراستہ تھی۔ اِس فوج کے جھنڈے سیاہ تھے۔ کیونکہ سیاہ رنگ ماتم کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ آگے چل کے یہی رنگ عبّاسیوں کا شعار قرار پایا۔ پہلے عراق اور خراسان کے والی ابو مسلم سے شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے پھر عبّاسیوں کی فوج کوفہ کی طرف بڑھی۔ یہ شہر بھی آسانی سے قبضے میں آ گیا۔ ابراہیم کو مروان نے قتل کروا ڈالا تھا۔ اِس لئے محمد بن علی کے منجھلے بیٹے ابو العباس عبداللہ کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔ اب مروان دمشق سے ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں کا لشکر لے چلا۔ جنوری ۷۵۰ء میں دریائے زاب کے کنارے بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ جو اپنے نتائج کے لحاظ سے تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی +

مروان نے شکست کھائی۔ اور بھاگ کر مصر چلا گیا۔ لیکن دشمنوں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر فسطاط میں لڑ کر مارا گیا۔ بنو اُمیّہ کی خلافت امیر معاویہ رضؓ سے شروع ہوئی۔ اور مروان پر ختم ہو گئی۔ اِس خاندان نے کوئی نوّے برس حکومت کی +

Marfat.com

۔۔۔ اُمیّہ کے مخالف تھے؟ اور اس کا

۔۔۔ بنو اُمیّہ کس طرح ختم ہوئی؟ اُن کے خاتمے ۔۔۔ ب کیا۔

۹۔ تمہارے نزدیک خلفائے بنی اُمیّہ میں سے کس نے زیادہ اسلام کی خدمت کی۔ ۔۔۔ مسئلہ پر تفصیل سے بحث کرو۔

عہدِ بنی اُمیّہ کی فتوحات

رُومیوں سے لڑائیاں۔ بنو اُمیّہ کے زمانے میں رومیوں سے جو لڑائیاں ہوئیں اُن کا انداز خلفائے راشدین رض کے زمانے کی لڑائیوں سے کسی قدر مختلف تھا۔ اِس زمانے میں مسلمانوں نے ایک طاقت ور جنگی بیڑا بنا لیا تھا جس نے اِن معرکوں میں بڑا حصّہ لیا۔ دراصل جن دِنوں امیر معاویہ رض صرف شام کے حاکم تھے۔ رومیوں سے اُن کی ایک سمندری لڑائی ہو چکی تھی۔ جس میں مسلمانوں نے دشمن پر فتح پائی تھی۔ یہ لڑائی جو ۶۵۵ء میں یعنی حضرت عثمان رض کی خلافت کے آخری زمانے میں ہوئی تھی۔ مُسلمانوں کی پہلی سمندری لڑائی ہے۔ اور "مستولوں کی لڑائی" کہلاتی ہے۔ اگرچہ امیر معاویہ رض نے خلیفہ بننے کے بعد رومی شہنشاہ قسطنطین چہارم سے عارضی طور پر صُلح کر لی تھی لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب اُنھیں اندرونی جھگڑوں سے نجات مِلی۔ تو اُنھوں نے اپنے سمندری بیڑے کو مستحکم بنانے کی طرف توجّہ کی۔ جب وہ ساز و سامان سے پُوری طرح آراستہ ہو چکا تو قسطنطُنیہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔

امیر معاویہ رض نے اِس مہم کی کمان اپنے بیٹے یزید کے سپُرد کی۔ اور اُس نے ۶۶۹ء میں قسطنطُنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن چند مہینوں کے بعد اُسے واپس بُلا لیا گیا۔ اِس کے بعد امیر معاویہ رض نے قسطنطُنیہ پر حملہ نہیں کیا۔ البتہ رُومیوں سے برابر سمندری لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اور اکثر معرکوں میں مسلمانوں ہی کا پلّہ بھاری رہا۔ ۶۷۲ء سے ۶۷۷ء تک مُسلمانوں کے جہاز بحیرہ مارمورا اور آبنائے باسفورس پر چھاپے مارتے رہے۔ چنانچہ مسلمان امیر البحر جنادہ بن اُمیّہ نے روڈس کے جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ارواد اور کریٹ کے ٹاپوؤں میں بھی فوجیں اُتار دیں۔

Marfat.com

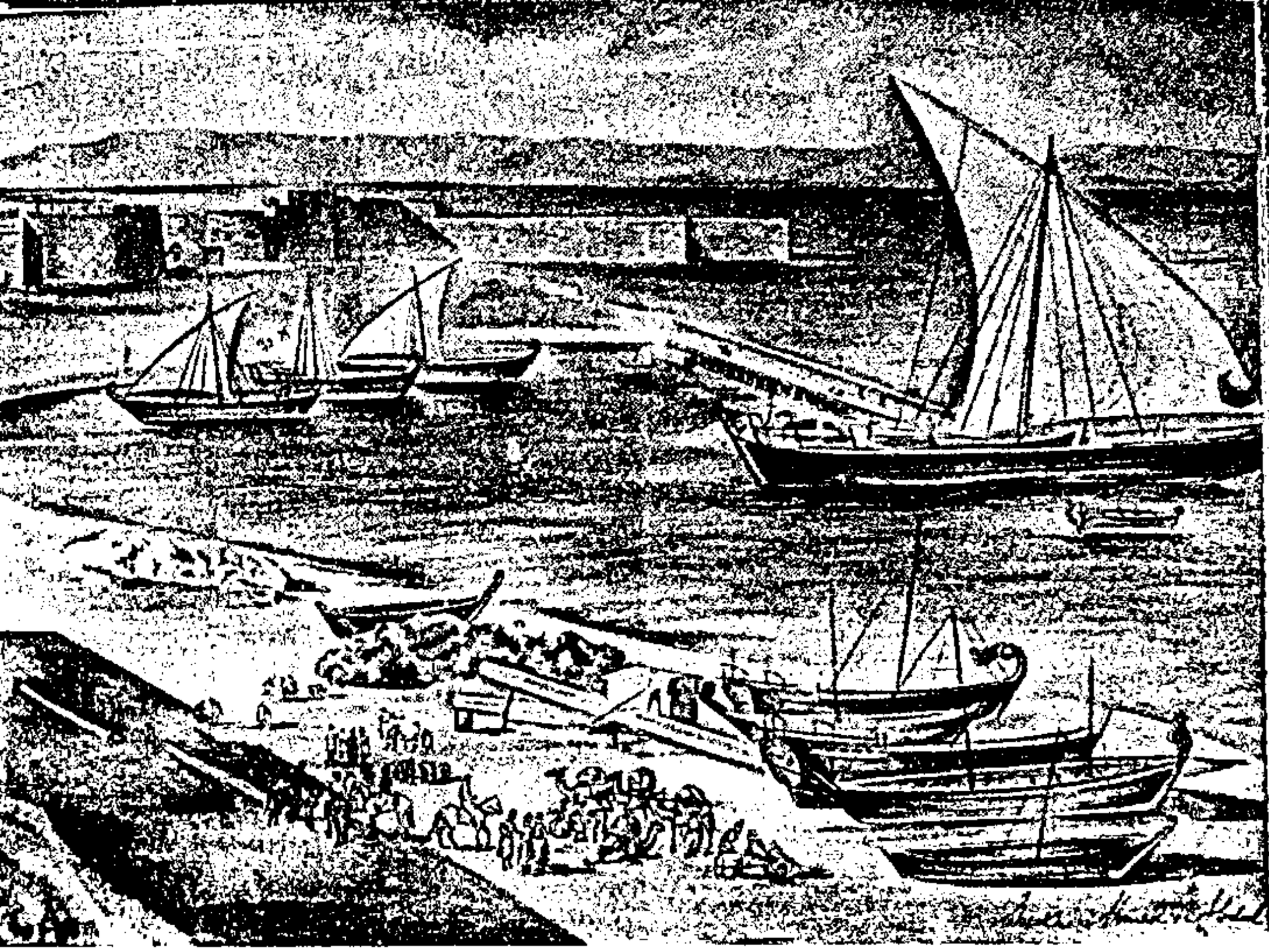

خلفائے بنی امیہ سمندری طاقت کی اہمیت سے واقف تھے چنانچہ ان کا سمندری بیڑا بڑا طاقت ور تھا

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد خشکی کے راستے رُومیوں کے علاقے پر حملے ہونے لگے۔ عبدالملک نے ایشیائے کوچک کے بعض بڑے بڑے حصّوں پر قبضہ کر لیا۔ ولید کا شجاع بھائی مسلمہ بن عبدالملک جو اپنے زمانے کا مشہور سپہ سالار تھا۔ رُومیوں کو قدم قدم پر شکست دیتا ہوا بڑھا۔ چنانچہ ایشیائے کوچک کا صرف ساحلی علاقہ اُن کے قبضے میں رہ گیا۔ مسلمانوں کے سمندری بیڑے نے افریقہ کے گورنر موسیٰ کی ماتحتی میں بحیرہ رُوم کے تین جزیروں منورقہ، مجورقہ، اور البینہ پر قبضہ کر لیا۔

سلیمان کے عہدِ خلافت میں پھر قسطنطنیہ پر بھی بڑے زور سے چڑھائی ہوئی۔ اب کے پھر مسلمہ بن عبدالملک کو سپہ سالار بنایا گیا۔ اُس نے سمندر اور خشکی دونوں طرف سے حملہ کیا۔ دروازوں کو توڑ کے شہر کے اندر پہنچنے کی کئی تدبیریں کی گئیں۔ نفت اور خاص قسم کے قلعہ شکن آلات سے کام لیا گیا۔

اِس محاصرے نے رُومیوں کو بڑا زِچ کیا۔ اور اُن میں سراسیمگی پھیل گئی۔ اُنہوں نے بہتیرا چاہا۔ کہ مُسلمان

Marfat.com

کچھ روپیہ لے کے محاصرہ اُٹھالیں لیکن مسلمان کسی طرح محاصرہ اُٹھانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں کی فوج میں رسد تھوڑ گئی۔ پھر یکایک خلیفہ کے انتقال کی خبر آئی۔ جس کی وجہ سے لوگ اور بددِل ہوگئے۔ مگر مسلمہ اپنی دُھن کا پکّا تھا۔ اُس نے محاصرہ نہ اُٹھایا۔ لیکن نئے خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کو فتوحات کے بجائے سلطنت کے استحکام اور رعایا کی بہبودی کا خیال تھا۔ مسلمہ قسطنطنیہ کی دیواروں تلے ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ کہ دفعتہً دربار خلافت سے طلبی کا پروانہ آیا۔ مجبُور ہو کے واپسی کا قصد کیا۔ اس طرح قسطنطنیہ کی فتح سینکڑوں برس پر جا پڑی ٭

وسط ایشیا کی فتوحات۔ (۷۰۴ء سے ۷۱۵ء تک) شام، عراق، ایران، مصر کی فتح کو جو خلفائے راشدین کے مُبارک عہد کا کارنامہ ہے۔ اسلامی فتوحات کا پہلا دَور سمجھنا چاہیئے۔ دوسرا دَور عبدالملک اور اُس کے نامور بیٹے ولید کے زمانے میں شروع ہوا۔ اِس دَور میں اِدھر مشرق اور اُدھر مغرب میں بڑی عظیم الشّان فتوحات ہوئیں جِس کا سہرا اُس زمانے کے سب سے بڑے سپہ سالاروں، یعنی قتیبہؓ ابن مسلم، طارق ابن زیاد، موسیٰ بن نُصیر اور محمد بن قاسم کے سر ہے ٭

اُس زمانے میں مشرقی صوبوں کا والی حجّاج بن یوسف تھا۔ جو بنی اُمیّہ کے حامیوں میں سرگرمی اور مُستعدی کے لحاظ سے پیش پیش نظر آتا ہے۔ اُس کا صدر مقام عراق کا ایک شہر واسط تھا۔ یہاں بیٹھ کر وُہ رات دِن بنو اُمیّہ کی سلطنت کو مستحکم کرنے کی تدبیروں میں مصروف رہتا تھا۔ اُس کی کوششوں سے حجاز اور عراق میں جو لوگ بغاوت کے منصوبے باندھتے رہتے تھے۔ وہ سب دب کر رہ گئے۔ اور اِن صُوبوں میں بالکل امن وامان ہوگیا۔ کرمان، فارس اور خراسان میں خارجیوں نے بار بار بغاوتیں کیں۔ لیکن حجّاج نے اُنہیں بالکل کچل ڈالا۔ سیستان اور کابل میں شورشیں ہوئیں۔ جنہیں سختی سے دبا دیا گیا۔ حجّاج اگرچہ بڑا ظالم شخص تھا لیکن مفتوحہ علاقوں کے لوگوں سے اُس کا سلوک بُرا نہیں تھا ٭

ولید بن عبدالملک کے عہد کا سب سے نامور سپہ سالار قتیبہ ابن مسلم باہلی تھا۔ دریائے جیحوں کے شمال میں جو علاقہ ہے۔ وہاں سُغدی آباد تھے۔ اُنہوں نے بغاوت کر دی۔ قتیبہ نے کئی حملے کیئے اور اُنہیں سخت شکستیں دیں۔ دس برس کی مسلسل معرکہ آرائیوں کے بعد اُس نے کاشغر تک سارے وسطِ ایشیا کو فتح کر لیا۔

فغفورِ چین کا ایلچی تُرکستان کے فاتح قتیبہ ابن مُسلم کی خدمت میں

کاشغر کا شہر ۷۱۵ء میں فتح ہوا۔ اور اس کی فتح نے مُسلمانوں کو چین کی سرحد تک پہنچا دیا۔ اس وقت بظاہر تو یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ چین سے جنگ ضرور ہو کے رہے گی۔ لیکن خاقانِ چین یعنی چین کے شہنشاہ نے اِس موقع پر بڑی عقل مندی سے کام لیا۔ یعنی قتیبہ کے پاس اپنا ایلچی بھیجا۔ جس نے شہنشاہ کا خط اور تحائف پیش کیے۔ اور مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب چین کی سرحد تک پہنچ کر رُک گیا ؛

کچھ عرصے کے بعد اس علاقے میں بغاوت ہوئی۔ لیکن عراق کے والی خالد القسری اور اس کے بھائی اسد القسری نے جو خراسان کا حاکم تھا۔ پھر یہاں تسلّط قائم کر لیا۔ اسد القسری تو بڑھتا ہوا چین کے علاقے میں جا گھسا خاقان چین مقابلے پر آیا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگا۔ اور راستے میں مارا گیا ؛

بنو اُمیّہ کی حکومت کے آخری زمانے میں دریائے سیحوں کے پار کے علاقے پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

Marfat.com

شاش کا شہر جسے آج کل تاشقند کہتے ہیں گھیر لیا گیا۔ شہر والوں نے اپنے آپ میں مقابلے کی ہمّت نہ پائی۔ تو مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ اب وسط ایشیا میں مسلمانوں کے قدم اچھی طرح جم گئے۔ اور اموی سلطنت کی شمالی سرحد کاشغر اور تاشقند تک پھیل گئی ٭

آذربائیجان اور آرمینیا کی فتوحات (۷۲۷ء سے ۷۳۱ء تک)

اِدھر ترکمانوں اور سُغدیوں سے لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ اُدھر گرجستان، آذربائیجان اور شمالی ایران میں کچھ قبیلوں نے بڑی آفت مچا رکھی تھی۔ ہشّام بن عبدالملک کی خلافت کے زمانے میں آذربائیجان کے کُرد قبیلوں نے بغاوت کر دی۔ لیکن خلیفہ کے بھائی مسلمہ بن عبدالملک نے اُنہیں شکست دے کر پسپا کر دیا۔ چار برس کے بعد ایک اور قبیلہ بُجیرہ خزر کے آس پاس کے علاقے سے اُٹھا۔ اور آرمینیا سے موصل تک چھا گیا۔ مسلمہ نے ان لوگوں کو بھی مار ہٹایا۔ چنانچہ وہ بھاگ کے اپنے کوہستانی قلعوں میں جا چھُپے ٭

بلوچستان، سندھ اور ملتان

تمہیں یہ معلوم ہے۔ کہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اسلامی سلطنت پھیلتی ہوئی، ہندوستان کی سرحد تک آ پہنچی تھی۔ آگے چل کے سندھ کے حاکموں اور بلوچستان کے قبیلوں کے ساتھ مسلمانوں کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے دشمنوں کی حمایت کرتے رہے تھے۔ بلکہ اُن کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑ بھی چکے تھے۔ اِن کے علاوہ اسلامی حکومت کے باغیوں کو بھی اِن لوگوں کے ہاں آسانی سے پناہ مِل جاتی تھی۔ شروع شروع میں اِن سرکشوں کو نیچا دکھانے کی جو کوششیں ہوئیں اُن کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ پھر امیر معاویہؓ نے ان کی سرکوبی کے لئے کابل اور مکران کے راستے فوج بھیجی۔ قلات کا علاقہ جو اس زمانے میں کیکان کہلاتا تھا۔ مسلمانوں کے قبضے میں آیا۔ چند اور مقامات بھی فتح ہوئے ٭

تقریباً پچیس برس کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا۔ جس کی وجہ سے سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اُن دنوں سیلون میں بعض مسلمان تجارت کے لئے آئے تھے۔ اُن میں سے بعض کا انتقال ہو گیا۔ تو سیلون کے فرمانروا نے اُن کے بال بچے کو جہاز میں بٹھا کے حجّاج بن یوسف کے پاس بھیج دیا۔ اِس جہاز میں خلیفہ کے لئے کچھ تحائف بھی تھے۔ دیبل کی بندرگاہ کے قریب اُسے سِندھی ڈاکوؤں نے لُوٹ لیا۔ حجّاج کو خبر ملی۔ تو اُس

محمد ابن قاسمؒ سندھ کے لوگوں سے رخصت ہو رہا ہے ←

Marfat.com

Marfat.com

نے راجہ داہر کو لکھا۔ کہ ہمارے آدمیوں کو ہمارے پاس بھیج دو۔ اور اُن کا جو نقصان ہوا ہے۔ اُس کا معاوضہ ادا کرو۔ راجہ داہر نے حجّاج کے ایلچیوں کو اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ٹال دیا۔ حجّاج نے سندھ پر حملہ کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے دو چھوٹی چھوٹی فوجیں بھیجیں۔ اُنہیں ناکامی ہوئی۔ تو ۷۱۱ء میں اُس نے اپنے داماد محمد بن قاسم کو جس کی عُمر صِرف ستّرہ ۱۷ برس کی تھی۔ چھ ہزار شامی سپاہیوں کے ساتھ حملہ کرنے بھیجا۔ اِس فوج کے ساتھ جہازوں کا ایک چھوٹا سا بیڑہ بھی تھا۔ محمد بن قاسم نے آتے ہی دیبل کو گھیر لیا۔ سندھی جی توڑ کر لڑے لیکن شکست کھائی۔ اور دیبل پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اب محمد بن قاسم سندھ کے اندرونی حصّے کی طرف بڑھا۔ نیرون اور سیہوان کے شہر بڑی آسانی سے ہاتھ آگئے۔ یہاں سے اُس نے مُلک کے صدر مقام کا رُخ کیا۔ دریائے سندھ کے کنارے ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں راجہ داہر مارا گیا۔ اور مُسلمانوں نے آگے بڑھ کے برہمن آباد اور اور ملتان پر قبضہ کر لیا۔ اِس طرح تین برس کے اندر سارے سندھ پر مُسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی ۔

کیسا بلانکا کا فاتح عقبہؓ ابن نافع بحرِ اوقیانوس کے کنارے

Marfat.com

حجاج بن یوسف کی آرزو تھی۔ کہ ہندوستان کے باقی حصے بھی محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہوں۔ اور ادھر سے فارغ ہو کے مسلمان شہسوار باگیں اُٹھائیں۔ اور چین کو فتح کرتے چلے جائیں۔ لیکن موت نے یہ منصوبے پورے کرنے کی مُہلت نہ دی۔ اُس کی وفات سے کچھ عرصے کے بعد ولید بن عبد الملک کا بھی انتقال ہو گیا۔ محمد بن قاسم ملتان سے آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ کہ سلیمان بن عبد الملک کی طرف سے طلبی کا حکم پہنچا۔ نیا خلیفہ حجّاج بن یوسف اور اُس کے خاندان کا دُشمن تھا۔ اُس نے محمد بن قاسمؒ کو واسط میں قید کر دیا۔ اور قید خانے ہی میں اُس کا انتقال ہو گیا +

محمد بن قاسمؒ نے ہندوؤں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ انہیں بڑے بڑے عہدے دیئے۔ بلکہ قریب قریب سارا مُلکی انتظام اُنہیں کے قبضے میں رہا۔ کاری گروں اور کسانوں کو اپنی حالت درست کرنے کے لئے روپے دیئے۔ جو مندر ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ اُن کی مرمّت کرائی۔ چنانچہ اُس کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد بھی سندھ اور مُلتان کے لوگ مدّت تک اُسے یاد کرتے رہے۔ اور ایک شہر میں تو ہندؤں نے اُس کا بُت بنا کے مندر میں رکھ دیا تھا۔ جس کی پوجا مدّت تک ہوتی رہی +

شمالی افریقہ، ہسپانیہ اور جنوبی فرانس کی فتوحات ۔ خلفائے راشدینؓ کے عہدِ حکومت میں مصر اور لیبیا فتح ہو چکے تھے۔ اور شمالی افریقہ میں اسلامی حکومت برقہ تک پھیل گئی تھی۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں عقبہ بن نافع شمالی افریقہ کے اسلامی مقبوضات کے حاکم تھے۔ اُنہوں نے طرابلس پر قبضہ کر کے سرکش بربری قبیلوں کو نیچا دکھایا۔ پھر ۶۷۰ء میں قیروان کا شہر آباد کیا۔ اور اُسے اپنا صدر مقام قرار دے کر کارتھیج کے رُومی حاکموں اور بربریوں سے کئی لڑائیاں لڑیں۔ پھر الجزائر پر فتح کا نشان لہرایا۔ اور بحر اطلانتک کے کنارے جا پہنچے۔ آگے ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ اور سمندر کی موجیں مسلمانوں کے قدموں میں لوٹ رہی تھیں۔ عقبہؓ نے جوشِ شجاعت میں گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا۔" الٰہی اگر سمندر میرا راستہ نہ روک لیتا۔ تو جہاں تک زمین ملتی۔ تیرا نام بلند کرتا چلا جاتا "+

۶۹۸ء میں حسّان بن نعمان نے جو اُن دِنوں شمالی افریقہ کا والی تھا۔ کارتھیج اور دوسرے ساحلی شہروں سے رُومیوں کو نکال دیا۔ ان دنوں بربریوں نے ایک عورت کو جو کاہنہ کہلاتی تھی۔ اپنی ملکہ بنا لیا تھا۔ یہ

Marfat.com

طارقؓ ابن زیاد نے جہازوں کو آگ لگادی۔ اور پھر پکار کر کہا "مسلمانو! تمہارے سامنے دشمن کی فوجیں ہیں۔ اور پیچھے سمندر کی موجیں۔ پیچھے لوگ اُسے غیب دان سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ کہ اُسے مستقبل کا حال بھی معلوم ہے۔ حسّانؓ نے بربریوں کو سخت شکست دی۔ اِس معرکہ میں اُن کی ملکہ بھی کام آئی ٭

سنہ ۶۹۹ء میں عبدالملک نے موسیٰ بن نُصیر کو اِس علاقے کا حاکم مقرّر کیا۔ بربری بار بار بغاوت کر دیتے تھے۔ موسیٰ نے محبّت اور شفقت سے اِن وحشیوں کو ایسا رام کیا۔ کہ وہ سب اُس کا دم بھرنے لگے۔ پھر اُنہیں اِسلام کی تعلیم دینے کے لئے جا بجا معلّم مقرّر کیے۔ چنانچہ بربری اپنے باپ دادا کا مذہب چھوڑ کر سچّے مُسلمان بن گئے۔ اِس کے علاوہ موسیٰ نے نئے علاقے بھی فتح کیے۔ اور طنجہ پر قبضہ کر کے اسلامی حکومت کو بحرِ اوقیانوس (اطلانتک) تک پھیلا دیا۔ اب مسلمان گویا یورپ کے دروازے پر کھڑے تھے۔ سامنے ہسپانیہ کا شاداب ساحل تھا۔ اور دہنے ہاتھ چھوٹے بڑے جزیرے پھیلے ہوئے تھے ٭

اُن دِنوں ہسپانیہ پر گاتھ قوم کی حکومت تھی۔ اور راڈرک اِس مُلک کا فرمانروا تھا۔ لیکن رعایا کی

Marfat.com

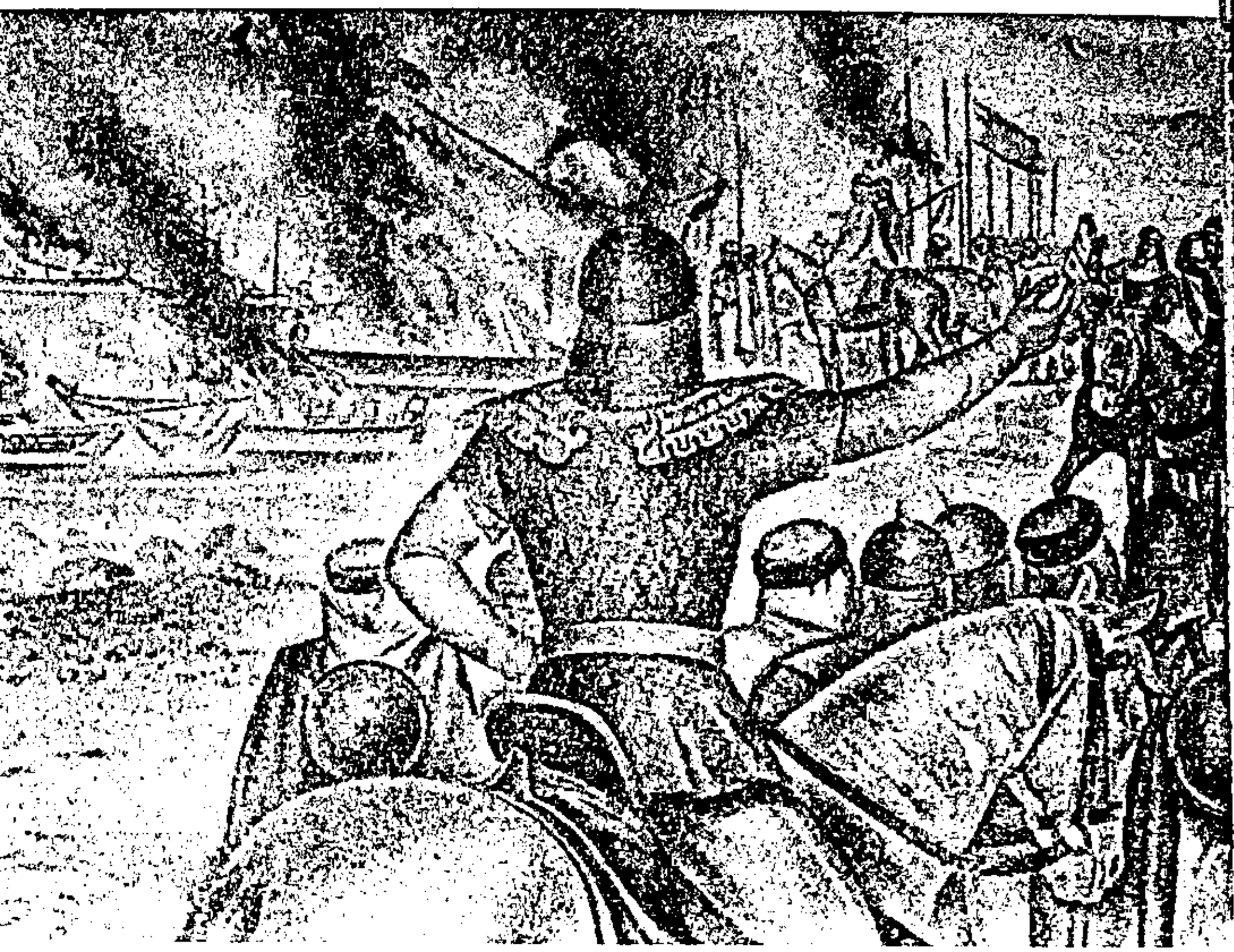

ہٹے۔ تو تباہ ہو جاؤ گے۔ اس لئے آگے بڑھو۔ اور جانیں دے کر دنیا و عقبیٰ میں سرخ روئی حاصل کرو"

حالت اچھی نہیں تھی۔ بادشاہ اور بڑے بڑے سردار عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اور رعایا پر طرح طرح کے ظلم توڑے جاتے تھے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے ظلم و ستم سے تنگ آکر باپ دادا کے وطن کو چھوڑا۔ اور افریقہ میں آکے پناہ لی۔ اِن پناہ گزینوں میں سے بعض نے موسیٰ سے مل کر اُسے ہسپانیہ کے حالات سُنائے۔ اور کہا۔ کہ اگر آپ اُدھر کا قصد کریں۔ تو آسانی سے سارے مُلک پر قبضہ ہو جائے گا۔ موسیٰ ابھی کوئی فیصلہ نہ کرنے پایا تھا۔ کہ قدرت نے ہسپانیہ کی فتح کے نئے سامان پیدا کر دیئے۔ اُس زمانے میں کونٹ جولین سیوٹا کا حاکم اور راڈرک کا باج گزار تھا۔ اُسے راڈرک سے کوئی صدمہ پہنچا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اُس سے بہت ناراض تھا۔ چنانچہ اُس نے بھی مسلمانوں سے مدد مانگی۔ موسیٰ بڑا محتاط اور دُور اندیش شخص تھا۔ اُس نے پہلے تو اپنے ایک نوجوان سردار طریف کو ہسپانیہ کے ساحل پر چھاپہ مارنے اور وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ جس جگہ ساحل پر اُترا تھا۔ وہ آج تک طریفہ کہلاتی ہے۔ طریف نے آس پاس کے علاقے پر

حملے کیئے۔ اور یہاں کے حالات معلوم کر کے کچھ عرصہ کے بعد واپس چلا گیا ⁂

۷۱۱ء میں موسیٰ بن نُصَیر نے ایک بہادر سردار طارق ابن زیاد کو ہسپانیہ پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ اُس کے ساتھ صرف سات ہزار سپاہی تھے۔ جن میں سے زیادہ تر بربری تھے۔ طارق کے جہازوں نے جس چٹان کے پاس لنگر ڈالا تھا۔ وہ جبل الطّارق کے نام سے مشہور ہے۔ یہی لفظ ہے جو بگڑ کر جبرالٹر بن گیا ہے۔ یہاں سے طارق نے مُلک کے اندرونی حصے کی طرف قدم بڑھایا۔ لیکن وہ تھوڑی ہی دُور گیا تھا۔ کہ ایک بہت بڑی فوج نے جس کا سردار خود راڈرک تھا۔ راستہ روکا۔ یہ معرکہ بڑے زور کا تھا۔ چنانچہ اُسی نے ہسپانیہ کی قسمت کا فیصلہ کر دیا۔ طارق کے ساتھ سات ہزار سپاہی تو پہلے ہی تھے۔ لڑائی شروع نہ ہونے پائی تھی۔ کہ افریقہ سے پانچ ہزار سپاہی اور آپہنچے۔ کہتے ہیں۔ مُسلمان جن جہازوں میں بیٹھ کر آئے تھے۔ طارق نے اُنہیں آگ لگا دی تھی۔ تا کہ کسی کو پیچھے ہٹنے کا خیال تک نہ آئے۔ اِس لڑائی میں ہسپانویوں نے سخت شکست کھائی اور راڈرک مارا گیا۔ اب شہر پر شہر فتح ہونے لگا۔ اور مسلمانوں نے چند مہینے کے اندر اندر آرچی ڈونا، الویرا، قرطبہ اور ملاغہ کے علاوہ طلیطلہ کا شہر بھی فتح کر لیا۔ جو راڈرک کا پایۂ تخت تھا ⁂

۷۱۲ء میں موسیٰ بن نُصَیر خود ہسپانیہ پہنچا۔ اُس کی فوج میں اٹھارہ ہزار سپاہی تھے۔ جس میں صحابہ رضؓ کے پوتے پڑپوتے اور یمن کے اونچے خاندانوں کے لوگ شامل تھے۔ اُس نے مدینہ سدونیہ، اشبیلیہ، مریدہ وغیرہ شہر فتح کیئے۔ اور طلیطلہ میں طارق سے جا ملا۔ اب مسلمان بڑی تیزی سے بڑھے۔ اور اراگون، لیون، آستریاس اور گلیشیا کے کوہستانی علاقوں پر قبضہ کر کے سارا مُلک فتح کر ڈالا ⁂

سارا گوسا کی فتح کے بعد مسلمانوں کی فوج اور فرانس کے درمیان صرف پیرنیز کی قدرتی فصیل باقی رہ گئی تھی۔ کہتے ہیں۔ کہ موسیٰ نے جب پیرنیز پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ تو خیال آیا۔ کہ یہاں سے دنّانہ بڑھتا چلا جائے۔ اور یورپ کو زیر و زبر کرتا ہوا قسطنطنیہ پہنچ کر اس کی دیواروں پر فتح کا جھنڈا گاڑ دے۔ لیکن ابھی وہ یہاں سے بڑھنے نہیں پایا۔ کہ خلیفہ ولید نے اُسے بلا بھیجا۔ اور اُس کی آرزو پوری نہ ہو سکی ⁂

موسیٰ کی واپسی کے بعد مُسلمانوں کو کئی برس تک فرانس کی فتح کا خیال نہ آیا۔ لیکن فرانسیسی مسلمانوں پر حملہ کرنے کے ارادے سے بار بار ہسپانیہ پر چڑھ آتے تھے۔ اب مُسلمانوں نے بھی فرانس پر حملے شروع کیئے۔

اسلامی سلطنت
فرانسیسیوں کی سلطنت
بحر اوقیانوس
بحیرہ اسود
ایشیائے کوچک
بحیرہ روم
روم
صحرائے اعظم
ایران
خراسان
فارس
کرمان
خلیج فارس
عمان
عرب
بحر ہند
گرجستان
دریائے نیل

Marfat.com

سمح بن مالک ہسپانیہ کا والی تھا۔ وہ خود فوج لے کر چلا۔ اور ۷۲۰ء میں سپٹی مینیا اور ناربون پر قبضہ کر لیا۔ ناربون کو اپنا صدر مقام قرار دے کر اُس نے تولوس کے شہر پر چڑھائی کی۔ لیکن اس معرکے میں ناکامی ہوئی۔ اور اُسے جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ اِس ناکامی کے باوجود مسلمانوں کی پیش قدمی جاری رہی۔ وہ تولوس سے ہٹ کر امیر عنبسہ کی سرداری میں دریائے رون کے کنارے کنارے بڑھے۔ اور برگنڈی تک بڑھتے چلے گئے ٭

فرانس پر سب سے بڑا آخری حملہ ہسپانیہ کے والی عبدالرحمٰن الغافقی نے کیا۔ وہ ۷۳۲ء میں سیلاب کی طرح پیرنیز کے پہاڑوں سے اُترا۔ اور فرانسیسی فوجوں کو خس و خاشاک کی طرح بہاتا لے چلا۔ دریائے گیرون کے کنارے یودس کے نواب نے اُسے روکنا چاہا۔ لیکن شکست کھائی۔ اور بوردو کا شہر مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ یہاں سے بڑھ کر پہلے اُس نے پوئٹرز پر قبضہ کیا۔ اور پھر تورس کی جانب بڑھا۔ اِس شہر کے نواح میں دشمن کے ایک ٹڈی دل نے جس میں فرانسیسی فوجوں کے علاوہ جرمنوں پرتگیزوں اور دریائے ڈینیوب کے آس پاس کے علاقے کی وحشی قوموں کے سپاہی شامل تھے۔ اُسے روک لیا۔ اِس فوج کا سردار اُس زمانے کا مشہور شہسوار چارلس مارٹل تھا۔ مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی۔ چنانچہ عبدالرحمٰن میدانِ جنگ میں کام آیا۔ اور مسلمانوں کو ہٹنا پڑا۔ اِس معرکے کے بعد فرانس میں مُسلمانوں کی پیش قدمی رُک گئی۔ پھر بھی وہ برابر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ چنانچہ دو برس کے بعد اُنہوں نے ایونان پر قبضہ کر لیا۔ اور ۷۴۳ء میں لیونز پر جا پڑے۔ یورپ میں مسلمانوں کی پیش قدمی رُک جانے کی یہی ایک وجہ نہیں تھی۔ کہ انہوں نے تورس کے معرکے میں شکست کھائی تھی۔ اس کے علاوہ اور اسباب بھی تھے۔ تاہم فرانس میں ان کی فتوحات کی آخری حد تورس کے نواح کا علاقہ تھا۔ اُنہیں اِس سے آگے بڑھنا نصیب نہ ہوا ٭

مہلّب بن ابی صَفرہ ایک اور مشہور سپہ سالار تھا جس نے عبدالملک کے زمانے میں وفات پائی۔ امیر معاویہؓ کی حکومت کے زمانے میں وہ ترکستان کے سرکش سرداروں کو شکست دینے کے بعد اُس علاقے تک جا پہنچا تھا جسے آج کل مشرقی افغانستان کہتے ہیں۔ اِس کے علاوہ اُس نے ملتان کے علاقے میں بھی فتوحات حاصل کیں۔ خارجیوں کا زور توڑنے میں بھی اُس کا بڑا حصہ ہے۔ مہلب صرف فوج لڑانے کا ڈھنگ ہی نہیں جانتا تھا۔ بلکہ وہ بہادر شہسوار بھی تھا۔ مہلّب کے سات بیٹے تھے۔ اور ساتوں بہادری میں اپنا

Marfat.com

جواب نہیں رکھتے تھے۔

نظامِ حکومت اور معاشرت

بنو اُمیّہ کے عہدِ حکومت میں خلافت کے معنی بدل گئے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں خلافت پر کسی ایک خاندان کا قبضہ نہیں تھا۔ لیکن امیر معاویہؓ نے یزید کو اپنا جانشین مقرّر کر کے خلافت کو موروثی بنا لیا۔ اُن کے بعد اسی طریقے نے رواج پکڑا۔ ہر خلیفہ اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے یا خاندان کے کسی دوسرے شخص کو اپنا جانشین مقرّر کر جاتا تھا۔ بڑے بڑے عُہدہ داروں اور فوج کے افسروں سے اُس کی ولی عہدی کی بیعت لی جاتی تھی۔ مختلف صُوبوں میں صوبوں کے والی سردارانِ فوج اور دوسرے عہدہ داروں سے ولی عہد کی اطاعت کا حلف لیتے تھے۔ اس طرح انتخاب کی بجائے وراثت کے طریقے نے رواج پایا۔ جمہوریت کی جگہ مطلق العنان بادشاہت نے لے لی۔ اور خلافت صحیح معنوں میں خلافت نہ رہی۔ پہلے سارے مسلمان بیت المال کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ خلیفہ کی حیثیت صرف محافظ کی تھی۔ اب خلیفہ بیت المال کا مالک

Marfat.com

سمجھا جانے لگا۔ وہ جہاں چاہتا تھا۔ بیت المال کا روپیہ خرچ کرتا تھا۔ اور کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی ؛

محکمے۔ بنی اُمیّہ کے زمانے میں بڑے بڑے محکمے چار تھے۔ ایک تو دیوان الخراج یعنی مال گزاری کا دفتر تھا۔ جس کا افسر اعلیٰ صاحب الخراج کہلاتا تھا۔ یہ ایک طرح سے مالیات کا محکمہ تھا۔ اور حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت سے چلا آتا تھا۔ دوسرا دیوان الخاتم تھا۔ اِس محکمے میں اہم سرکاری کاغذات اور خلیفہ کے فرامین پر مُہریں لگتی تھیں۔ اُن کی نقلیں کی جاتی تھیں۔ اِس کے بعد اُنہیں جہاں جہاں بھیجنا ہوتا تھا۔ بھیج دیا جاتا تھا۔ عربی زبان میں خاتم مُہر کو کہتے ہیں۔ چُونکہ اِس محکمے میں فرامین پر مُہریں لگائی جاتی تھیں۔ اِس لئے اُسے دیوان الخاتم کہتے تھے۔ تیسرا محکمہ عام خط و کتابت کا تھا۔ مرکزی حکومت اور صُوبوں کی حکومتوں کے درمیان ساری خط و کتابت اِسی محکمے کے ذریعے ہوتی تھی۔ چوتھا محکمہ آمدنی کی متفرّق مدّوں سے تعلق رکھتا تھا۔ اِن چار محکموں کے علاوہ پولیس، ڈاک، بے قاعدہ فوج کے لئے الگ الگ محکمے قائم تھے ؛

صُوبوں کا انتظام۔ اموی سلطنت پانچ بڑے بڑے صوبوں میں منقسم تھی۔ اِن کے حاکم جو خلیفہ کے نائب السّلطنت ہوتے تھے۔ والی یا امیر کہلاتے تھے۔ یہ حاکم اپنے اپنے صُوبے میں بڑے وسیع اختیارات رکھتے تھے۔ اور جسے چاہتے صوبے کے مختلف حصوں میں اپنی طرف سے حاکم مقرر کر کے بھیج دیتے تھے ؛

۱۔ حجاز، یمن، اور وسطی عرب کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا گیا تھا ؛

۲۔ مصر علیٰحدہ صوبہ تھا۔ جس میں مصر کا بالائی اور نچلا حصہ دونوں شامل تھے ؛

۳۔ جو علاقہ آج عراق کہلاتا ہے اُسے اُس زمانے میں جزیرہ کہتے تھے۔ یہ الگ صوبہ تھا۔ آرمینیا، آذربائیجان اور ایشیائے کوچک کا مشرقی حصہ اِسی صوبے میں شامل تھا ؛

۴۔ عراق کا صوبہ بڑا وسیع تھا۔ اور اس میں مشرقی عرب، کُوفہ، بصرہ اور ایران شامل تھے۔ خراسان، ماوراء النّہر، سیستان، کابل، مکران، سندھ، بحرین اور عمان اگرچہ الگ الگ صُوبے تھے۔ لیکن وُہ سب عراق کے والی کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ وہ اِن صوبوں میں اپنی طرف سے نائب مقرّر کر کے بھیج دیتا تھا۔ حجّاج بن یوسف جسے عبدالملک اور اُس کے بیٹے ولید کے عہد میں بڑا اقتدار حاصل ہوا۔ عراق ہی کا حاکم تھا ؛

Marfat.com

۵ ۔ افریقیہ بھی اموی عہد خلافت میں بڑا وسیع صُوبہ تھا جس میں شمالی افریقہ، ہسپانیہ، جنوبی فرانس کے علاوہ یورپ کے وہ جزیرے بھی شامل تھے۔ جن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو چکا تھا ٭

والی صُوبہ کا سب سے بڑا حاکم ہوتا تھا۔ فوج بھی اُسی کے ماتحت ہوتی تھی۔ عدالتیں بھی اُسی کے ماتحت سمجھی جاتی تھیں۔ اِس کے علاوہ وہ بعض دوسرے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ چنانچہ وہ صوبے کے صدر مقام میں جمعہ کی نماز بھی پڑھاتا تھا۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرّر تھے۔ غیر مُسلموں کے لئے علٰحدہ عدالتیں قائم تھیں جن میں اُن کے اپنے مجسٹریٹ اپنے اپنے مذہب کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ لیکن یہ ساری عدالتیں صوبہ کے والی کے ماتحت سمجھی جاتی تھیں۔ والی پولیس کے ذریعے جسے شُرطہ کہتے تھے صوبے میں امن وامان قائم رکھتا تھا۔ پولیس کا افسر اعلےٰ صاحب الشُّرطہ کہلاتا تھا۔ اِس کے علاوہ احداث کا محکمہ بھی قائم تھا۔ یہ ایک قسم کی فوج تھی جس کے افسرِ اعلےٰ کو صاحب الاحداث کہتے تھے۔ اُس کے فرائض بھی پولیس کے فرائض سے مِلتے جلتے تھے ٭

صُوبہ کا صیغۂ مالیات براہِ راست خلیفہ کے ماتحت ہوتا تھا۔ ہر صُوبہ میں ایک افسر مقرّر تھا جو صاحب الخراج کہلاتا تھا۔ کبھی کبھی صوبہ کا حاکم ہی صاحب الخراج کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ اِس کے علاوہ محصُول وصول کرنے کے لئے جگہ جگہ عامل یعنی کلکٹر مقرّر تھے۔ مال گزاری اور دوسری مدّوں سے جو روپیہ جمع ہوتا تھا۔ وہ پہلے صوبے کے خزانہ میں رکھا جاتا تھا۔ اور صوبہ کے اخراجات نکالنے کے بعد جو رقم بچتی تھی۔ وہ دمشق کے خزانے میں بھیج دی جاتی تھی۔ صوبہ میں خرچ کی بڑی بڑی مدّیں یہ تھیں۔ وظیفے، سپاہیوں اور دوسرے اہل کاروں کی تنخواہیں، رفاہِ عام کے کاموں، یعنی سڑکوں، نہروں، مسجدوں اور مدرسوں کی تعمیر کے اخراجات ٭

آمدنی ۔ بنو اُمیّہ کے عہد میں زیادہ آمدنی تو مال گزاری سے ہوتی تھی۔ اِس کے علاوہ زکوٰۃ بھی آمدنی کی ایک بڑی مد تھی۔ غیر مسلم زکوٰۃ سے مستثنےٰ تھے۔ اُنہیں جزیہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ محصول درآمد اور چُنگی سے بھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض باجگزار علاقے بھی تھے۔ جو مُعاہدہ کے رُو سے ہر سال ایک رقم خراج کے طور پر ادا کرتے تھے ٭

فوج ۔ بنو اُمیّہ کی فوج میں زیادہ تر شامی عرب تھے۔ جگہ جگہ چھاؤنیاں قائم تھیں۔ مثلاً مشرقی صوبوں

Marfat.com

میں کوفہ اور بصرہ دو بڑی بڑی چھاؤنیاں تھیں۔ فوجی خدمت لازمی تھی۔ یعنی ہر تندرست و توانا شخص کے لئے فوج میں بھرتی ہونا ضروری تھا۔ اور اُسے حکومت کی طرف سے ہزار درہم سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔ خلافت بنی اُمیّہ کے آغاز میں مستقل فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ لیکن بعد میں اِس سے دُگنی یعنی ایک لاکھ بیس ہزار کر دی گئی۔ فوج بڑے بڑے دستوں میں بٹی ہوئی تھی۔ جو جُند کہلاتے تھے۔ ہر قبیلے کا علیٰحدہ جُند اور علیٰحدہ جھنڈا ہوتا تھا۔ اِن جھنڈوں کے رنگ الگ الگ ہوتے تھے۔ اُس زمانے میں توپیں نہیں تھیں البتہ قلعہ شکن آلات ضرور تھے۔ ایک آلہ جو بھاری پتّھر پھینکتا تھا۔ عرّادہ کہلاتا تھا۔ منجنیق بھی ایک مشہور کل تھی جس سے شہر اور قلعے فتح کرنے میں مدد لی جاتی تھی۔ ایک اور آلہ کو جس سے قلعوں کے پھاٹک اور دیواریں توڑی جاتی تھیں دبّابہ یا کبش کہتے تھے۔ سمندری بیڑا بھی اسی زمانے میں بنا۔ اِس بیڑے میں بہت سے چھوٹے بڑے جنگی جہاز اور کشتیاں ہوتی تھیں ٭

صیغہ عدالت۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم خود مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ خلافت راشدہ کے آغاز میں بھی سارے مقدمات خلیفہ کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ پھر جب نظم و نسق کے مختلف صیغے قائم ہوئے۔ تو صیغۂ عدالت بھی قائم کیا گیا۔ اور قاضی مقرر ہوئے۔ بنو امیّہ کے زمانے میں جا بجا قاضی مقرر تھے۔ لیکن غیر مسلموں کے مقدمات کا فیصلہ اُنہیں کے مذہبی پیشوا یا مجسٹریٹ اپنے مذہب یا علاقے کے رسم و رواج کے مطابق کرتے تھے۔ قاضی مقدموں کا فیصلہ کرنے کے علاوہ اوقاف اور یتیموں کی جائداد کا انتظام بھی کرتے تھے ٭

بعض اہم اصلاحات۔ امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں ڈاک کا انتظام کیا۔ دیوان الخاتم بھی انہیں کے زمانے میں قائم ہوا۔ عبدالملک نے دمشق میں ٹکسال قائم کی۔ سکّوں کا وزن مقرر کیا۔ چاندی کے درہم تو حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں ڈھلنے لگے تھے۔ لیکن سلطنت کے مختلف حصوں میں الگ الگ ٹکسالیں تھیں۔ کوئی مرکزی ٹکسال موجود نہیں تھی۔ اِس لئے بہتیرے لوگوں نے جعلی سکّے ڈھالنے شروع کر دیئے عبدالملک نے دمشق میں ایک ٹکسال قائم کی۔ اس میں سونے کے دینار اور چاندی کے درہم ڈھلنے لگے۔ دینار اور درہم کا وزن مقرر کیا گیا۔ دمشق میں جو سکّے ڈھلتے تھے۔ ان کے سوا کسی سکّے کا چلن نہ رہا۔ اور جعلی سکّے بند ہو گئے عبدالملک

Marfat.com

کے زمانے کی ایک اہم اصلاح یہ ہے۔ کہ اُس نے دفتروں میں عربی زبان کو رواج دیا۔ یعنی یہ حکم دے دیا گیا کہ سارے سرکاری کاغذات، عربی زبان اور عربی رسم الخط میں لکھے جائیں۔ اور حساب و کتاب بھی عربی ہی میں رکھا جائے۔

شہروں کی حالت۔ عرب شروع سے قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر شخص اپنے قبیلے سے بڑی محبت رکھتا تھا۔ اور اس کی خاطر جان قربان کر دینے کو لازمۂ شرافت سمجھتا تھا۔ اِس لئے جب وہ شہروں میں آباد ہوئے۔ تو مختلف قبیلوں نے الگ الگ محلّے بنائے۔ کاری گروں کے بھی علٰحدہ محلّے تھے۔ ہر محلّہ چھوٹا موٹا شہر ہوتا تھا۔ اُس میں مسجدیں بھی ہوتی تھیں اور بازار بھی۔ جن میں ضرورت کی ہر چیز مل جاتی تھی۔ بلکہ ہر محلّے کا قبرستان بھی الگ ہوتا تھا۔ اِس عہد کے شہروں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک شہر کے اندر کئی چھوٹے چھوٹے شہر آباد ہیں۔ ہر محلّہ کو ایک مضبوط پھاٹک نے جس پر پہرہ دار پہرہ دیتے رہتے تھے۔ دوسرے محلّوں سے الگ کر رکھا تھا۔ شہروں کے گرداگرد فصیل ہوتی تھی تاکہ دشمن چڑھ آئے۔ تو مقابلہ کر سکیں۔

دمشق پُرانا شہر تھا۔ لیکن بنی اُمیّہ نے اُسے بڑی ترقی دی۔ بڑی بڑی خوبصورت عمارتیں، یعنی مسجدیں، شفاخانے، باغ، محل اور حویلیاں تعمیر کرائیں۔ چنانچہ دمشق دُنیا کے بڑے خوب صورت شہروں میں شمار ہونے لگا۔ امیر معاویہؓ نے سبز رنگ کا ایک محل بنوایا۔ جو قصر الخضرا کہلاتا تھا۔ اُن کے جانشینوں نے بہت سی مسجدیں اور محل بنوائے۔ جن کے سپید گنبدوں، بُرجوں اور میناروں کو دیکھ کر آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوتی تھی۔ خاص طور پر ولید بن عبدالملک نے دمشق اور اُس کے نواح کے علاقے میں بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ انہیں میں دمشق کی عظیم الشان مسجد بھی تھی۔ اگر ولید کے دوسرے تمام کارنامے بُھلا دیئے جائیں۔ تو صرف یہ مسجد اُس کا نام زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ دمشق میں پانی پہنچانے کا جو انتظام کیا گیا تھا۔ اُسے اُس زمانے کے عجائبات میں سے سمجھنا چاہیئے۔ شہر میں سات بڑی بڑی نہریں بہتی تھیں۔ پھر بے شمار حوض تھے۔ چنانچہ دولت مندوں کا تو کیا ذکر۔ غریبوں کے گھروں میں بھی چمن کھِلے تھے۔ عربوں کو فوّاروں کا بڑا شوق تھا۔ ہر گھر میں فوّارے ہوتے تھے۔ اُن سے پانی اُچھل اُچھل کر حوض میں گرتا اور اُس سے نکل کر پھولوں کو سیراب کرتا تھا۔ شہر کے گرداگرد بڑی چوڑی فصیل تھی جس میں بڑے بڑے پھاٹک تھے۔

Marfat.com

فنِّ تعمیر۔ عربوں کو شروع شروع میں اتنا موقع ہی نہ ملا۔ کہ فنِّ تعمیر میں کوئی الگ راستہ نکالتے۔ لیکن جب وہ اِس طرف جھکے۔ تو اِس فن میں بھی نئی نئی باتیں پیدا کیں۔ چنانچہ اُن کی بنائی ہوئی عمارتوں میں ساخت کے لحاظ سے بڑی دِل کشی ہے۔ پھر اُن کا اندازِ تعمیر ایسا بے عیب ہے۔ کہ کہیں اُنگلی دھرنے کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ رومیوں اور ایرانیوں نے فنِ تعمیر میں بڑا کمال پیدا کیا تھا۔ لیکن عرب اُن سے بھی بازی لے گئے۔ دراصل اُن کی ضرورتیں بھی مختلف قسم کی تھیں۔ اس لئے اُن کا طرزِ تعمیر بھی دوسری قوموں سے الگ نظر آتا ہے۔ چنانچہ اُن کی بنائی ہوئی عمارتیں، محرابوں، ستونوں، میناروں اور گنبدوں کی وجہ سے اور ہی عالم رکھتی ہیں۔

خلیفہ کا محل اور دربار۔ عمر بن عبدالعزیز کے سوا سارے خلفائے بنی اُمیّہ بڑی شان وشوکت اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُنہوں نے اَن گنت رُوپیہ خرچ کر کے عالیشان قلعے، اور محل بنوائے۔ جس کی تعمیر کے لئے دُور دُور سے سنگ مرمر اور قسم قسم کے دوسرے پتّھر منگوائے گئے تھے۔ اِن محلوں میں جابجا باغ اور چمن نظر آتے تھے۔ اور حوضوں اور فوّاروں کا تو کوئی شمار ہی نہیں تھا۔ محلوں کی چھتوں پر سونے چاندی کا کام کیا جاتا تھا۔ پھر اُن میں جواہرات جڑے جاتے تھے۔ فرش اور دیواروں پر پچی کاری کی جاتی تھی۔ محل کے گِرد باغ لگائے جاتے تھے۔ اُن میں جگہ جگہ سنگ مرمر کے فوّارے اور حوض بنوائے جاتے تھے۔ محل کے اکثر حصّوں کا فرش بھی سنگ مرمر کا ہوتا تھا۔ فرش کے پتّھروں کے گِرد سونے کا حاشیہ لگایا جاتا تھا۔ غرض اموی فرمانرواؤں کو خوب صورت عمارتیں بنانے کا بڑا شوق تھا۔ خاص طور پر اُن کے محل تو عجائبات کا نمونہ تھے۔ جن پر بے شمار روپیہ صَرف کیا جاتا تھا۔ ہر کمرے میں غلام ریشمی وردیاں پہنے کھڑے رہتے تھے۔ محل کے اندرونی حصّے میں دربارِ خاص لگتا تھا۔ جس میں بڑے بڑے امیر اور شاہی خاندان کے لوگ ہی جا سکتے تھے۔ دربارِ عام میں مقدموں کے فیصلے کئے جاتے تھے۔ دوسرے مُلکوں کے ایلچی بھی یہیں خلیفہ کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ دیوان عام اور دیوانِ خاص کو بڑے سلیقے سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ اور اُن پر سُرخ اور سُنہری قالین بچھے ہوتے تھے۔

عورتوں کی حیثیت۔ عورتوں کو مَردوں سے بالکل الگ تھلگ رکھنے کا دستور ایرانیوں میں بہت پُرانے زمانے سے چلا آتا تھا۔ پردے کی سختی کا یہ حال تھا۔ کہ اُمرا کے محلوں میں بچہ تک نہ جا سکتا تھا۔ ولید ثانی کے زمانے میں عربوں میں بھی اِس قسم کا پردہ رواج پانے لگا۔ اور آگے چل کر تو یہی عام دستور ہو گیا۔

Marfat.com

تاہم اس زمانے میں عورتوں کو خاصی آزادی حاصل تھی۔ اور مرد اُن کی بڑی عزّت کرتے تھے۔ اِس عہد میں کئی بڑی لائق عورتیں ہو گزری ہیں۔ جنہوں نے اپنی اخلاقی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی ہے۔ حضرت امام حسینؑ کی صاحبزادی سیّدہ سکینہ بڑی لائق خاتون تھیں۔ اُن کے ہاں شاعر، ادیب اور بڑے بڑے عالم جمع ہوتے تھے۔ اور علمی بحثیں ہوتی تھیں۔ عمرؓ بن عبدالعزیز کی بہن اُمّ البنین جو ولید بن عبدالملک سے بیاہی ہوئی تھیں۔ اِس زمانے کی ایک ممتاز خاتون تھیں۔ وہ اپنے شوہر کو ہمیشہ رعایا کی بہبودی کے کاموں کی جانب متوجّہ کرتی رہتی تھیں۔ رابعہؒ بصریہ بھی جو بڑی نیک اور خدا رسیدہ خاتون ہوئی ہیں۔ اسی زمانے میں تھیں ٭

معاشرت ۔ عرب شروع سے ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتے چلے آتے ہیں۔ اِس زمانے میں بھی اُن کا لباس یہی رہا۔ ہاں اِس میں تھوڑی بہت قطع و برید ضرور ہوئی۔ اور مختلف گروہوں اور پیشوں کے لوگوں نے مختلف قسم کا لباس اختیار کر لیا۔ مثلاً عام آدمیوں کا لباس الگ تھا۔ عالموں یا فقیہوں کا الگ اسی طرح کاتب یعنی کلرک اور سپاہی بھی الگ الگ وضع کا لباس پہنتے تھے ٭

خوراک کی بڑی بڑی چیزیں تو وہی تھیں۔ جو شروع میں عربوں میں چلی آتی تھیں۔ یعنی کھجوریں، دُودھ اور شہد۔ دوپہر اور رات کے وقت دسترخوان پر گوشت بھی ہوتا تھا۔ جو مسالے مِلا کر پکایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ طرح طرح کے شربت ہوتے تھے۔ جو پھلوں کے رَس سے تیار کیے جاتے تھے۔ کھانے میں چمچے بھی استعمال کیے جاتے تھے۔ دست پاک بھی ہوتا تھا۔ جسے کھانا کھاتے وقت کپڑوں پر ڈال لیتے تھے۔ چمچے لکڑی یا چینی کے بنے ہوئے ہوتے تھے۔ شربت اِنہیں چمچوں سے پیا جاتا تھا۔ چمچوں کے دستے لمبے ہوتے تھے۔ کرسی میز کا رواج بھی ہو گیا تھا۔ کھانا کھانے کے تین وقت مقرّر تھے۔ صُبح کو ناشتہ کرتے تھے۔ دوپہر کو پیٹ بھر کر کھانا کھاتے تھے۔ عصر اور مغرب کے درمیان پھر دسترخوان بچھتا تھا ٭

علمی اور ادبی ترقّی ۔ امویوں کا عہدِ حکومت علمی اور ادبی ترقّی سے بھی خالی نہیں۔ اِس زمانے میں عربی زبان اور اُس کی صَرف و نحو کی طرف توجّہ کی گئی۔ گرامر کے اصول سب سے پہلے بصرے کے ایک شخص ابوالاسود دُئلی نے وضع کیے۔ ایک اور شخص خلیل بن احمد نے جو ابوالاسود کی طرح بصرے ہی کا رہنے والا تھا۔

Marfat.com

Marfat.com

عروض کے اصول اور قاعدے مرتّب کیئے ۔ اِس کے علاوہ عربی زبان کی سب سے پہلی لُغت کی ترتیب کا سہرا بھی اسی کے سر ہے ۔ آگے چل کر اسی کے ایک شاگرد نے جس کا نام سیبویہ تھا ۔ صَرف و نحو کے قاعدوں کے متعلق ایک کتاب لکھی ۔

اسی زمانے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں کتابی صورت میں جمع کی گئیں ۔ عرب نسب دانی کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے ۔ یعنی کسی شخص کے خاندان کا حال بیان کرنے بیٹھتے تھے ۔ تو اُس کی پیڑھیاں گِنتے چلے جاتے تھے ۔ امیر معاویہؓ کے حکم سے ایک شخص جس کا نام عبید بن شریہ تھا ۔ ایک کتاب لکھی ۔ جس میں پُرانے بادشاہوں اور اُن کے خاندانوں کے حالات کے علاوہ زمانہ جاہلیت کے متعلق بہت سی باتیں جمع کر دی گئی تھیں ۔ ایک اور شخص نے جو یمن کا رہنے والا تھا ۔ کتاب الاوائل کے نام سے ایک اور کتاب مرتّب کی ۔ جس میں جنوبی عرب کے پُرانے حالات تھے ۔ اس زمانے میں فِقہ نے بھی بڑی ترقی کی ۔ امام جعفر صادقؒ جو حضرت علیؓ کے خاندان سے تھے ۔ اِس زمانہ کے بڑے بلند پایہ عالِم تھے ۔ امام ابوحنیفہؒ نے جو فِقہ میں بڑی مہارت رکھتے تھے ۔ اُن سے بھی فیض پایا تھا ۔ امام مالکؒ بھی اِس عہد کے مشہور فقیہہ ہیں ۔ اُنہوں نے حدیث کی ایک کتاب بھی مرتّب کی تھی ۔ اِن بزرگوں نے امویوں کے علاوہ عبّاسیوں کا زمانہ بھی دیکھا تھا ۔ امام حسنؒ بصری، امام زہریؒ اور امام شعبیؒ اِس دَور کے نامور عُلما ہیں ۔ جو فِقہ اور حدیث دونوں پر عبُور رکھتے تھے ۔

عربوں اور اسلامی سلطنت کے دوسرے حصوں کے لوگوں کے باہمی میل جول کی وجہ سے اِس زمانے میں طب اور کیمیا نے بھی ترقی کی ۔ اگرچہ مسلمانوں کی علمی ترقی کا اصل زمانہ بنو اُمیّہ کے بعد شروع ہوا ۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے ۔ کہ مسلمانوں کے عِلمی کارناموں کا سنگِ بُنیاد بنو اُمیّہ ہی کے زمانے میں رکھا گیا تھا ۔ امیر معاویہؓ کا پوتا خالد اپنے عِلمی شوق کی وجہ سے بہت شہرت رکھتا تھا ۔ چنانچہ لوگ اُسے حکیم یعنی فلسفی کہتے تھے ۔ اُس نے بعض عیسائی طبیبوں سے طِب پڑھی ۔ ایک یونانی راہب سے کیمیا کے اصُول سیکھے ۔ پھر خود طب اور کیمیا پر کتابیں لکھیں ۔ جو بعد کے زمانے کے مسلمان اہلِ علم کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں ۔ اِس کے علاوہ خالد نے بعض یونانیوں اور قبطیوں سے عربی میں مختلف کتابوں کے ترجمے بھی کرائے ۔ اِس زمانے میں طبیب زیادہ تر

→ اموی عہد کا ایک نوجوان مَرد اور ایک نوجوان عورت

Marfat.com

یہودی اور عیسائی ہوا کرتے تھے۔ جو اپنی قابلیت اور مہارت کی وجہ سے بڑی عزّت پاتے تھے۔ مروان اول کے حکم سے ایک یہودی طبیب نے یونانی قرابادین کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ اگرچہ آگے چل کے عربوں نے طب کو بڑی ترقی دی۔ لیکن اُنہوں نے یونانیوں سے یہ فن سیکھا تھا۔ اِس لئے اُسے طبِ یونانی ہی کہتے رہے چنانچہ آج بھی اسلامی مُلکوں میں علم کی یہ شاخ اِسی نام سے مشہور ہے ٭

عرب اہلِ علم یونان کے مشہور حکیم ارسطو کے بڑے قائل تھے۔ خلیفہ ہشّام کے عہدِ حکومت میں پہلی مرتبہ ارسطو کے بعض رسالوں کا ترجمہ عربی میں کیا گیا۔ عرب ایک تو اُس کے طرزِ استدلال سے بہت متاثّر ہوئے۔ پھر اِس لئے بھی عربوں کو اُس کی تحریریں بہت پسند آئیں۔ کہ اُس نے فطرت انسانی کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ اور وُہ اِنسان کی خوبیوں اور کمزوریوں کو خوب پہچانتا ہے۔ ہشّام کے حُکم سے فارسی کی بعض کتابوں کو بھی عربی کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔ ان میں ایران کی ایک مفصّل تاریخ بھی تھی جس میں شاہانِ ایران کی تصویریں بھی موجود تھیں۔ ہشّام کو یہ کتاب بہت عزیز تھی ٭

بنو اُمیّہ کا عہد شاعری کی ترقّی کے لئے بھی مشہور ہے۔ اِس زمانے میں دورِ جاہلیت کے شاعروں کا کلام جمع کیا گیا۔ بعض بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے۔ جن کے کلام پر لوگ آج تک سر دُھنتے ہیں۔ اِن میں سے تین شاعر یعنی فرزدق، جریر اور اخطل بہت ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔ شاعری کے ساتھ ساتھ موسیقی نے بھی بڑی ترقی کی۔ چنانچہ شعرا شعر کہتے تھے اور گویّے اُن کی دُھنیں باندھتے تھے۔ موسیقی کی ترقّی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی۔ کہ بعض خلفاء موسیقی کا مذاق رکھتے تھے۔ اِن میں سے یزید ثانی اور ولید ثانی خاص طور پر گویّوں کی سرپرستی کے لئے مشہور ہیں ٭

علم و ادب، شاعری اور موسیقی کے ساتھ ساتھ اِس زمانے میں لوگوں کے مذہبی خیالات پر فلسفہ کا بھی اثر پڑنے لگا۔ اور کئی فرقے پیدا ہو گئے۔ ان میں سے ایک گروہ جس پر فلسفہ کا گہرا اثر پڑا تھا۔ معتزلہ کہلاتا ہے۔ اس کی بُنیاد واصل بن عطا نے رکھی۔ جو امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ ایک اور فرقہ قدریّہ کہلاتا تھا۔ اِس گروہ کا عقیدہ یہ تھا۔ کہ انسان مجبُور نہیں بلکہ مختار ہے۔ یعنی وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اپنی مرضی اور اختیار سے کرتا ہے۔ جبریّہ بھی ایک فرقہ تھا۔ جس کے خیالات قدریّہ کے عقائد کے بالکل برعکس تھے۔ اِن لوگوں کا عقیدہ

Marfat.com

ایک عرب شاعر اپنا کلام سُنا رہا ہے

تھا، کہ اِنسان بالکل مجبُور ہے۔ خُدا جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے ٭

نئی تہذیب ۔ بنو اُمیّہ نے بڑی وسیع سلطنت قائم کر لی تھی۔ اس میں مختلف نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ جن کی زبان، تمدن، مذہب اور خیالات میں بڑا فرق نظر آتا تھا۔ لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ آپس کا میل جول بھی بڑھتا چلا گیا۔ اِس کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے ایک دوسرے کے خیالات اور چال ڈھال پر بھی اثر ڈالا۔ مختلف تمدّن آپس میں خَلط مَلط ہو گئے۔ اور اِس طرح ایک نئی تہذیب وجُود میں آئی۔ جسے اسلامی تہذیب کہنا چاہیئے ٭

تمہیں معلُوم ہے۔ کہ عربوں کے بہت سے خاندان جزیرہ نمائے عرب سے اُٹھ کر اُن علاقوں میں آباد ہو گئے تھے جنہیں اُنہوں نے فتح کیا تھا۔ اِن عربوں نے اِن علاقوں کے باشندوں کے طرزِ معاشرت اور خیالات

Marfat.com

Marfat.com

پر بڑا اثر ڈالا۔ لیکن خود بھی اُن سے متاثر ہوئے۔ یعنی کچھ سیکھا۔ کچھ سکھایا۔ کچھ لیا۔ کچھ دیا۔ اس طرح عربوں کی طرزِ معاشرت میں بھی فرق آگیا۔ اور مفتوحہ علاقوں کی معاشرت بھی بہت کچھ بدل گئی۔ عربوں نے تجارت اور صنعت و حرفت کو بھی بڑی ترقی دی۔ چنانچہ تجارت کے ذریعے اُنہوں نے اس وسیع سلطنت کے مختلف حصوں سے تعلقات قائم کر لیے تھے۔ اور عرب تاجروں کے گروہ مختلف مُلکوں کی تجارتی منڈیوں میں مول تول کرتے۔ مال خریدتے اور بیچتے نظر آتے تھے۔ مال کے لین دین کے ساتھ ساتھ خیالات کا لین دین بھی ہوتا تھا۔

اِسلامی سلطنت کے مختلف علاقوں کے باشندوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں عربی زبان کا بھی بڑا حصّہ ہے۔ عبدالملک کے زمانے میں عربی اسلامی سلطنت کی دفتری زبان قرار پائی۔ اور دیکھتے دیکھتے ساری سلطنت پر چھا گئی۔ کچھ مدّت کے بعد یہ کیفیت ہو گئی۔ کہ سِندھ کے جاٹ، مِصر کے قبطی، ایران کے زرتشتی، شمالی افریقہ کے بربری اور اُندلس کے عیسائی راہب اِس زبان میں بڑی رَوانی کے ساتھ گفتگو کرنے لگے۔ اور ان میں ایسے بھی تھے۔ جو بے عیب عربی بولتے اور لکھتے تھے۔ چنانچہ اِس زمانے کے بڑے بڑے عالموں اور شاعروں میں ایسے لوگوں کے نام بھی مِلتے ہیں۔ جو نسل کے لحاظ سے عرب نہیں تھے ٭

جن جن مُلکوں میں عربوں کے قدم پہنچے۔ وہاں اُنہوں نے نئے شہر بسائے۔ جو شہر ویران پڑے تھے۔ اُنہیں نئے سرے سے آباد کیا۔ ہسپانیہ اور بعض دوسرے علاقوں میں بہت سی زمین بنجر پڑی تھی۔ مسلمانوں کی ہمّت سے اِن بنجر زمینوں میں سرسبز کھیت اور باغ لہلہاتے نظر آنے لگے۔ اگلے حاکموں کے زمانے میں زراعت پیشہ لوگوں کو زمین بیچنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ مُسلمانوں نے اُنہیں زمین کی فروخت کا حق دیا۔ کاری گروں کی حوصلہ افزائی کی۔ غرض اسلامی تہذیب کا کارواں جدھر سے گزرا۔ چمن کھِلاتا چلا گیا۔ اور اپنے پرائے سب آسودہ حال ہو گئے ٭

رَوَاداری۔ خلفائے بنی اُمیّہ میں سے اکثر بہت سخت گیر تھے۔ اُنہوں نے اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لئے مُسلمانوں پر بڑی بڑی سختیاں کیں۔ لیکن اپنی غیر مسلم رعایا سے اُن کا سلوک اچھا تھا۔ اکثر مُلکوں خاص طور

← اموی عہد کی ایک شاعرہ اور مغنیہ

Marfat.com

پرہسپانیہ میں یہودیوں کی حالت غلاموں سے بھی بدتر تھی مسلمانوں کی سلطنت قائم ہونے کے بعد اُنہیں اپنی مذہبی رسمیں بجالانے کی پوری آزادی حاصل ہوگئی۔ عیسائیوں کے مذہبی معاملات میں کوئی روک ٹوک نہیں کی جاتی تھی ان کے اپنے مذہبی پیشوا یا مجسٹریٹ ان کے مذہب یا رسم ورواج کے مطابق ان کے مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔ ان سے محاصل وصول کرنے کے لئے اُن کے اپنے آدمی مقرر تھے۔ سلطنت کے بعض حصوں میں عیسائیوں کو عہدے بھی دیئے گئے تھے۔

ہندوؤں اور زرتشتیوں کو بھی اِسی قسم کی رعایتیں دی گئی تھیں۔ محمد بن قاسمؒ نے ہندوؤں کے مندروں کی مرمّت کرائی۔ برہمنوں کے گزارے کا اِنتظام کیا۔ ہندوؤں کو اپنے جھگڑے چکانے کے لئے پنچایتیں قائم کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ اُس کے سندھ سے چلے جانے کے بعد بھی ہندو اُسے مدّت تک نہ بھولے۔

Marfat.com

بنو عبّاس

ابوالعبّاس سفّاح۔ (۷۴۹ء سے ۷۵۴ء تک) ابوالعبّاس عبداللہ

جو سفّاح کے لقب سے مشہور ہے۔ بنو عبّاس کا پہلا خلیفہ ہے۔ اُس کی خلافت کا اعلان تو ۷۴۹ء ہی میں ہو چکا تھا۔ لیکن اس واقعہ سے چھ مہینے تک بنو اُمیّہ سے لگاتار لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر بنو اُمیّہ کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور سفّاح مارچ ۷۵۰ء میں فاتح کی حیثیت سے امویوں کے پایہ تخت دمشق میں داخل ہوا۔ حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد اُس نے سب سے پہلا کام یہ کیا۔ کہ اموی خاندان کے لوگوں کو چُن چُن کر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ چنانچہ بہت تھوڑے اموی زندہ بچے۔ اُنہیں میں سے ہشام کا ایک پوتا عبدالرحمٰن بھی تھا جو دشمنوں کے نرغے سے بچ کر نکل گیا۔ اور ہسپانیہ پہنچ کر ایک خود مختار حکومت کی بُنیاد ڈالی +

سفّاح کی حکومت کا آغاز شورشوں سے ہوا۔ خراسان میں خارجیوں نے شورش برپا کی۔ لیکن اس زمانے میں اُن کا اگلا سا زور نہیں رہا تھا۔ مجبور ہو کے اطاعت کر لی۔ شام، عراق، اور جزیرہ میں بھی بغاوتیں ہوئیں۔ جنہیں بڑی سختی سے دبا دیا گیا +

سفّاح کی خلافت کا اعلان کُوفہ میں ہوا تھا۔ جسے حضرت علیؓ نے اپنا دار الخلافہ بنایا تھا۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا۔ کہ کُوفہ ہی بنو عبّاس کا دار الحکومت ہوگا۔ لیکن سفّاح کو حضرت علیؓ کے خاندان سے خطرہ تھا۔ اور اس شہر میں اِس خاندان کے حامی کثرت سے تھے۔ اِس لئے سفّاح نے کُوفہ کے بجائے انبار کو جو حیرہ کے پُرانے شہر کے قریب واقع تھا۔ اپنا صدر مقام قرار دیا۔ اور ۷۵۴ء میں یہیں انتقال کیا +

ابوجعفر منصُور۔ (۷۵۴ء سے ۷۷۵ء تک) سفّاح کے بعد اس کی وصیّت

کے مطابق اُس کا بھائی ابوجعفر منصُور خلیفہ ہوا۔ لیکن ادھر انبار میں منصُور مسندِ خلافت پر بیٹھا۔ اُدھر اس کے چچا عبداللہ بن علی نے شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ منصُور نے ابومسلم کو اُس کے مقابلے پر بھیجا۔ اگرچہ عبداللہ بن علی بڑا باتدبیر جرنیل تھا۔ لیکن ابومُسلم کے ہاتھوں شکست کھائی۔ کچھ عرصے تک بھاگا بھاگا پھرا۔

Marfat.com

پھر پکڑا گیا۔ اور کئی برس قید رہا۔ آخر اُسے قید خانے ہی میں ہلاک کر ڈالا گیا ٭

لیکن عباسیوں کی حکومت کی بُنیادیں ابھی مستحکم نہیں ہوئی تھیں۔ منصُور کو ابو مسلم کی طرف سے برابر کھٹکا لگا رہتا تھا۔ وہ مشرقی صُوبوں کا والی تھا۔ اور اس کی طاقت برابر بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اِن صُوبوں کے لوگ اُسے والی نہیں، بلکہ خود مختار بادشاہ سمجھتے تھے۔ اُس کی ہر دلعزیزی کو دیکھ کر یہ خیال گزرتا تھا کہ جس طرح اُس نے عبّاسیوں کو تخت پر بٹھایا۔ اسی طرح تخت سے اُتار بھی سکتا ہے۔ اُسے قابو میں لانے کا طریقہ یہی تھا۔ کہ وہ خراسان میں نہ رہے۔ تاکہ اُس کے حامی جن سے سارا خراسان بھرا پڑا تھا۔ موقع پر اُس کا ساتھ نہ دے سکیں ٭

عبداللہ بن علی کو شکست دینے کے بعد ابو مسلم نے خراسان جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن منصور نے اس صوبے کی حکومت ایک اور شخص کے سپُرد کر دی۔ اور ابو مسلم کو حُکم بھیجا۔ کہ تم شام ہی میں رہو۔ اُس نے اِس حُکم کی کوئی پروا نہیں کی۔ اور خراسان کی طرف چل پڑا۔ منصُور نے سوچا۔ کہ یہ خراسان پہنچ گیا۔ تو پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ ایک چرب زبان شخص کو پیچھے دَوڑایا۔ اُس نے ابو مسلم کو ایسے سبز باغ دکھائے۔ کہ وہ دربارِ خلافت میں حاضر ہونے پر آمادہ ہو گیا۔ یہاں پہلے پہل اُس کی بڑی خاطر مدارات ہوئی۔ اور پھر خلیفہ کے حُکم سے اُسے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ غرض منصُور کے دِل میں جو پھانس مدّت سے کھٹک رہی تھی۔ وہ دُور ہو گئی۔ اور اُس نے اطمینان کا سانس لیا۔ سچ پوچھو۔ تو عبّاسیوں کی حکومت ابو مُسلم کے قتل کے دِن سے شروع ہوتی ہے ٭

نفس زکیّہ۔ تم پڑھ چکے ہو۔ کہ بنی اُمیّہ کی مخالفت میں عَلَوی اور عبّاسی دونوں شریک تھے۔ بلکہ ابو مسلم نے حضرت علیؓ کے خاندان کا نام لے کر ہی لوگوں کو بنو اُمیّہ کی مخالفت پر اُبھارا تھا۔ لیکن جب عبّاسیوں کو فتح نصیب ہوئی۔ تو اُنہوں نے حضرت علیؓ کے خاندان کے لوگوں کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور خلافت پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ تاہم منصُور کو اُن کی طرف سے برابر کھٹکا لگا رہتا تھا۔ چنانچہ آگے چل کے یہی لوگ عبّاسیوں کے سب سے بڑے حریف ثابت ہوئے ٭

اُن دنوں حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کے کئی پوتے پڑپوتے مدینہ میں موجُود تھے۔ لیکن منصُور کو سب سے زیادہ امام حسنؑ کے پڑپوتے محمد بن عبداللہ سے خطرہ تھا۔ محمد بن عبداللہ اپنی نیکی اور پرہیزگاری کے باعث نفس زکیّہ کے لقب سے مشہور تھے۔ چنانچہ اہل بیت کے حامیوں نے اُنہیں کی سرداری

میں عبّاسیوں کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کیا۔ حجاز کے لوگوں نے بھی اُن کا ساتھ دیا۔ کیونکہ ایک تو وہ خاندان رسالت میں سے تھے۔ اِس لئے سب لوگ اُن کا احترام کرتے تھے۔ پھر وہ راست بازی اور نیک کرداری میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ اِس کے علاوہ لوگ بنو عبّاس سے اِس لئے بھی ناراض تھے۔ کہ اُن کی خلافت بنو امیّہ کی خلافت کی طرح مطلق العنان بادشاہت تھی۔ اور خلافت راشدہ سے اُسے دُور کا واسطہ بھی نہیں تھا ٭

جب نفس زکیّہ رضؓ نے بغاوت کی۔ تو بہت سے ایسے لوگ بھی اُن کی حمایت پر ہو گئے۔ جنہیں اپنی دینداری اور علم و فضل کی وجہ سے مسلمانوں کی نگاہوں میں بڑی عزّت حاصل تھی۔ چنانچہ اُن کے حامیوں میں اِس زمانے کے دو مشہور عالم اور فقیہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ بھی شامل تھے۔ اِس بغاوت کی ناکامی کے بعد امام مالکؒ کو کوڑوں سے پٹوایا گیا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کو منصور نے قید کر دیا چنانچہ وہ کئی برس قید خانے میں رہے۔ اور وہیں وفات پائی ٭

حجاز کے لوگ سب سے زیادہ عبّاسیوں سے ناراض تھے۔ اس لئے ۷۶۲ء میں محمد بن عبداللہ نے مدینہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ اُن کے بھائی ابراہیم نے بصرہ میں بڑی فوج جمع کر لی۔ اہواز، واسط، اور فارس کے لوگوں نے بھی اِن دونوں بھائیوں کا ساتھ دیا۔ منصور کو یہ خبریں پہنچیں۔ تو بہت گھبرایا۔ اور ایک بہت بڑی فوج کو مدینہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی بصرہ کی طرف بھی فوج بھیجی۔ چنانچہ محمد نے مدینہ میں اور ابراہیم نے بصرہ میں بڑی بہادری کے ساتھ لڑ کر جانیں دیں۔ اُن کے اکثر حامی بھی قتل کر ڈالے گئے۔ بلکہ جن لوگوں پر اُن کی حمایت کا ذرہ بھر شُبہ تھا۔ اُنہیں بھی سخت سزائیں دی گئیں ٭

منصور نے جس سختی کے ساتھ اِس بغاوت کو کُچل ڈالا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ پھر کسی کو بنو عبّاس کے خلاف سر اُٹھانے کی جُرأت نہ ہوئی۔ اور سلطنت پر پُوری طرح عبّاسیوں کا تسلّط ہو گیا۔ اِس لحاظ سے دیکھو۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اصل میں منصور ہی خلافت عبّاسیہ کا بانی تھا ٭

سفّاح نے انبار کو اپنا صدر مقام بنایا تھا۔ منصور نے بغداد کو پایۂ تخت قرار دیا۔ کیونکہ ایک تو یہ شہر ایسی جگہ واقع تھا۔ جہاں کسی دُشمن کا پہنچنا مشکل تھا۔ پھر اپنے محل وقوع کے لحاظ سے تجارت کے لئے بھی بہت موزوں تھا۔ اس عہد کی اسلامی سلطنت کے نقشے پر نظر ڈالو۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ بغداد قریب قریب اِس سلطنت کے درمیان واقع تھا۔ اِس لئے یہاں بیٹھ کر سلطنت کے مختلف حصوں پر جہاں آئے دن

Marfat.com

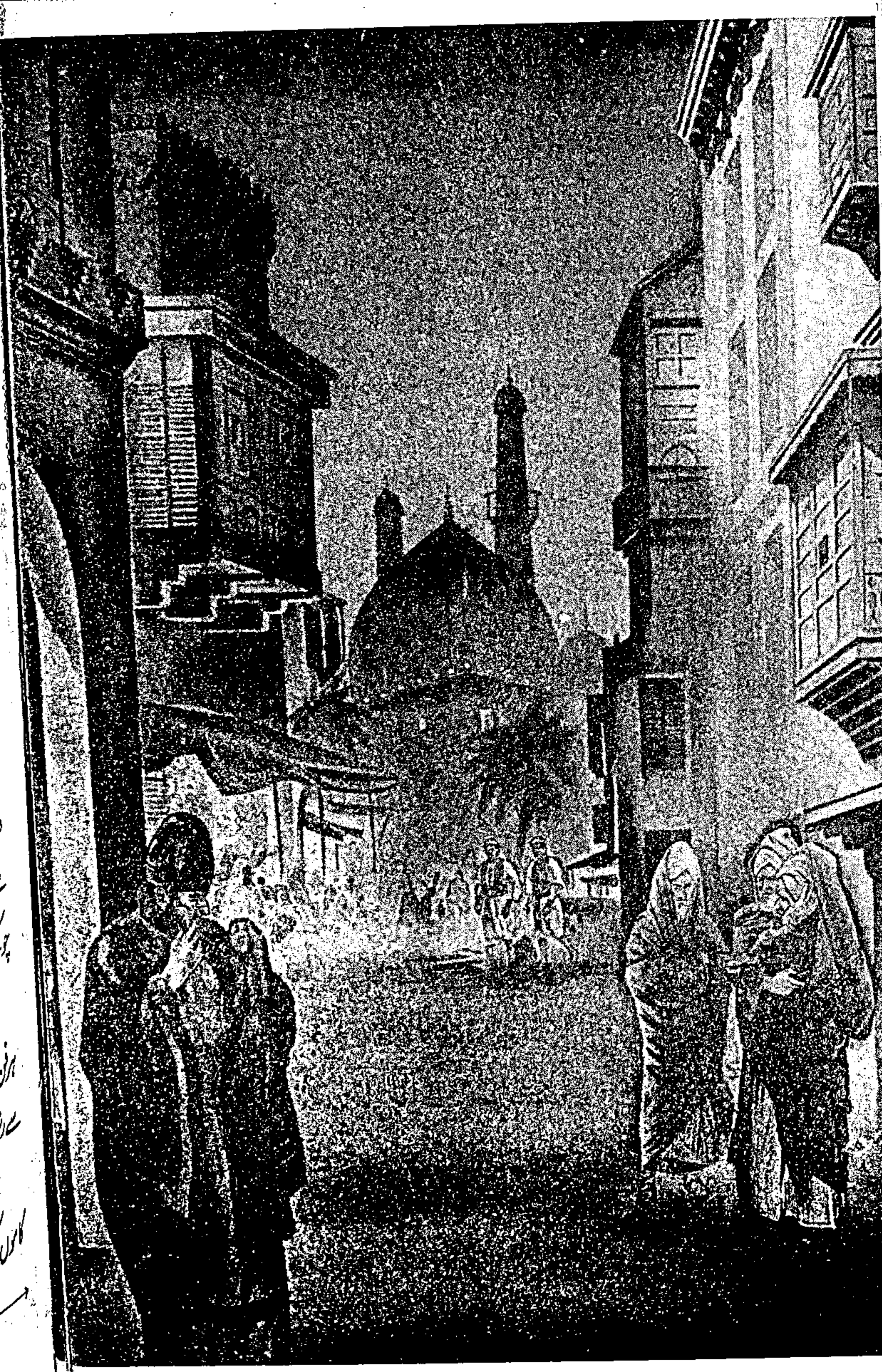

Marfat.com

شورشیں ہوتی رہی تھیں۔ قابو رکھنا آسان تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں بغداد نے اِتنی ترقّی کر لی کہ دُنیا بھر کا کوئی شہر دولت مندی اور شان و شوکت کے لحاظ سے اُس کی ہمسری کا دعوٰے نہیں کر سکتا تھا۔ یہ خوبصُورت شہر دائرے کی شکل کا تھا۔ اُس کے گرداگرد دُہری فصیل کھچی ہوئی تھی۔ اُس کا نقشہ بنانے اور اُسے تعمیر کرنے میں اُس زمانے کے مشہور انجینئروں اور معماروں نے حصّہ لیا تھا ؎

اندرونی جھگڑوں سے اطمینان نصیب ہوَا۔ تو منصُور نے سلطنت کی سرحدوں کی طرف توجّہ کی۔ شمال کی طرف سے رومیوں کے حملوں کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ اِس لئے سرحد پر جو شہر تھے۔ اُنہیں مستحکم کیا گیا۔ اُن کے گرد مضبوط فصیلیں تعمیر ہوئیں۔ چوڑی خندقیں بنوائی گئیں۔ اور اُن کی حفاظت کے لئے فوج مقرر کی گئی۔ بحیرہ خزر کے آس پاس کے قبیلے اور جنگجو کُرد گرجستان اور آرمینیا پر آئے دن چڑھ آتے تھے۔ منصُور نے ان کی روک تھام کا انتظام بھی کیا ؎

مُلکی انتظام ۔ بنواُمیّہ کی حکومت کے مِٹنے کے بعد مُلکی انتظام کا شیرازہ بالکل بکھر گیا تھا۔ منصُور نے نئے سرے سے سلطنت کا بندوبست کیا۔ جو محکمے پہلے سے چلے آتے تھے۔ انہیں وسعت دی۔ اُن کے انتظام میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ انہیں دُور کیا۔ اُن کے علاوہ کئی نئے محکمے بھی قائم کیِے۔ بنواُمیّہ کے زمانے میں وزیر کا عہدہ نہیں تھا۔ یہ عہدہ اِسی زمانے میں قائم ہوَا۔ اِس کے ساتھ ساتھ منصُور نے عہدہ داروں کی نگرانی کے لئے جاسوس مقرر کیِے۔ جو اُسے برابر خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ ان جاسُوسوں کے ڈر سے سارے اہل کار ہمیشہ چوکنّے رہتے۔ اور اپنا اپنا کام بڑی مستعدی سے انجام دیتے تھے ؎

منصُور مالی معاملات کے انتظام کا بڑا سلیقہ رکھتا تھا۔ اُس نے زراعت کو ترقّی دی۔ کاری گروں اور ہر فن کے ماہروں کی سرپرستی کی۔ جس کی وجہ سے صنعت و حرفت نے بڑا فروغ پایا۔ ساتھ ہی مالیات کے محکمہ سے رشوت کا نام و نشان مٹا دیا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوَا۔ کہ پہلے سے کئی گُنا زیادہ آمدنی ہونے لگی ؎

منصُور سیاست اور تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ وہ اپنے وقت کا زیادہ حصّہ سلطنت کے کاموں کی دیکھ بھال میں صَرف کر دیتا تھا۔ صُبح سویرے اُٹھ کے نماز پڑھتا۔ پھر احکام جاری کرتا۔ تیسرے پہر

عبّاسی عہد کے بغداد میں رات کا ایک منظر ←

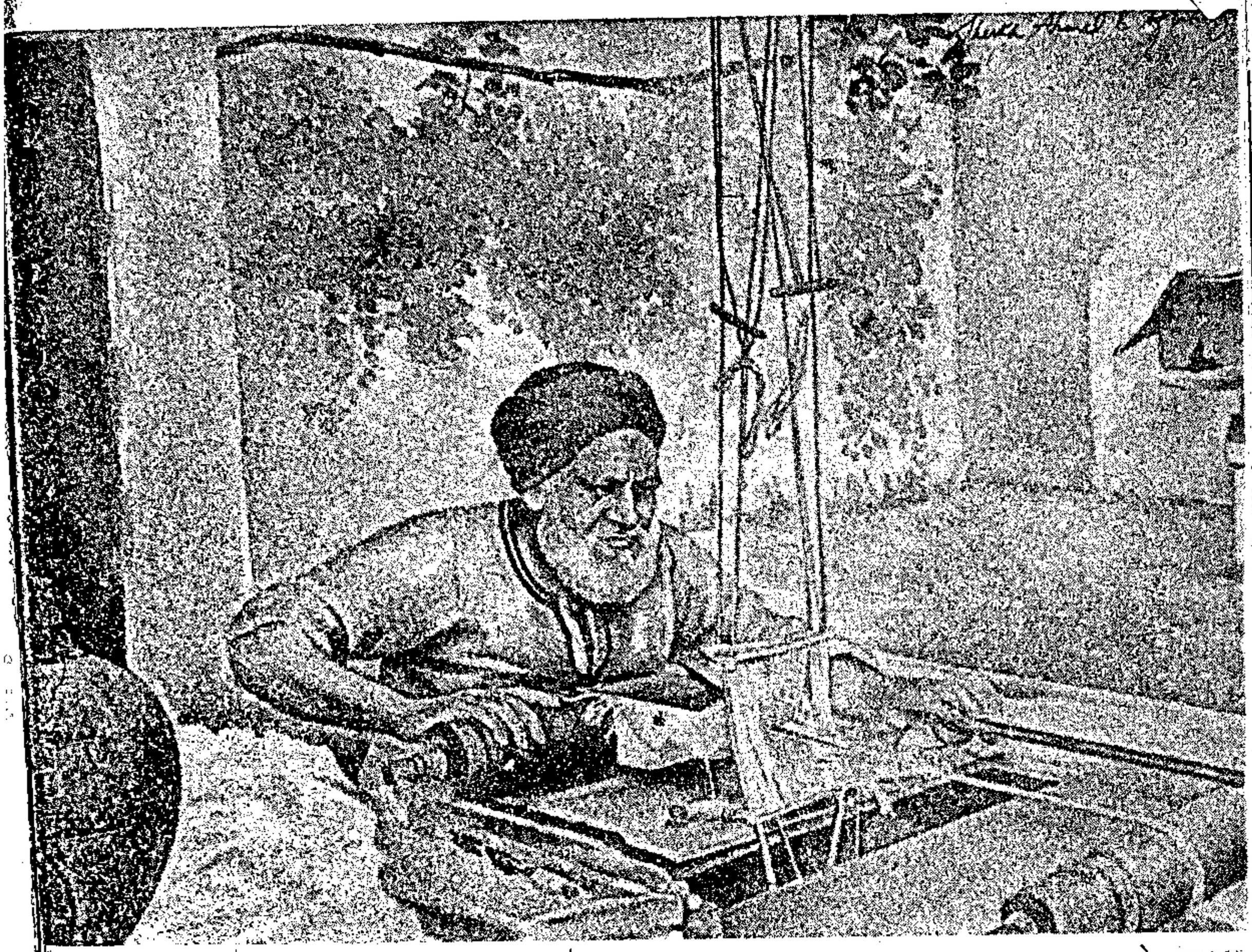

عبّاسیوں کے عہد میں سلطنت کے گوشے گوشے سے ہر فن کے کامل بغداد میں کھچے چلے آتے تھے۔ یہ کاری گر ریشم کا کپڑا بُن رہا ہے

اُٹھ کے محل میں چلا جاتا۔ اور کچھ وقت اپنے اہل وعیال میں گزارتا۔ امیر وزیر حاضر ہوتے۔ خطوط اور مراسلے پیش کیے جاتے۔ اور نہایت اہم فیصلے ہوتے۔ چنانچہ اُسے سونے کے لئے بہت کم وقت ملتا تھا۔ اسے انصاف کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ مدینہ کے قاضی کے سامنے مدعا علیہ کی حیثیت سے پیش ہوا۔ قاضی اس کی تعظیم تک کو نہ اُٹھا۔ بلکہ فیصلہ بھی اُس کے خلاف کیا۔ منصور قاضی سے بہت خوش ہوا ٭

غیر مسلموں سے منصور کا سلوک بہت اچھا تھا۔ اُس کے عہد میں ایرانیوں نے سلطنت کے انتظام میں بڑا دخل حاصل کر لیا تھا۔ اِس کے علاوہ وُہ علم وفن کا بھی بڑا مربّی تھا چنانچہ اُس کے زمانے میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں اس کے ساتھ ساتھ اس کے حُکم سے یونانی، سنسکرت، اور فارسی کی کتابوں کے ترجمے بھی ہوئے۔ مترجموں میں

Marfat.com

بعض غیر مُسلم بھی تھے۔ جن سے بڑا فیاضانہ سلوک کیا جاتا تھا +

منصُور نے بائیس برس حکومت کر کے ۷۷۵ء میں انتقال کیا۔ اس کے بعد کئی با اقبال فرمانروا تخت خلافت پر بیٹھے۔ جن کی غیر معمولی قابلیت نے خلافت عبّاسیہ کی ناموری اور شہرت کو چار چاند لگا دیئے عبّاسیوں کی شان و شوکت اور عروج و اقبال کا اصل زمانہ یہی ہے۔ جو منصُور سے شروع ہو کر کوئی سو برس تک رہا۔ عبّاسیوں کے عہد میں جتنی ترقی ہوئی۔ زیادہ تر اسی دَور میں ہوئی۔ اور انہیں لوگوں کی بدولت ہوئی۔ بعد کے زمانے میں بھی مسلمانوں نے بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے۔ کہ عبّاسیوں کے شکوہ و تجمل اور جاہ و جلال کی کوئی مثال نہیں ملتی +

محمد المہدی۔ (۷۷۵ء سے ۷۸۵ء) منصُور اپنی زندگی ہی میں سلطنت کو اِتنا مضبوط کر گیا تھا۔ کہ کسی اندرونی یا بیرونی دشمن کا کھٹکا باقی نہ رہا تھا۔ اس کے بعد جب اُس کا بیٹا محمد المہدی اُس کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ تو اُسے سلطنت کا انتظام کرنے میں کوئی دِقّت پیش نہ آئی۔ مہدی اپنے باپ سے زیادہ نرم دِل تھا۔ چنانچہ اُس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا۔ کہ حضرت علیؓ کے خاندان کے جن لوگوں کو منصُور نے قید کر رکھا تھا اُنہیں رہا کر دیا اُن کی جائدادیں جو ضبط کر لی گئی تھیں۔ واپس کر دیں۔ اموی خاندان کے لوگوں سے بھی بہت اچھا سلوک کیا گیا۔ غرض منصُور نے جو جو بے انصافیاں کی تھیں۔ مہدی نے اُن سب کی تلافی کر دی۔ حجاز کے لوگوں پر اُس نے بڑی بڑی مہربانیاں کیں۔ مکّہ معظمہ کے راستے میں جگہ جگہ قافلوں کے ٹھہرنے کے لئے سرائیں بنوائیں۔ کنویں کھدوائے۔ ان کے ساتھ حوض بنوائے۔ مدینہ، یمن، عراق میں ڈاک کا سلسلہ قائم کیا۔ جو سڑکیں ٹوٹ پھُوٹ گئی تھیں۔ اُن کی مرمّت کرائی۔ حج کرنے گیا۔ تو محتاجوں اور ناداروں میں تین کروڑ درہم اور ڈیڑھ لاکھ کپڑے بانٹے۔ مسجد نبوی کو نئے سرے سے بنوایا۔ اور اُسے وسعت دی +

مہدی کے زمانے میں ایک شخص ہاشم نام نے بڑا فساد برپا کیا۔ ہاشم بڑا بدصورت شخص تھا۔ اپنی بدصُورتی کو چھپانے کے لئے وہ چہرے پر ایک سنہری نقاب ڈالے رکھتا تھا۔ اس لئے مقنّع یعنی نقاب پوش کہلاتا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ کہ خدا کبھی کبھی انسانوں کے لباس میں ظاہر ہوتا ہے۔ آدمؑ، نوحؑ وغیرہ جتنے پیغمبر

Marfat.com

گزرے ہیں۔ اُن کے جسم میں خدا کا نور تھا۔ آخری زمانے میں خدا کے نور نے ابومسلم بن کر ظہور کیا ہے۔ اور مجھ میں بھی اسی نور کا جلوہ ہے۔ مقنع نے خراسان میں ہزاروں آدمیوں کو گمراہ کیا۔ لیکن مہدی نے اس فتنے کو زیادہ پھیلنے کا موقع نہ دیا۔ اور مقنع کی تحریک سختی سے کچل ڈالی گئی۔ شام، عراق، ایران میں بھی شورشیں ہوئیں جنہیں آسانی سے دبا دیا گیا۔ رُومی آئے دن مسلمانوں کے علاقے پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ مہدی ایک مرتبہ فوج لے کر اُن کے علاقے میں گھس گیا۔ اور اُن پر اپنی دلاوری کی ایسی دھاک بٹھائی۔ کہ پھر اُنہیں سرحد سے آگے قدم رکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔

عبّاسیوں کا زمانۂ اقبال اور غیر ملکی اثرات

ہارون الرشید۔ (۷۸۶ء سے ۸۰۹ء تک) مہدی کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا موسیٰ الہادی اُس کا جانشین ہوا۔ لیکن موت نے اُسے سال بھر سے زیادہ حکومت کرنے کی مہلت نہ دی۔ اور اس کا چھوٹا بھائی ہارون الرشید تخت خلافت پر بیٹھا۔ ہارون عباسی خاندان کا سب سے بااقبال فرمانروا ہے۔ اس کے عہد میں علم و فن نے بڑی ترقی پائی۔ تجارت اور صنعت و حرفت کو فروغ حاصل ہوا۔ اور اسلامی تہذیب کا آفتاب نصف النہار پر جا پہنچا۔ ہارون بڑا دیندار۔ فیاض۔ عالی حوصلہ اور انصاف پسند شخص تھا۔ اور اُسے رعایا کی فلاح و بہبود کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تلوار کا دھنی اور ہمت اور تدبیر کا مردِ میدان

Marfat.com

بھی تھا۔ چنانچہ لڑائیوں میں عام طور پر خود فوج کی کمان کرتا تھا۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اِس زمانے میں مُسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب رُک گیا تھا۔ اور زیادہ علاقے فتح نہیں ہوئے۔ لیکن ہارون نے رُومیوں سے جو لڑائیاں لڑی ہیں۔ اُن کے حالات پڑھو۔ تو وُہ دُنیا کے بڑے بڑے سپہ سالاروں کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے ٭

دیکھو! ہارون الرشید کے زمانے کو قریب قریب بارہ سو برس ہو چکے ہیں۔ لیکن آج بھی اس کا نام بچّے بچّے کی زبان پر چڑھا ہوا ہے۔ لوگوں نے اس کے نام پر قِصّے لکھے۔ اور کہانیاں جوڑی ہیں۔ جنہیں صرف اسلامی مُلکوں ہی میں نہیں۔ ساری دُنیا میں شہرت حاصل ہے۔ الف لیلہ تاریخ نہیں۔ بلکہ کہانیوں کی کتاب ہے۔ لیکن اِن کہانیوں نے بھی ہارون الرشید ہی کے تذکرے سے رونق پائی ہے۔ اور اُن سے اور کچھ نہ سہی، اُس کے دربار کی شان و شوکت کا اندازہ ضرور ہو جاتا ہے ٭

ہارون الرشید کا دربار شان و شکوہ اور دولت و حشمت کے انبوہ کی وجہ سے طلسمات کا نمونہ معلوم ہوتا تھا۔ بغداد اُس کا پایۂ تخت اور بہت بڑا تجارتی شہر تھا۔ جس کی دولت کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ سلطنت کے سارے محکمے اِسی شہر میں تھے۔ جو بڑی خوش اسلوبی سے اپنا اپنا کام انجام دیتے تھے۔ پھر یہاں مدرسوں، کالجوں، مسجدوں، شفاخانوں کا شمار نہ تھا۔ جگہ جگہ کاروان سرائیں بنی تھیں۔ شہر کے بیچ میں سے دریائے دجلہ بہتا چلا جا رہا تھا۔ اور اُس پر جگہ جگہ پُل بنے تھے۔ اس دریا سے کئی نہریں بھی نکالی گئی تھیں۔ سلطنت کے مختلف حصوں سے فلسفی طالب علم، طبیب، عالم، واعظ، زاہد، شاعر، گویّے، تاجر، اور ہر فن کے کامل یہاں کھچے چلے آتے تھے۔ جو شخص قدردانی اور سرپرستی کی تلاش میں گھر سے نکلتا تھا۔ وہ سیدھا بغداد ہی کا رُخ کرتا تھا ٭

ہارون خود بڑا عالم اور عالموں کا قدردان تھا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اُس زمانے کے مشہور عالم تھے۔ ہارون حدیث پڑھنے اکثر امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ دوسری زبانوں کی اکثر کتابوں کے ترجمے تو پہلے بھی ہو چلے تھے۔ لیکن ہارون الرشید نے اس کام کے لئے ایک الگ محکمہ قائم کیا۔ اور اس کا نام بیت الحکمۃ رکھا۔ رُومیوں سے اُس کی اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ اِن معرکوں میں یونانی کی اکثر کتابیں اُس کے ہاتھ آئی تھیں۔ یہ کتابیں بیت الحکمۃ میں داخل ہوئیں۔ اور اُنہیں عربی کا لباس پہنایا گیا۔ ترجمے کی خدمت جن لوگوں کے سپرد کی گئی تھی۔ اُن میں غیر مُسلم بھی تھے۔ خلیفہ کی سخاوت اور فیّاضی کا شہرہ سُن کے مختلف علاقوں سے جو عالم۔

Marfat.com

شاعر اور حکیم بغداد پہنچے تھے۔ اُن میں ہندو طبیب بھی تھے۔ ہارُون نے اُن سے بڑا فیّاضانہ سلوک کیا۔ اور سنسکرت کی بعض کتابیں بھی عربی کے سانچے میں ڈھالی گئیں ٭

ہارون الرشید کا زمانہ بڑے امن وامان اور خوشحالی کا زمانہ تھا۔ رعایا کے اطمینان اور فراغت کے سارے سامان مہیّا تھے۔ صُوبوں کا انتظام بہت اچھا تھا۔ محاصل کی وصولی میں کوئی دِقّت پیش نہیں آتی تھی۔ سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں عالی شان عمارتیں تعمیر ہو رہی تھیں۔ جا بجا ڈاک کی چوکیاں بیٹھی تھیں۔ ہرکارے آجا رہے تھے۔ اس زمانے میں صنعت وحرفت نے بڑی ترقی پائی۔ نہریں تعمیر ہوئیں۔ کارخانے کھُلے۔ کانیں کھودی جانے لگیں۔ سڑکیں بنیں۔ اُن کی حفاظت کا معقول بندوبست کیا گیا۔ اور کارواں بے کھٹکے سفر کرنے لگے ٭

ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ جو عبّاسی خاندان ہی کی ایک شاہزادی تھی۔ بڑے سلیقے والی خاتون اور عالموں اور شاعروں کی بڑی قدردان تھی۔ مکّہ کے لوگ پانی کی کمیابی کی وجہ سے بڑی تکلیف میں تھے۔ زبیدہ نے اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے انہیں ایک نہر بنوا دی۔ جو آج تک موجود ہے۔ اور نہر زبیدہ کہلاتی ہے ٭

سلطنت کی وسعت۔ ہارون الرشید کے زمانے میں بیرونی دُشمنوں کی طرف سے بھی کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔ رومیوں سے کئی معرکے ہوئے۔ اور ہارون انہیں شکست پر شکست دیتا آبنائے باسفورس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ قیصر روم بار بار خراج ادا کرنے کا وعدہ کرتا۔ اور ہارون کے پیٹھ موڑتے ہی وعدے سے پھر جاتا تھا۔ لیکن خلیفہ کی فیاضی کا یہ عالم تھا۔ کہ ہر بار اُسے معاف کر دیتا۔ ایک مرتبہ قیصر روم سے خراج ادا کرنے کا وعدہ لے کر لَوٹا۔ ابھی راستے ہی میں تھا۔ دفعتاً خبر ملی۔ کہ قیصر نے عہد توڑ دیا۔ یہ سُن کر پھر رُوم کی طرف باگیں موڑیں۔ جاڑے کا موسم تھا۔ زمین وآسمان برف سے سفید ہو رہے تھے۔ راستے میں کوہ طارس پڑتا تھا جس کے درے برف سے اَٹے ہوئے تھے۔ لیکن ہارون الرشید ان رُکاوٹوں کو ٹھکراتا بجلی کی طرح رومیوں پر جا پڑا۔ اور دُگنا خراج لے کر پلٹا ٭

خلیفہ ہادی کے زمانے میں نفس زکیّہ کے بھائی ادریس نے مغرب اقصٰے یعنی شمال مغربی افریقہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ لیکن ہارون کے عہد میں وہاں بھی خطبے میں عبّاسی خلیفہ کا نام لیا جانے لگا۔ تُونس

Marfat.com

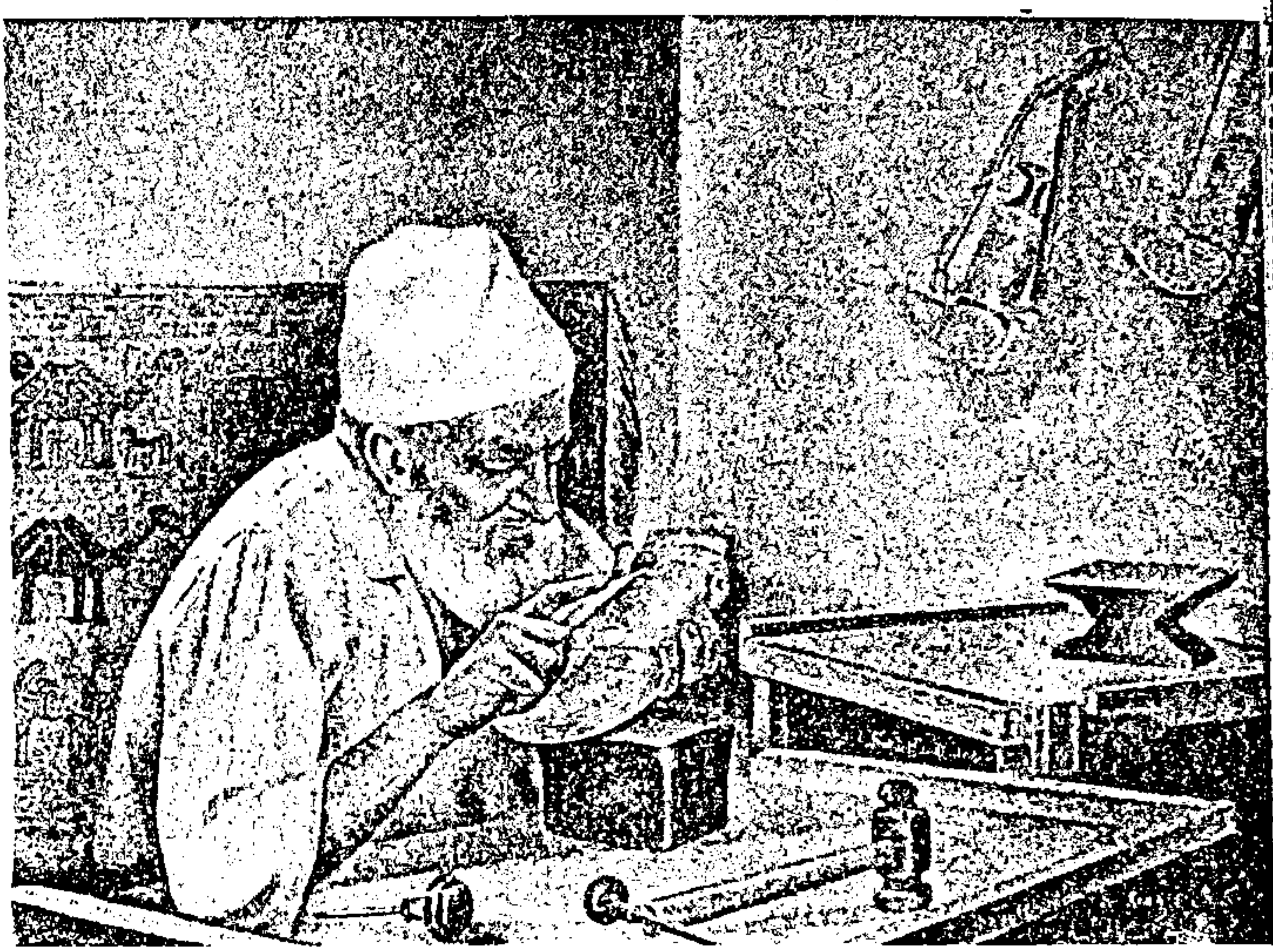

عرب جوہری اور سُنار اپنے کام میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ سُنار چھتوں کی آرائش کا کام بھی کرتے تھے۔ اور اُن پر سُنہری اور روپہلی نقش و نگار بناتے تھے۔ یہ کاریگر خنجر کے قبضہ پر بیل بوٹے بنا رہا ہے

میں ابراہیم بن اغلب کو والی بنا کے بھیجا گیا تھا۔ اس نے بڑی خوبی سے علاقے کا انتظام کیا۔ چنانچہ پشتہا پشت تک اِس سرزمین کی حکومت اُسی کے خاندان میں رہی۔ فرانس کے شہنشاہ شارلمین نے ہارون الرشید کی شوکت و عظمت کا حال سُنا۔ تو اُس کے دربار میں ایلچی بھیجے۔ ہارون نے بھی کچھ امیروں کو تحفے دے کر شارلمین کے پاس بھیجا۔ اِن میں سب سے عجیب تحفہ ایک گھڑی تھی۔ جب گھنٹہ پُورا ہو جاتا۔ تو گھڑی کے اندر سے پیتل کے بنے ہوئے بارہ سوار گھوڑے دوڑاتے نکلتے۔ ساتھ ہی گھڑیال پر موگری پڑتی۔ اور اُس کی صدا سے در و دیوار گونج اُٹھتے۔ سلطنت کی مشرقی سرحد پر آئے دن بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن ہارون الرشید کے اقبال سے ترکستان میں پوری طرح امن رہا۔ منگولیا کے قبیلوں کو بھی سر اُٹھانے کی ہمّت نہ رہی۔ اور اسلامی سلطنت کی سرحد ہندوکش تک جا پہنچی *

برمکی ۔ ہارون الرشید کے اقبال کی کہانی برمکیوں کے عروج و زوال کے تذکرے کے بغیر ادھوری

Marfat.com

رہ جاتی ہے۔ برمکی خاندان کا بانی خالد تھا جس کے باپ دادا بلخ میں بُدھ مت کے پیشوا تھے۔ جب قتیبہ ابن مُسلم نے ترکستان فتح کیا۔ تو خالد بھی اسلام لایا۔ منصور کے زمانے میں اس کی بڑی قدر ہوئی۔ اور وہ عہدۂ وزارت پر جا پہنچا۔ اس خاندان کے لوگ عقل و دانش، تدبیر دانی، اور انتظامی قابلیت میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کی سخاوت کا یہ حال ہے کہ کوئی بھوکا ننگا اُن کے دروازے تک پہنچ جاتا۔ تو مالا مال ہو کر لوٹتا۔ اُنہیں علم و فن کی ترقی کا بھی بڑا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ بغداد کے اکثر عالم فاضل اور شاعر اُن کے دربار سے وظیفے پاتے تھے۔ اُن کی سرپرستی میں دوسری زبانوں کی بہت سی کتابوں کے ترجمے ہوئے۔ اُن کے ہاں آئے دن علمی محفلیں بھی منعقد کی جاتی تھیں۔ جن میں مختلف مسائل پر مباحثے ہوتے تھے۔ بغداد میں اُنہوں نے ایک شفاخانہ قائم کیا تھا۔ جس کا شمار اس شہر کے بڑے بڑے شفاخانوں میں ہوتا تھا۔

خالد کا بیٹا یحییٰ برمکی مدت تک ہارون الرشید کا اتالیق رہ چکا تھا۔ چنانچہ ہارون نے تخت نشین ہونے کے بعد اُسی کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ یحییٰ کے چار بیٹے تھے۔ فضل، جعفر، موسیٰ اور محمد۔ یہ چاروں مُلکی انتظام کا بڑا سلیقہ رکھتے تھے۔ اور بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے۔ یحییٰ بُڈھا ہو گیا۔ تو ہارون نے پہلے فضل کو اپنا وزیر بنایا۔ پھر جعفر کو خلعتِ وزارت ملا۔

ہارون الرّشید کے عہد میں سترہ برس برمکی خاندان ساری سلطنت پر چھایا رہا۔ اور سچ پوچھو۔ تو اس عہد میں لوگوں کو جو خوش حالی نصیب ہوئی۔ اُس میں برمکیوں کی تدبیروں کا بڑا دخل ہے۔ خلیفہ نے انہیں سیاہ و سپید کا مالک بنا رکھا تھا۔ اور اُن کے کام میں بالکل دخل نہیں دیتا تھا۔ اُن کی عزّت اور رُتبہ کو دیکھ کر بعض عرب سرداروں کے دِل میں حسد کی آگ بھڑک اُٹھی۔ فضل بن ربیع نے جو برمکیوں کی مخالفت میں سب سے آگے تھا۔ خلیفہ کے کان بھرنے شروع کیے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جعفر کو ہارُون کے حُکم سے قتل کر ڈالا گیا۔ اور اِس خاندان کے دوسرے لوگ قید کر دیئے گئے۔

امین الرّشید۔ (۸۰۹ء سے ۸۱۳ء تک) ہارون الرشید نے اپنی سلطنت اپنے دو بیٹوں امین اور مامون میں بانٹ دی تھی۔ امین کو عراق، حجاز، مصر، شام کے علاقے دے کر اپنا ولی عہد مقرّر کیا۔ مامون کو خراسان، ترکستان وغیرہ کا حاکم بنایا۔ ساتھ ہی یہ وصیّت بھی کر گیا۔ کہ امین کے بعد

Marfat.com

مون خلیفہ ہوگا۔ امین کی ماں زبیدہ عبّاسی خاندان کی شہزادی تھی۔ اس لئے سارا عبّاسی خاندان بلکہ تمام عرب اُمرا اُس کے طرف دار تھے۔ لیکن اُسے ماں کے لاڈ پیار نے بڑا آرام طلب اور عیش پسند بنا دیا تھا۔ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی اُس نے فضل بن ربیع کو اپنا وزیر مقرر کر کے سارا انتظام اُس پر چھوڑا۔ اور خود عیش و عشرت میں ایسا محو ہوا۔ کہ کسی بات کی خبر ہی نہ رہی ؛

مامون کی ماں ایک خراسانی کنیز تھی۔ اِس لئے فضل بن ربیع نے جسے ایران اور خراسان کے لوگوں سے نفرت تھی۔ اور مامون سے بھی عناد رکھتا تھا۔ امین کو مامون سے بدظن کرنے کے لئے بڑی بڑی چالیں چلیں۔ چنانچہ ابھی ہارون الرّشید کا کفن بھی میلا نہ ہوا تھا۔ کہ دونوں بھائیوں میں پھوٹ پڑ گئی ؛

ہارون الرّشید کی حکومت کے آخری زمانے میں خراسان میں بغاوت پھوٹ پڑی تھی۔ ہارون نے اس بغاوت کو دُور کرنے کے ارادے سے خراسان کا رُخ کیا۔ لیکن طوس پہنچا۔ تو ایسا بیمار ہوا۔ کہ جینے کی اُمید نہ رہی۔ اُس وقت مامون خراسان کے صدر مقام مرو میں فوج لیے پڑا تھا۔ جب ہارون نے دیکھا۔ کہ آخری وقت آپہنچا۔ تو اُس نے اپنے سرداروں کو بُلا کر کہا۔ کہ میرے ساتھ جتنی فوج اور خزانہ ہے۔ یہ مامون کا حصّہ ہے۔ میرے مرنے کے بعد تم اُس کے پاس چلے جانا۔ لیکن فضل بن ربیع کو یہ کب گوارا تھا۔ اُس نے ہارون کی وصیّت کی بھی پروا نہ کی۔ اور فوج اور خزانہ بغداد پہنچا دیا۔ مامون کی ہمّت کو آفرین ہے۔ کہ اس بات پر بھی بھائی سے لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اور چپکا بیٹھا رہا۔ اب فضل ایک اور چال چلا۔ یعنی امین کو مشورہ دیا۔ کہ "آپ مامون کے بجائے اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد مقرّر کر دیجئے"۔ پہلے تو امین نہ مانا۔ لیکن فضل بن ربیع نے اُسے ایسے سبز باغ دکھائے۔ کہ وہ رضامند ہو گیا۔ اور مامون کی جگہ موسیٰ ولی عہد مقرّر ہوا۔ اب مامون کے لئے تلوار اُٹھائے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ اُس کا سپہ سالار طاہر بن حسین امین کی فوجوں کو شکست دیتا ہوا بڑھا۔ اور بغداد کو گھیر لیا۔ یہ محاصرہ کوئی سال بھر رہا۔ اگرچہ امین کی فوج نے بد دل ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اس کے بعض وفادار نوکر، اور بغداد کے عام شہری اس خونصورتی سے لڑے۔ کہ مامون کی فوجوں کے مُنہ پھیر دیئے۔ آخر امین پکڑا گیا۔ اور طاہر کے آدمیوں نے اُسے چپکے سے موت کے گھاٹ اُتار دیا ؛

مامون الرّشید۔ (۸۱۳ء سے ۸۳۳ء تک) مامون کی خلافت کا اعلان ۸۱۳ء

میں ہوا تھا۔ اُس کی خلافت کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ چھ برس تو مرو میں رہا۔ پھر بغداد چلا آیا۔ جب تک مرو تختِ گاہِ خلافت بنا رہا۔ سارے اختیارات مامون کے وزیر فضل بن سہل کے قبضے میں رہے۔ فضل ایرانی تھا۔ عربوں سے اس کا سلوک بھی اچھا نہیں تھا۔ پھر اُس کے اقتدار کا یہ عالم تھا۔ کہ اُس کے اور اُس کے بھائی بندوں کے سامنے کسی دوسرے سردار کا چراغ نہیں جلتا تھا۔ چنانچہ لوگوں کی نظریں پھر حضرت علیؑ کے خاندان کی جانب اُٹھنے لگیں۔ اور جا بجا شورشوں نے سر اُٹھایا۔ ابھی یہ شورشیں پُوری طرح نہیں دبی تھیں۔ کہ خود بغداد میں بغاوت ہو گئی ٭

مامون کو حضرت علیؑ کے خاندان سے بڑی عقیدت تھی۔ اور عام رجحان بھی یہی تھا۔ کہ اسی خاندان کے کسی شخص کو خلیفہ مقرّر کیا جائے۔ چنانچہ اُس نے امام علی رضاؑ کو جو حضرت امام جعفر صادقؑ کے پوتے اور امام موسیٰ کاظمؑ کے فرزند تھے۔ اپنا ولی عہد مقرّر کر دیا۔ بغداد میں یہ خبر پہنچی۔ تو عبّاسی خاندان کے لوگ جواب تک چُپ چاپ بیٹھے تھے۔ اپنے خاندان سے حکومت جاتی دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور ہارون الرّشید کے بھائی ابراہیم کو خلافت کی مسند پر بٹھا دیا۔ اب مامون کی آنکھیں کھُلیں۔ اور فوج لے کر بغداد کا قصد کیا۔ ابھی خراسان کی حد سے نکلنے نہیں پایا تھا۔ کہ کچھ لوگوں نے فضل بن سہل کو قتل کر ڈالا ٭

مامون طوس پہنچ کر ٹھہر گیا۔ کہ ہارون الرشید یہیں دفن ہوا تھا۔ یہاں ایک اور حادثہ پیش آیا۔ یعنی امام رضاؑ جو اِس سفر میں مامون کے ساتھ تھے۔ اچانک انتقال کر گئے۔ مامون کو بڑا افسوس ہوا۔ اُس نے امام رضاؑ کا بڑا عالی شان مزار بنوایا۔ اِس مزار کی وجہ سے طوس کا شہر مشہد کے نام سے مشہور ہے۔ بغداد میں مامون کے آنے کی خبر پہنچی۔ تو ابراہیم کا زور خود بخود ٹوٹ گیا۔ مامون شہر میں داخل ہوا۔ تو لوگوں نے بڑی دُھوم دھام سے اُس کا استقبال کیا۔ غرض اُس کے بغداد پہنچتے ہی سارے فِتنے دب گئے۔ اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔ ابراہیم مدّت تک بھاگا پھرا۔ پھر گرفتار ہو کر کچھ مدّت قید رہا۔ آخر قید سے رہائی پائی۔ اور مامون نے اس کا قصور معاف کر دیا ٭

مامون کو اب احساس ہو چلا تھا۔ کہ جتنے جھگڑے ہیں۔ ایرانیوں اور عربوں کی باہمی دشمنی کی وجہ سے ہیں۔ طاہر بن حسین ایرانیوں کا سرگروہ تھا۔ اگرچہ اُس نے ہر موقع پر بڑی خیر خواہی اور وفاداری کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن امین

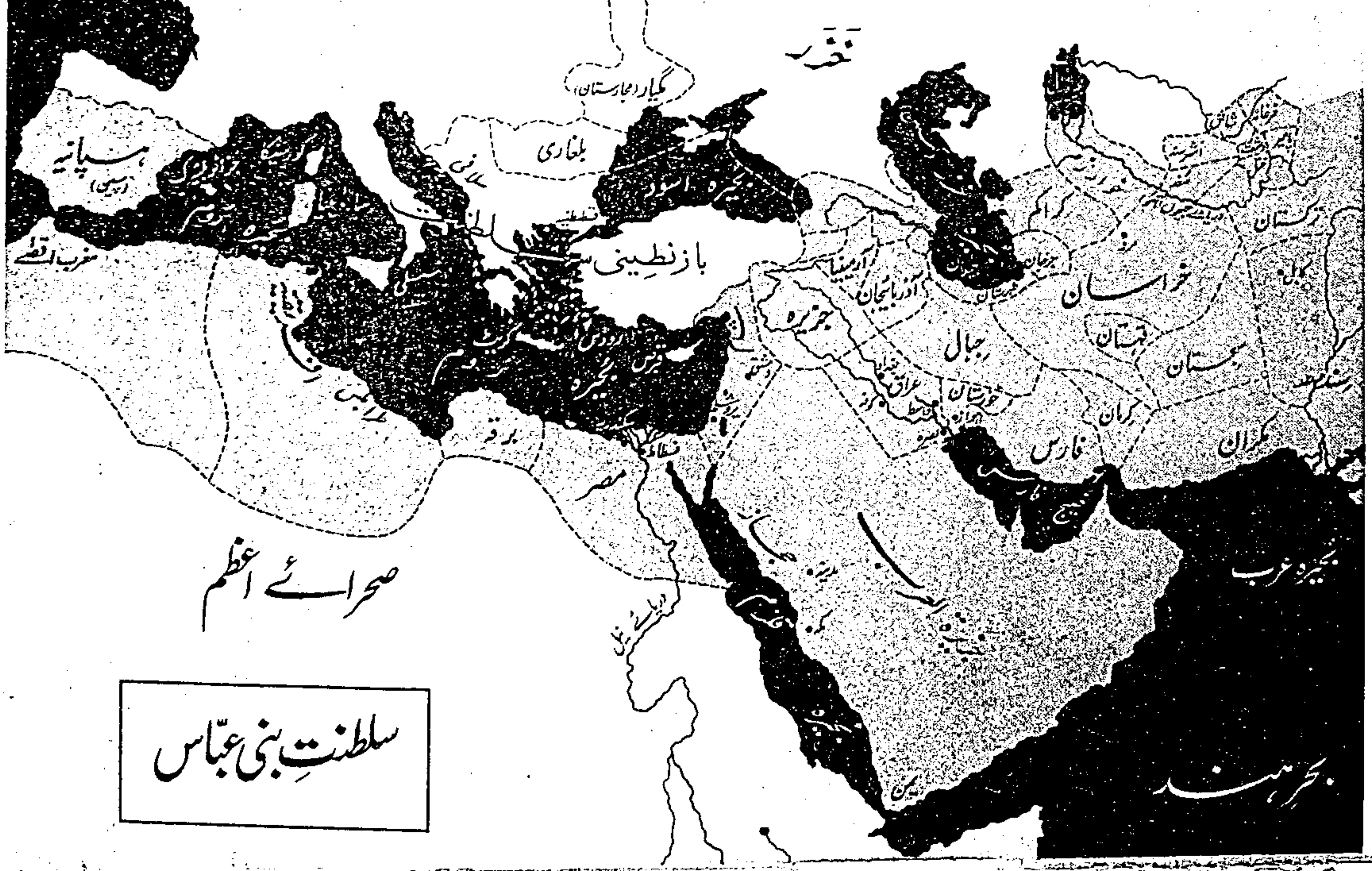

سلطنتِ بنی عبّاس
صحرائے اعظم
بازنطینی سلطنت
بحیرۂ اسود
بلغاری
مگیار (مجارستان)
خزر
ہسپانیہ
مغرب اقصیٰ
برقہ
مصر
جزیرہ
جبال
آذربائیجان
آرمینیا
خراسان
فارس
کرمان
مکران
خوزستان
طبرستان
بحیرۂ روم
بحیرۂ عرب
بحرِ ہند

Marfat.com

کے قتل کا جُرم آسانی سے بھلایا نہیں جا سکتا تھا۔ سارے عرب سردار اور عبّاسی خاندان کے لوگ اُس سے ناراض تھے۔ خود مامون کا دِل بھی اُس کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ آخر ۸۲۰ء میں اُسے خراسان کا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ یہی طاہر بن حسین خراسان کے طاہری خاندان کا بانی ہے۔ یہ خاندان جس میں خاصی مدّت تک حکومت رہی۔ قریب قریب بالکل خود مختار تھا ۔

بحیرہ روم کے دو جزیروں کریٹ اور سسلی پر مسلمان پہلے بھی حملے کر چکے تھے۔ لیکن یہ دونوں جزیرے مامون الرّشید ہی کے عہدِ خلافت میں پوری طرح فتح ہوئے۔ رومیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں۔ اور مامون نے اُنہیں بار بار شکستیں دیں ۔

اخلاق اور عادات ۔ مامون کی چال ڈھال۔ عادات اور خیالات پر غور کرو۔ تو ہارون الرّشید کے سوا عبّاسی خاندان کا کوئی خلیفہ اس کا ہمسر نظر نہیں آتا۔ اور سخاوت میں تو وُہ اپنے باپ سے بھی بڑھ گیا تھا۔ اس کا بڑے سے بڑا دشمن بھی اُس کے سامنے آجاتا تھا۔ تو اُسے معاف کر دیتا تھا۔ فضل بن ربیع نے بڑے بڑے فساد اُٹھائے۔ لیکن مامُون نے اُسے بھی معاف کر دیا۔ جب تک وہ خراسان میں رہا سلطنت کے کاموں سے اُسے زیادہ تعلّق نہیں تھا۔ لیکن بغداد پہنچ کر اُس کی حالت بدل گئی۔ حکومت کا سارا کاروبار خود سنبھالا۔ اور ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ اگرچہ سلطنت کے مختلف حصّوں کی خبریں اُسے برابر پہنچتی رہتی تھیں لیکن اس پر بھی اطمینان نہ ہوا۔ تو خود سارے مُلک کا دَورہ کیا۔ جہاں پڑاؤ ڈالتا۔ لوگ شکایتیں لے کر حاضر ہوتے تھے ۔

عِلم دوستی ۔ مامون نے بیس برس حکومت کی۔ لیکن یہ بیس برس کا عرصہ خلافت عبّاسی کے انتہائی عروج و اقبال کا زمانہ ہے۔ مامون کے دربار میں مُلک مُلک کے عالم فاضل، ادیب، طبیب، شاعر اور فلسفی موجود تھے۔ یہ لوگ سب کے سب مسلمان نہیں تھے۔ بلکہ اُن میں سے بعض دوسرے مذہبوں کے پَیرو تھے۔ مامون خود بڑا عالم فاضل تھا۔ اور قرآن و حدیث اور فقہ پر بڑا عبور رکھتا تھا۔ منگل کے روز کچھ دِن چڑھے ہر مذہب کے عالِم اور ہر فن کے کامل خلیفہ کے محل میں جمع ہوتے تھے۔ مامون بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ اس طرح فرش پر جا بیٹھتا۔ گویا ان میں نہ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا۔ بلکہ سب کے سب بے تکلّف دوست ہیں۔ اس مجلس میں

Marfat.com

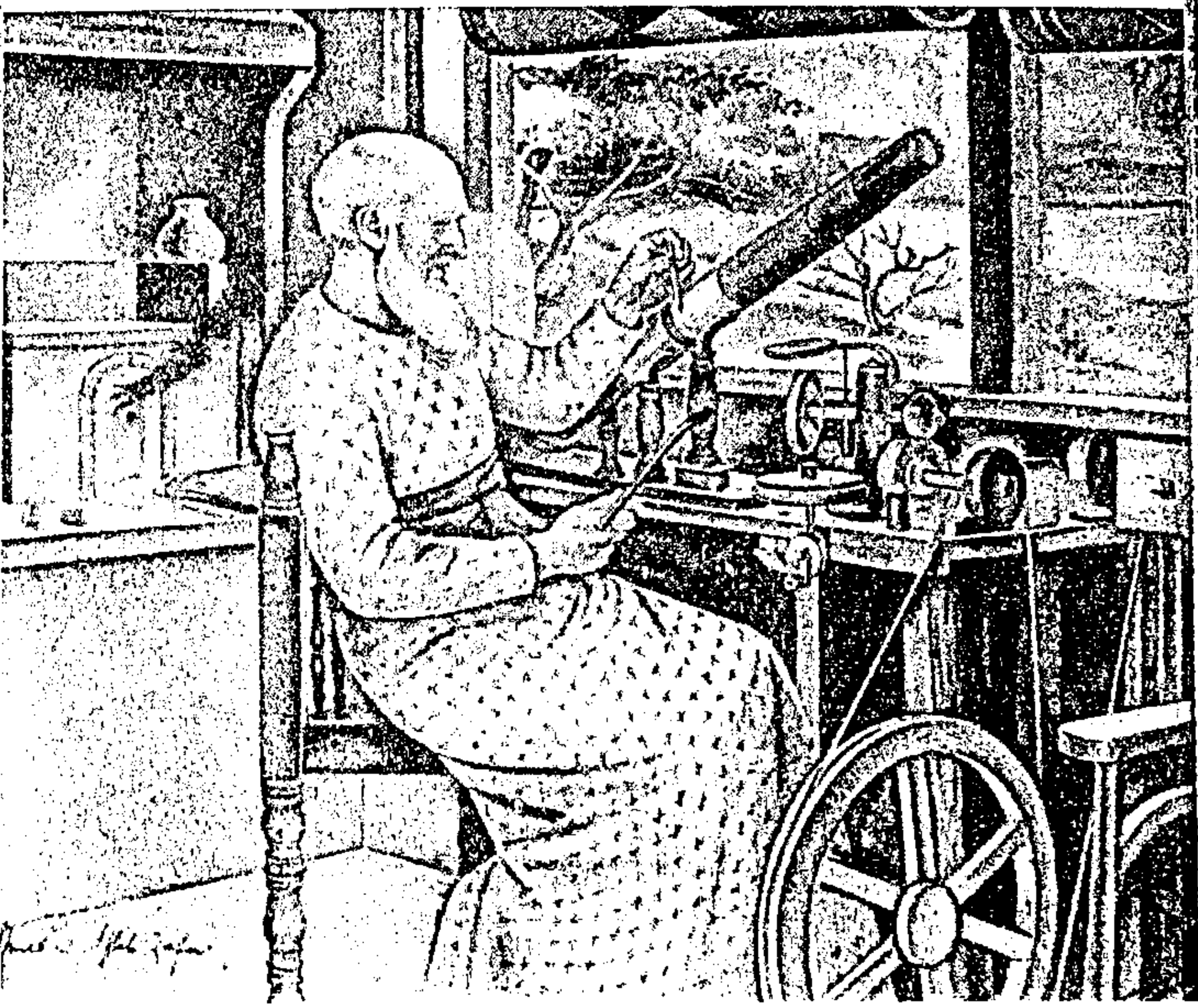

دُوربین کا موجد ابوالحسن اپنی کارگاہ میں

فلسفہ اور مذہب پر بحثیں ہوتیں۔ ہر شخص آزادی سے گفتگو کرتا۔ مامون خود بھی ان بحثوں میں حصّہ لیتا تھا ٭

بیت الحکمۃ کی بُنیاد ہارون الرشید نے ڈالی تھی۔ مامون نے اُسے بڑی ترقی دی۔ اس کے ایک حصے میں کُتب خانہ تھا۔ دوسرے حصّوں میں کتابوں کا ترجمہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ یونانی، فارسی، سنسکرت وغیرہ زبانوں کی بہت سی کتابوں کو عربی کا لباس پہنایا گیا ٭

اس زمانے میں مسلمانوں نے علمی تحقیق کے ساتھ ساتھ ایجادات کی طرف بھی توجّہ کی۔ چنانچہ اس زمانے کے ایک عالِم ابوالحسن نے دُوربین ایجاد کی۔ مامون کے حُکم سے بغداد کے ایک دروازے کے قریب جو شمّاسیّہ کہلاتا تھا۔ رصدگاہ تعمیر ہوئی۔ اس کے بعد جا بجا دوسری رصدگاہیں تعمیر کی گئیں۔ ستاروں کے متعلّق بہت سی اہم باتیں معلوم کی گئیں۔ ایک مرتبہ مامون نے حُکم دیا۔ کہ زمین کی پیمائش کی جائے۔ چنانچہ عالموں نے حساب لگا کر

Marfat.com

زمین کا گھیر معلوم کیا۔ اس موقع پر یہ نہیں بھولنا چاہیئے۔ کہ اس زمانے میں یورپ کے لوگ زمین کے گول ہونے کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ اُسے چپٹا سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ دَوَاؤں کی خاصیّت اور فنِ جرّاحی کے اصولوں کے متعلق بھی بہت سی نئی باتیں دریافت ہوئیں ٭

بغداد تو ہارون کے زمانے ہی میں بڑی ترقی کر چکا تھا۔ مامون کے عہد حکومت میں اُس نے اور ترقی کی۔ اور دُنیا کے کونے کونے سے لوگ کھچ کھچ کر اس شہر میں پہنچنے لگے۔ یہ شہر جو دجلہ کے دونوں کناروں پر پھیلا ہوا تھا۔ بڑا وسیع تھا۔ اور اُس میں ہر مذہب و ملّت کے لوگ آباد تھے۔ مامون کے زمانے میں بغداد کی آبادی بیس لاکھ سے زیادہ تھی ٭

معتزلہ۔ معتزلہ مسلمانوں کا ایک فرقہ تھا۔ جس کا تھوڑا سا حال پہلے آچکا ہے۔ مامون کے زمانے میں اس فرقے نے بڑی ترقی کی۔ مامون کو فلسفہ سے بڑی دلچسپی تھی۔ اور اُس کے خیالات پر اِس فرقہ کے عقائد کا بڑا گہرا اثر پڑا تھا۔ اُس زمانے کے بعض عالموں نے جن میں امام احمد بن حنبلؒ پیش پیش نظر آتے تھے۔ معتزلہ کی مخالفت کی۔ مامون اگرچہ بڑا روشن خیال شخص تھا۔ لیکن اس موقع پر اُس سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی۔ کہ اس نے معتزلہ کی حمایت کے جوش میں امام صاحب اور بعض دوسرے علماء پر بڑی سختیاں کیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جگہ جگہ معتزلہ کی مخالفت ہونے لگی۔ چنانچہ متوکّل کی حکومت کے زمانے میں اِس فرقے کا زور بالکل ٹوٹ گیا ٭

ابو اسحاق محمد معتصم باللہ۔ (۸۳۳ء سے ۸۴۲ء تک) مامون نے اپنے بھائی معتصم باللہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اگرچہ معتصم نے بڑی خوبی سے سلطنت کا انتظام سنبھالا۔ اور ماموں کے زمانے سے حکومت کا جو انداز چلا آتا تھا۔ اُس میں فرق نہ آنے دیا۔ لیکن فوج میں ایرانی بھرے ہوئے تھے۔ جو معتصم کی بجائے مامون کے بیٹے عبّاس کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ معتصم نے اس کا توڑ یہ کیا۔ کہ ایرانیوں کے مقابلے میں تُرکوں کو بڑھایا۔ یعنی ایک اور فوج بھرتی کی۔ جس میں یوں تو مصر اور افریقہ کے ساحلی علاقوں کے لوگ بھی شامل تھے۔ لیکن اُس میں زیادہ تعداد تُرکوں کی تھی۔ اس معاملے میں معتصم نے سخت غلطی کی۔ جس کا خمیازہ اُس کے جانشینوں کو بھگتنا پڑا۔ اِس میں کوئی شک نہیں، کہ تُرک بڑے دلیر سپاہی تھے۔ اور شروع شروع میں وہ بہت مفید ثابت ہوئے۔ لیکن وہ

عبّاسی عہد کا ایک تُرک سپاہی ←

Marfat.com

Marfat.com

نہ تو عبّاسی خلافت کے وفادار تھے۔ نہ خلیفہ سے انہیں کوئی ہمدردی تھی۔ پھر ان کی طبیعت میں بڑا اکھڑپن بھی تھا۔ اور وہ اپنی طاقت و قوّت کے غرور میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ چنانچہ اُن کی تعداد جُوں جُوں بڑھتی گئی۔ ان کی طاقت بھی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ معتصم کے جانشین اُن کے ہاتھوں میں بالکل کٹ پُتلی ہو کر رہ گئے۔

سامرہ۔ معتصم کے عہد میں ترکوں کی فوج عربوں اور ایرانیوں کی فوج سے الگ تھی۔ شروع شروع میں تو تُرکوں کی فوج بھی بغداد ہی کی چھاؤنی میں رہتی تھی۔ لیکن عرب اور ایرانی سپاہیوں سے آئے دِن اُن کے جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ اور شہر والے بھی اُن کے ظُلم سے محفوظ نہیں تھے۔ چنانچہ معتصم نے سامرہ کی بستی میں جو بغداد سے ساٹھ میل کے فاصلے پر تھی۔ ایک نئی چھاؤنی بنوائی۔ جہاں ڈھائی لاکھ تُرک سپاہیوں کے رہنے کا انتظام کیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد خلیفہ نے اپنے لئے بھی وہیں محل بنوایا۔ اور بغداد کی جگہ سامرہ دارالخلافہ قرار پایا۔ چنانچہ یہ شہر ۵۶ برس تک عبّاسی خلافت کا مرکز بنا رہا۔

خلافت عبّاسیہ کا زوال۔ معتصم نے پہلی غلطی تو یہ کی۔ کہ عربوں اور ایرانیوں کے مقابلے میں ترکوں کو بڑھایا۔ پھر اس سے دوسری غلطی یہ ہوئی۔ کہ خود بھی سامرہ چلا گیا۔ جہاں تُرک ہی تُرک چھائے ہوئے تھے۔ معتصم کے زمانے میں تو تُرکوں کو سر اُٹھانے کی جُرأت نہ ہوئی۔ لیکن اس کی وفات کے بعد تُرک سرداروں نے ایسا زور پکڑا۔ کہ خلیفہ کی کوئی حیثیت ہی نہ رہی۔

اگرچہ معتصم کے زمانے ہی میں حکومت کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ تاہم اس خلیفہ کا زمانہ بظاہر ہارون اور مامون کے زمانے سے کم نظر نہیں آتا۔ معتصم کو علم و فن سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ بالکل اکھڑ سپاہی تھا تاہم ملکی انتظام کا سلیقہ ضرور رکھتا تھا۔ مامون کے زمانے میں رومیوں سے جو لڑائیاں ہوئی تھیں۔ ان میں معتصم نے اپنی بہادری کے خُوب خوب جوہر دکھائے تھے۔ اپنی خلافت کے زمانے میں بھی اُس نے رومیوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ مامون کے عہد حکومت میں آذربائیجان کے پہاڑوں میں بڑے زور کی بغاوت ہوئی تھی۔ مامون رومیوں کی لڑائیوں میں اُلجھا ہوا تھا۔ اِس لئے اِدھر توجّہ کرنے کی فرصت نہ ہوئی۔ معتصم نے اِس بغاوت کو بالکل کُچل کے رکھ دیا۔

معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ (۸۴۲ء سے ۸۴۷ء تک) تخت پر بیٹھا۔ مامون کی طرح وہ

Marfat.com

بھی بڑا علم دوست شخص تھا۔ لیکن اس میں اپنے چچا کی دوسری خوبیاں موجود نہیں تھیں۔ اُس کے زمانے میں تُرکوں کو زیادہ اختیارات حاصل ہوگئے۔ خیر واثق جو کچھ تھا۔ پھر بھی بہت غنیمت تھا۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی عبّاسیوں کی شان و شوکت ختم ہوگئی۔ واثق کے بعد جو لوگ تختِ خلافت پر بیٹھے۔ وہ صرف نام کے خلیفہ تھے۔ خلیفہ کو بے بس پاکر صُوبوں کے حاکم بھی خود مختار ہوگئے۔ صُوبوں پر خلیفہ کا اقتدار صرف اسی قدر تھا۔ کہ خطبے میں اُس کا نام لے لیا جاتا تھا۔

اِدھر دار الخلافہ میں تُرکوں کے اختیار کا یہ عالم تھا۔ کہ جسے چاہتے تھے۔ تختِ خلافت پر بٹھا دیتے تھے۔ اور جو خلیفہ اُن کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتا۔ اُسے خلافت سے اُتار دیا جاتا تھا۔ معزول خلیفہ کو تُرک سردار یا تو قید کر دیتے تھے۔ یا اُسے تلوار کے گھاٹ اُتار دیا جاتا تھا۔ واثق کے چھوٹے بھائی متوکّل باللہ (۸۴۷ء سے ۸۶۱ء تک) نے جو اپنے بھائی کی جگہ تخت نشین ہوا تھا۔ عربوں کو ساتھ ملا کر تُرکوں کا زور توڑنا چاہا۔ لیکن اُن کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور اُس کے قتل نے خلافت کا رہا سہا وقار بھی ختم کر دیا۔ اب بغداد اور اُس کے آس پاس کے علاقے میں تُرکوں کی حکومت تھی۔ باقی صُوبوں میں خود مختار بادشاہتیں قائم ہو چکی تھیں۔ یہ فرمانروا آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ اِن خانہ جنگیوں سے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ لیکن اِن چھوٹے چھوٹے حکمران خاندانوں میں سے کئی ایسے دلاور اُٹھے۔ جن کے کارناموں کی بدولت اسلامی سلطنت کے زمانۂ زوال میں بھی عہدِ اقبال کی چمک دمک نظر آجاتی ہے ٭

Marfat.com

عبّاسیوں کا عہدِ زوال، اور خود مختار حکومتیں

عبّاسیوں کے اقبال کی بہار صرف سو برس تک رہی۔ اس کے بعد دو سو برس تک تُرک سلطنت پر چھائے رہے۔ وہ جسے چاہتے خلافت کی مسند پر بٹھا دیتے۔ اور جب چاہتے اُسے اُتار کر کسی دوسرے کو خلیفہ بنا دیتے تھے۔ لیکن ان تُرک سرداروں کا اقتدار صرف اُسی علاقے میں تھا۔ جو دو دریاؤں یعنی دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے صوبوں کے حکمران آہستہ آہستہ خود مختار ہو گئے تھے۔ دسویں صدی کے وسط تک یہی حال رہا۔ پھر اقتدار کی باگ ڈور بویہ خاندان کے سرداروں کے ہاتھ آ گئی۔

خود مختار حکومتیں ۔ تمہیں یہ معلوم ہے۔ کہ ہسپانیہ تو منصور ہی کے زمانے میں خود مختار ہو چکا تھا۔ خلیفہ ہادی کے زمانے میں حضرت علیؑ کے خاندان کا ایک شخص جس کا نام ادریس تھا۔ بھاگ کر مراکش چلا گیا۔ وہاں اُس نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ جو تقریباً دو سو برس تک قائم رہی۔ ہارون الرّشید نے تُونس کا علاقہ ابراہیم بن اغلب کے حوالے کر دیا تھا۔ چنانچہ اغلبی خاندان میں کوئی سو برس تک حکومت چلی۔ اغلبیوں کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے۔ کہ سِسلی کا جزیرہ اُنہیں کی ہمّت اور کوشش سے فتح ہوا۔ افریقہ کے مُلکوں میں سے مِصر مدت تک خلافت عبّاسی کے قبضے میں رہا۔ لیکن آخر وہاں بھی طولونی خاندان نے اپنی حکومت قائم کر لی۔

مِصر کی طولونی حکومت کا بانی احمد بن طولون شروع میں ایک تُرک سپاہی تھا۔ لیکن اپنی لیاقت اور کاردانی کی بدولت ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا مصر کی حکومت کے مرتبہ پر جا پہنچا۔ اُس نے مِصر کے علاوہ شام پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اور اپنے زمانے کے بڑے طاقتور حکمرانوں میں سے سمجھا جاتا تھا۔ اس نے عکّا کی بندرگاہ کو بہت مضبوط کیا۔ چنانچہ اُس کا سمندری بیڑا یہیں رہتا تھا۔ سکندریہ کی نہر بند پڑی تھی۔ اُسے صاف کرایا۔ جگہ جگہ حوض بنوائے آبپاشی کا انتظام کیا۔ مقیاس النّیل بنوایا۔ جس سے نیل کے اُترنے چڑھنے کا حال معلوم ہوتا رہتا تھا۔ اُس نے اپنے دارالحکومت میں بہت سی شاندار عمارتیں بھی بنوائیں۔ اُنہیں میں سے ایک عظیم الشّان جامع مسجد بھی تھی۔ جو آج تک موجود ہے۔ اور جامِع طولونیہ کہلاتی ہے۔ طولونی خاندان کی حکومت زیادہ مدّت نہ رہی۔ کچھ عرصے کے

Marfat.com

بعد ایک اور تُرک سردار نے جو اخشید کے لقب سے مشہور تھا۔ مِصر میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اخشیدی خاندان کی حکومت میں مِصر کے علاوہ شام، فلسطین اور حجاز بھی شامل تھے۔ آخر ۹۶۹ء میں ایک خاندان نے جو فاطمی کہلاتا تھا۔ اخشیدیوں سے حکومت چھین لی۔ اخشیدی خاندان کے زمانے میں ایک سیاہ فام غلام کافور نے بڑا عروج حاصل کیا۔ اور اخشیدی خاندان کے دو حکمرانوں کے نام پر خاصی مدّت تک حکومت کرتا رہا۔ دراصل اِس دَور میں اخشیدیوں کا صِرف نام ہی نام تھا۔ مُلک کا اصل حکمران کافور تھا ٭

شمالی افریقہ کی طرح ایران میں بھی یکے بعد دیگرے کئی حکومتیں قائم ہوئیں۔ تم پڑھ چکے ہو۔ کہ مامون الرّشید نے اپنے سپہ سالار طاہر کو خراسان کا حاکم مقرّر کر کے بھیجا تھا۔ اس خاندان میں کوئی پچاس برس حکومت رہی۔ پھر صفّاریوں اور سامانیوں نے زور پکڑا۔ صفّاری خاندان کا بانی یعقوب بن لیث سیستان میں پیتل کا کام کرتا تھا۔ وہ پہلے سیستان اور ہرات کا حاکم بنا۔ پھر خراسان اور فارس پر قبضہ کر کے خلیفہ معتمد باللہ سے اس علاقے کی حکومت کی سند

ابن طولون کے زمانے میں مقیاس النّیل بنایا گیا۔ جس کے ذریعے نیل کے اُترنے چڑھنے کا حال معلوم ہوتا رہتا تھا

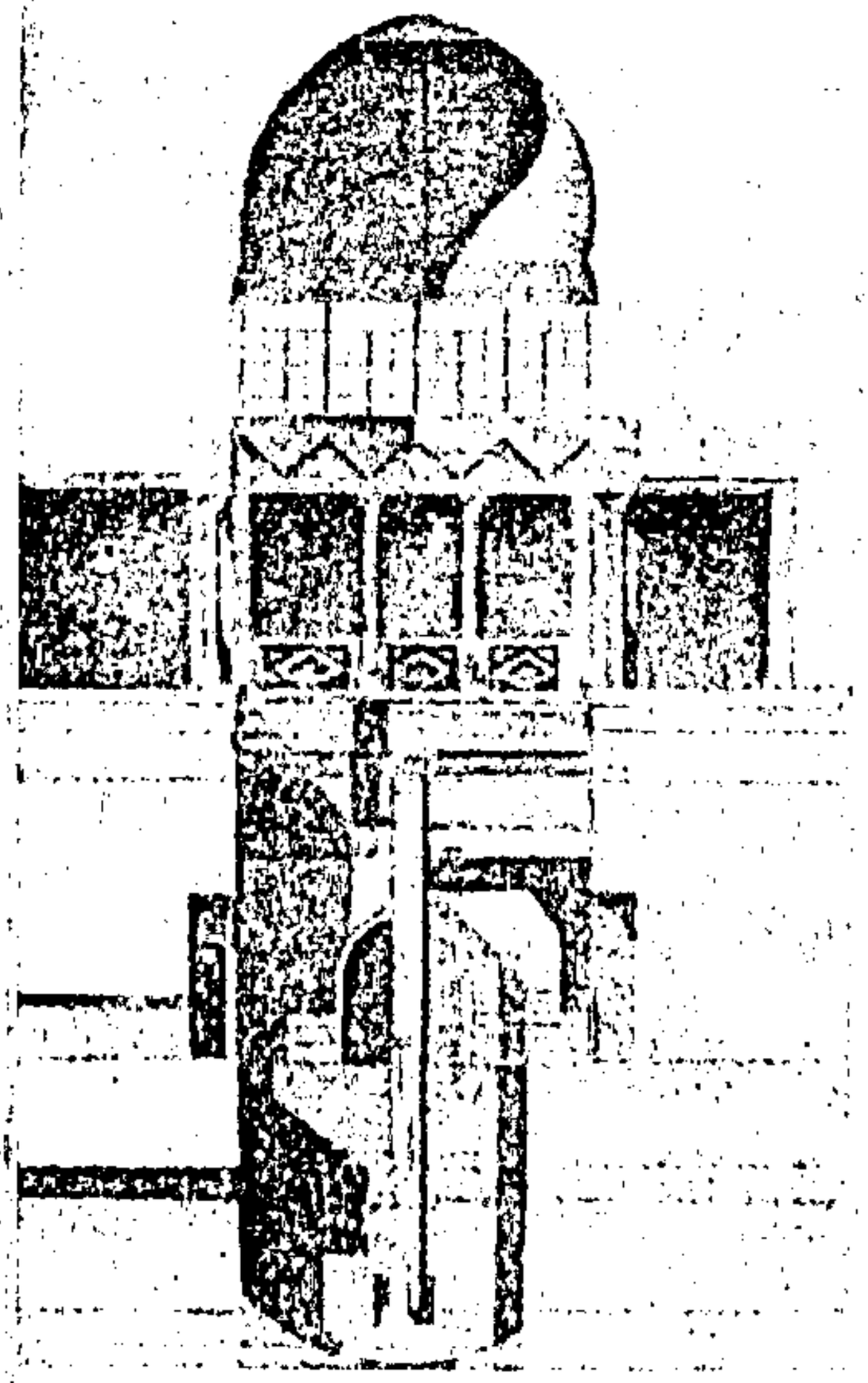

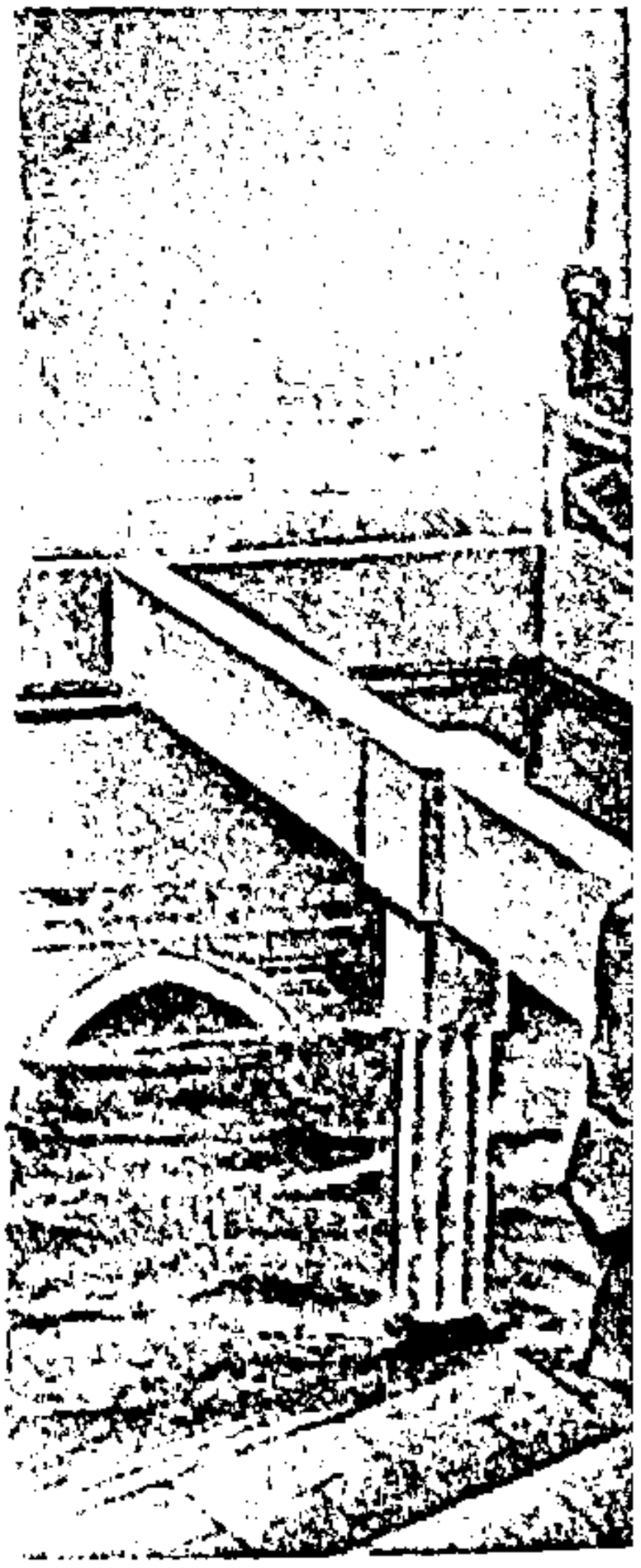

Marfat.com

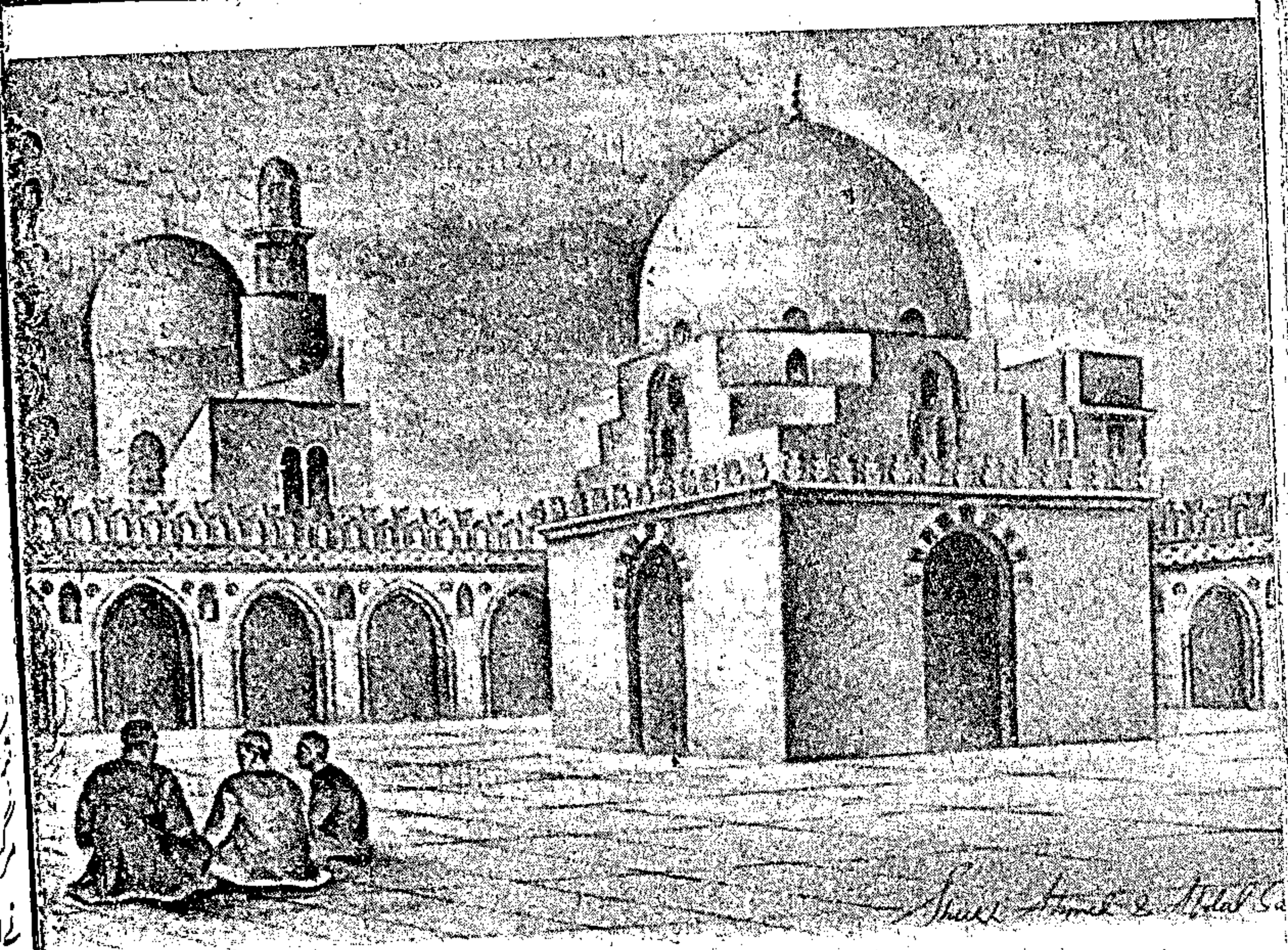

قاہرہ کی مسجد ابن طولون

حاصل کرلی ⁘

سامانیوں نے بھی اِسی طرح عروج حاصل کیا۔ یعنی پہلے وہ طاہریوں کی طرف سے ماوراء النہر اور فرغانہ کے حاکم مقرّر ہوئے۔ پھر خلیفہ سے حکومت کی سند پاکر خود مختار ہوگئے۔ امیر اسمٰعیل اس خاندان کا پہلا خود مختار حکمران تھا۔ یعقوب بن لیث کے بھائی عمرو بن لیث نے جو یعقوب کی وفات کے بعد اُس کا جانشین ہوا تھا۔ اسمٰعیل کا مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھاکر اپنا سارا مُلک چھنوا بیٹھا۔ اب اسمٰعیل کی سلطنت بڑے وسیع علاقے میں پھیل گئی۔ جس کا ایک سرا چین سے اور دوسرا خلیج فارس سے ملا ہوا تھا۔ بلخ، مرو، نیشاپور، سمرقند، ہرات، اصفہان، رے اس سلطنت کے بڑے بڑے شہر تھے۔ اور بُخارا اس کا پایۂ تخت تھا ⁘

سامانیوں کی حکومت کوئی ڈیڑھ سو برس تک قائم رہی۔ اِس زمانے میں بخارا اور سمرقند علم و فن کے بڑے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ خاص طور پر بخارا میں بڑے علمی چرچے رہتے تھے۔ چنانچہ امام بُخاریؒ جنہوں نے بڑی محنت

اور جانفشانی سے حدیثیں جمع کیں۔ اِسی خاک سے اُٹھے تھے۔ امیر اسمٰعیل اور اُن کے جانشین بڑا علمی ذوق رکھتے تھے۔ اُنہوں نے بُخارا میں کئی مدرسے بنوائے۔ جن میں لوگ دُور دُور سے آکر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ عربی کے ساتھ ساتھ فارسی کو بھی ترقی دی چنانچہ دفتروں کا کاروبار فارسی میں ہونے لگا۔ اِس زمانے میں فارسی شاعری نے بڑا عروج پایا۔ اور کئی نامور شاعر پیدا ہوئے۔ محمد ابن زکریا رازی اس عہد کا نامور طبیب تھا۔ سامانی فرمانروا اس کے بڑے قدردان اور سرپرست تھے۔ بوعلی سینا اگرچہ اِس زمانے میں نوعمر تھا۔ لیکن اُس نے بھی ایک سامانی حکمران کی قدردانی کی بدولت شہرت حاصل کی +

سامانیوں کی سلطنت جس طرح قائم ہوئی تھی۔ اُسی طرح ختم بھی ہوگئی۔ ۹۶۲ء میں سامانیوں کا ایک ترک غلام الپتگین غزنی میں خود مختار ہوگیا۔ اُس کے بعد اُس کا بیٹا مسندِ حکومت پر بیٹھا۔ لیکن سال بھر کے اندر وُہ مرگیا۔ تو امیروں نے اُس کے داماد سُبکتگین کو جو خود بھی شروع میں ایک تُرک غلام تھا۔ اپنا فرمانروا بنایا۔ سُبکتگین نے اپنی بادشاہت کو ترقی دی۔ اور لاہور کے راجہ کو شکست دے کر پنجاب آپہنچا۔ اس زمانے میں سامانیوں کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ سبکتگین کے بااقبال بیٹے محمود نے ان بکھرے ہوئے اجزا کو سمیٹا۔ اور ہندوستان سے خراسان تک چھا گیا۔ محمود نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے۔ راجپوتوں کو بار بار شکستیں دیں۔ اور اُنہیں ریلتا دھکیلتا سمندر کے کنارے جا پہنچا۔ ہندوستان کے مغربی ساحل پر سومنات ایک مقام ہے۔ یہاں محمود نے راجپوتوں کی متحدہ فوج کو بڑی سخت شکست دی۔ پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ اور اس طرح ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بُنیاد ڈال گیا۔ غزنوی خاندان کی حکومت ۱۱۸۶ء تک قائم رہی +

سلطان محمود غزنوی بھی دوسرے فرمانرواؤں کی طرح عباسی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتا تھا۔ چنانچہ اُسے خلیفہ کی طرف سے یمین الدولہ کا خطاب عطا ہوا تھا۔ محمود شعر و سخن اور علم و فن کا بھی بڑا قدردان تھا۔ چنانچہ اُس کی قدردانی کی بدولت بڑے بڑے عالم اور ہر فن کے کامل غزنی میں جمع ہوگئے تھے۔ اِن میں اُس زمانے کا مشہور شاعر فردوسی بھی تھا۔ عُتبی اس کے دربار کا مؤرخ تھا جس نے عربی زبان میں محمود کے عہد کی تاریخ لکھی ہے۔ البیرونی جو ہیئت، منطق، اور اقلیدس میں کمال رکھتا تھا۔ محمود کے دربار میں مدّت تک رہا۔ اس نے ہندوستان کے اکثر حصّوں کی سیر کی۔ سنسکرت زبان سیکھی۔ اور ہندوؤں کے مذہب، معاشرت اور اُن کے علوم و فنون

کے متعلق کئی کتابیں لکھ گیا +

محمود تخت پر بیٹھا۔ تو غزنی ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ لیکن محمود کی حکومت کے زمانے میں اس شہر نے بڑی رونق پائی۔ جابجا مسجدیں، مدرسے، کارواں سرائیں، اور حمام، محل اور حویلیاں تعمیر ہوئیں۔ سلطان نے ایک قلعہ بنوایا۔ جو قصر فیروزہ کہلاتا تھا۔ اسی میں شاہی محل تھا۔ وہیں دربار لگتا تھا۔ ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کی۔ اُس کے پہلو میں اُسی شان و شوکت کا ایک مدرسہ بنوایا۔ اور اس کے کتب خانے میں نایاب کتابیں جمع کیں۔ اِن باتوں کے ساتھ ساتھ محمود انتظام ملکی کا بھی بڑا سلیقہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس کے عہد میں رعایا بڑی خوش حال تھی اور سلطنت کے مختلف حصّوں میں پُورا پُورا امن تھا +

خاندان بُویہ کا عروج ۔ جن دنوں خراسان اور ماوراء النّہر میں سامانی خود مختاری کے نشان لہرا رہے تھے۔ اور شمالی افریقہ پر فاطمی چھائے جا رہے تھے۔ بغداد میں تُرکوں کو ایسا عروج حاصل ہوا۔ کہ اُن کا سردار امیر الامرا کہلانے لگا۔ اگرچہ امیر الامراء کا اقتدار بھی بغداد اور اُس کے نواح کے علاقے تک محدود تھا۔ موصل میں حمدانی سرداروں نے جو عرب نسل سے تھے۔ اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی تھی۔ اہواز اور بصرہ پر بھی عباسی خلیفہ کا کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔ تاہم خطبہ میں امیر الامراء کا نام خلیفہ کے نام کے ساتھ ساتھ لیا جاتا تھا +

اِن دنوں ایک اور خاندان بڑا زور پکڑ رہا تھا۔ بحیرہ خزر کے جنوب مغربی ساحل پر ایک قبیلہ آباد تھا۔ جو دیلمی کہلاتا تھا۔ اِس قبیلے کے لوگ حضرت علیؑ کے خاندان کے ایک شخص کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ اور سامانیوں سے پہلے رے، جرجان اور طبرستان اور پھر فارس کا علاقہ چھین کر یہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ آگے چل کر اس خاندان کی بھی دو شاخیں ہو گئیں۔ ایک شاخ کے قبضے میں رے کی حکومت رہی۔ دوسری کے ہاتھ فارس کا علاقہ آیا۔ فارس کا حکمران علی بن بُویہ تھا۔ جو اُس زمانے کے بڑے طاقتور سرداروں میں سمجھا جاتا تھا۔ جب تُرکوں کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا۔ تو عباسی خلیفہ مستکفی باللہ نے علی بن بویہ کو لکھا۔ اس نے اپنے بھائی احمد کو بہت بڑی فوج دے کر بغداد بھیجا۔ اُس کی آمد کی خبر سُن کر تُرک بھاگ کھڑے ہوئے۔ خلیفہ نے احمد بن بویہ کو معزّ الدّولہ کا خطاب اور امیر الامرا کا عہدہ بخشا۔ لیکن خود خلیفہ کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ بویہ خاندان کے دیلمی سرداروں نے پہلے سلطان پھر شہنشاہ کا لقب اختیار کیا۔ خطبہ میں خلیفہ کے نام کے ساتھ ساتھ اُن کا نام بھی لیا جاتا تھا۔ بلکہ سکّہ پر بھی اُن کا

Marfat.com

نام ہوتا تھا۔ خلیفہ اُن کا وظیفہ خوار تھا۔ جسے اپنے اخراجات کے لئے پانچ ہزار دینار روزانہ ملتے تھے ٭

اگرچہ اِس زمانے میں خلیفہ کی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی۔ جب امیر الامرار کو اُس کی ضرورت پڑتی۔ وُہ محل سے اُٹھ کے دربار میں چلا آتا تھا۔ اور اس بیچارے کو یہ معلوم ہی نہیں تھا۔ کہ یہ محل سے اُٹھ کے دربار میں چلے آنا اور وہاں سے اُٹھ کے پھر محل میں چلے جانا کیا ہے۔ تاہم اِس میں کوئی شک نہیں کہ دیلمی سرداروں نے رفاہِ عام کے لیئے بہت کچھ کیا۔ اُنہوں نے مدرسے اور شفاخانے کھولے۔ اور اُن کی قدردانی کی بدولت فلسفہ، ہیئت، اور شاعری کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔ ترجمہ کا دَور تو عبّاسیوں کی حکومت کے ابتدائی عہد ہی میں ختم ہو چکا تھا۔ اِس زمانے میں بڑے بڑے عالِم علمی تحقیقات میں مصروف تھے۔ اور مختلف علوم کے متعلق عربی میں کتابیں لکھی جا رہی تھیں خاندان بویہ کے سرداروں میں معزّالدّولہ کے بھتیجے عضدالدّولہ نے سب سے زیادہ ناموری حاصل کی۔ اُس نے نہریں کُھدوائیں۔ مسجدیں بنوائیں۔ ضلعوں اور قصبوں میں شفاخانے قائم کیئے۔ خاص طور پر اُس نے بغداد میں جو شفاخانہ بنوایا تھا۔ وہ کئی حیثیتوں سے بے مثال سمجھا جاتا تھا۔ یہ شفاخانہ اصل میں میڈیکل یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اس میں نامی نامی طبیب لکچر دینے کے لئے مقرّر تھے۔ عضدالدّولہ کے جانشینوں نے بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر علمی کاموں میں حصّہ لیا۔ اُن میں سے ایک نے ایک رصدگاہ تعمیر کرائی۔ دوسرے نے بیت الحکمۃ کے انداز کا ایک محکمہ قائم کیا۔ جس کے ایک حصّے میں تصنیف و تالیف کا کام ہوتا تھا۔ دوسرے میں کُتب خانہ تھا۔ لیکن کچھ مدّت کے بعد بویہ خاندان کے دیلمی سرداروں کے اقبال کا آفتاب ڈھلنے لگا۔ سلجوقی تُرک ماوراء النّہر سے اُٹھ کے سارے ایران اور ترکستان پر چھا گئے۔ اور اُن کے سردار طغرل بیگ کے ہاتھوں دیلمیوں کو بغداد سے نکلنا پڑا۔ سلجوقیوں کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔ پہلے فاطمی خلافت کا تھوڑا سا حال سُن لو ٭

مصر کی فاطمی خلافت۔ (۹۰۹ء سے ۱۱۷۱ء تک)

بویہ خاندان کے عروج کے زمانے میں مصر کے علاوہ شام کا شمال مغربی حصّہ اور شمالی میسوپوٹیمیا، عبّاسی خلیفہ کے قبضے سے نکل گئے تھے۔ اور اس کی حکومت کا دائرہ ایران اور عراق تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ اِن دنوں شمالی افریقہ میں ایک نئی حکومت بڑا زور پکڑ رہی تھی۔ امام جعفر صادقؑ کا تھوڑا سا حال تم پڑھ چکے ہو۔ اُن کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام موسیٰ کاظمؑ تھا۔ دوسرے کا نام اسمٰعیل۔ امام جعفر صادقؑ کے بعد اکثر لوگوں نے امام موسیٰ کاظمؑ کو امام مان لیا۔ لیکن کچھ لوگ

Marfat.com

Marfat.com

اسمٰعیل کو امامت کا حق دار سمجھتے تھے۔ اور اسمٰعیلی کہلاتے تھے۔ دسویں صدی کے شروع میں کچھ اسمٰعیلی تونس پہنچے۔ اور بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ کچھ عرصہ میں اُنہوں نے ایسا زور باندھا۔ کہ اغلبی خاندان سے حکومت چھین کر ۹۰۹ء میں اسمٰعیل کے خاندان کے ایک نوجوان عبید اللہ مہدی کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ یہ حکومت جو فاطمی کہلاتی ہے۔ مدّت تک عبّاسی خلافت کی حریف سمجھی جاتی رہی ہے ٭

عبید اللہ مہدی اور اس کے جانشین بڑے مستعد اور جفاکش لوگ تھے۔ چنانچہ انہوں نے تھوڑے ہی عرصے میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی۔ جس میں شمالی افریقہ کے دوسرے حصوں کے علاوہ مصر بحیرہ رُوم کے جزیرے یعنی سسلی۔ سارڈینیا۔ اور کارسیکا وغیرہ شامل تھے۔ اُنہوں نے جنوبی اطالیہ لومبارڈی اور فرانس کے ساحلی علاقے پر بھی حملے کیے۔ جن میں بڑی کامیابی ہوئی۔ اور بہت سا علاقہ اُن کے ہاتھ آ گیا ٭

فاطمیوں میں معزّ سب سے زیادہ عالِم فاضل اور با تدبیر خلیفہ گزرا ہے۔ فسطاط کا شہر مدّت سے مصر کا دارالحکومت چلا آتا تھا۔ معزّ کے ایک جرنیل جوہر نے جو سسلی کا رہنے والا تھا۔ ۹۶۹ء میں فسطاط کے قریب قاہرہ کا شہر بسایا۔ چار برس کے بعد معزّ بھی قاہرہ میں اُٹھ آیا۔ اور یہ شہر فاطمی خلافت کا پایۂ تخت قرار پایا۔ معزّ کے بعد اس کا بیٹا عزیز تخت خلافت پر بیٹھا۔ اُس کا زمانہ فاطمی حکومت کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔ اُس کے عہد حکومت میں سارا شام، حجاز، عراق کا ایک حصّہ جو دریائے فرات تک پھیلا ہوا تھا۔ فاطمیوں کے قبضے میں آ گیا ٭

عزیز کی اقبال مندی میں تو کوئی شک نہیں۔ لیکن اُس نے بھی وہی غلطی کی۔ جو عبّاسی خلیفہ معتصم سے ہوئی تھی۔ یعنی اُس نے بھی تُرک سپاہیوں کو اپنا باڈی گارڈ مقرّر کیا۔ اور قصرِ خلافت کے اندر باہر تُرک ہی تُرک نظر آنے لگے۔ عزیز کے جانشین کمزور اور نالائق تھے۔ اُن کے زمانے میں تُرک سرداروں نے بڑا زور پکڑا۔ اور وزارت کے عُہدہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ تُرک وزیر ملک کہلاتے تھے۔ جس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ آہستہ آہستہ فاطمیوں کی طاقت کم ہوتی گئی۔ اور اُن کی وسیع سلطنت مصر اور اس کے آس پاس کے تھوڑے سے علاقے تک محدود ہو کر رہ گئی۔ مستنصر باللہ آخری فاطمی خلیفہ تھا۔ جس کے عہد تک خلافت کی ظاہری آب و تاب

⟵ جامعہ اَزہر کا ایک دروازہ۔ یہ یونی ورسٹی فاطمیوں کے عہد حکومت کی یادگار ہے

Marfat.com

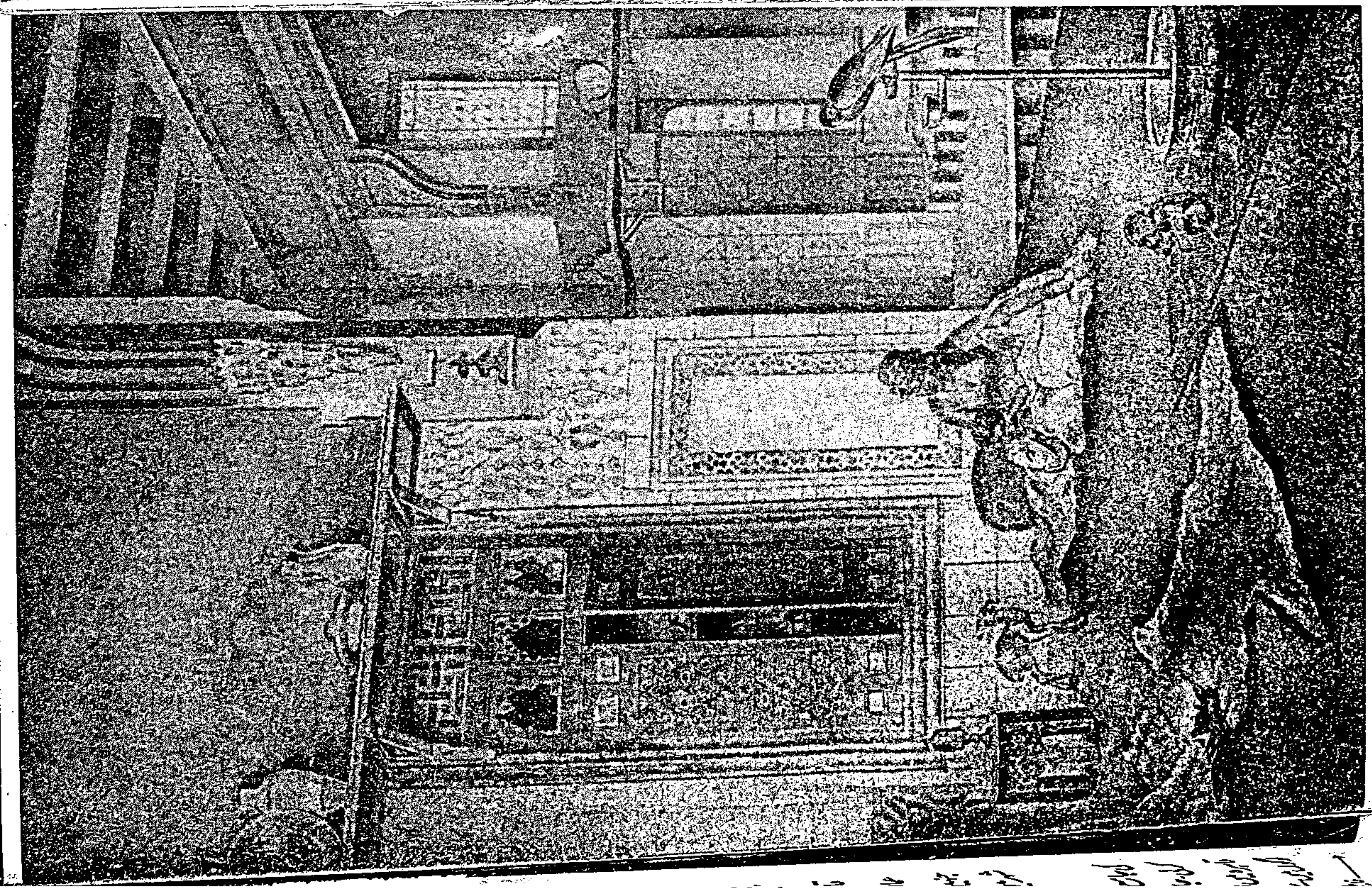

Marfat.com

باقی تھی۔ اُس کی وفات کے بعد صلیبی جنگوں کی وجہ سے فاطمی خلافت کا رہا سہا اقتدار بھی مٹ گیا۔

فاطمی خلافت کا خاتمہ۔ (۱۱۷۱ء) صلیبی جنگوں کے زمانے میں فاطمی خلافت کی حالت بالکل ڈانواڈول تھی۔ ایک طرف صلیبی جنگ آزما بڑھے چلے آتے تھے۔ دوسری طرف سلجوقی اور زنگی سرداروں نے زور باندھ رکھا تھا۔ لیکن فاطمی خلافت کا چراغ صلاح الدین کے ہاتھوں گُل ہوا۔ جو شام کے زنگی فرمانروا کے ایک سردار ایوب کا بیٹا تھا۔ صلاح الدین نے مصر پر قبضہ کر کے ۱۱۷۱ء میں آخری فاطمی خلیفہ کو تخت سے اُتار دیا۔ اِس طرح یہ خلافت بالکل مٹ گئی۔

فاطمیوں نے ۲۶۰ برس سے زیادہ عرصے تک حکومت کی ہے۔ عزیز کا زمانہ اس خاندان کے انتہائی عروج کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی موت کے بعد فاطمی خلافت برابر کمزور ہوتی چلی گئی۔ فاطمیوں کے انتظام حکومت پر غور کیا جائے۔ تو اُن میں اور عبّاسیوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ وہی دربار کا رنگ ڈھنگ تھا، وہی سلطنت کے محکمے۔ دراصل فاطمی اکثر باتوں میں عبّاسیوں کی نقل کرتے تھے۔ خاص طور پر اُنہیں اس بات کا بڑا خیال رہتا تھا کہ محلوں کی آرائش و زیبائش، دربار کے ٹھاٹھ اور دولت و حشمت کی نمود و نمائش میں وہ عبّاسیوں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ قاہرہ کا شہر بالکل بغداد کے نمونے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اُس میں ویسے ہی کوچے نکالے گئے تھے۔ اُسی قسم کی عالی شان عمارتیں بنائی گئی تھیں۔ قاہرہ میں کثرت سے باغ، مسجدیں، حمام، محل، حویلیاں، مدرسے اور سرائیں موجود تھیں جنہیں دیکھ کر لوگوں کو بغداد یاد آجاتا تھا۔ قاہرہ کی رونق اور چہل پہل کا اندازہ اِس بات سے ہوسکتا ہے۔ کہ اس شہر میں بیس ہزار سے زیادہ دُکانیں تھیں۔

فاطمیوں کے پہلے پانچ خلیفوں کا زمانہ علمی چرچوں کے لئے بہت مشہور ہے۔ خلیفہ معزّ کے زمانے میں ازہر کی جامع مسجد تعمیر ہوئی۔ اُس کے ساتھ ایک مدرسہ قائم کیا گیا۔ جس نے آگے چل کر یونی ورسٹی کی حیثیت اختیار کرلی۔ جامعۂ ازہر آج بھی موجود ہے۔ اور دُنیا کی سب سے پُرانی یونی ورسٹی سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قاہرہ میں اور بھی بہت سے مدرسے قائم ہوئے۔ جگہ جگہ شفاخانے کھولے گئے۔ اہلِ علم کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ ان لوگوں میں سے ابن الہیثم جس نے یورپ کے اہلِ علم کو بہت متاثر کیا ہے۔ بڑی شہرت رکھتا ہے۔ اس نے عِلم

→ فاطمی عہد کے ایک محل کا اندرونی حصّہ

Marfat.com

مناظر و مرایا پر ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا۔ اور یورپ کے اکثر عالموں خاص طور پر کیپلر اور راجر بیکن نے اُس سے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ خلیفہ عزیز نے اپنے محل میں ایک کُتب خانہ قائم کیا تھا۔ جس نے آگے چل کے بہت ترقی کی۔ اِس کُتب خانے میں دو لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ اُس زمانے کے لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو دو لاکھ کتابیں جمع کر لینا بہت بڑا کارنامہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن دِنوں چھپائی کا فن تو ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اِس لئے ساری کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں ؎

سلجوقی خاندان

جس زمانے میں فاطمیوں کے شجر اقبال کو گھُن لگنا تو شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اُن کی سلطنت کی ظاہری

Marfat.com

شان وشوکت میں ابھی فرق نہیں آیا تھا۔ اور وہ ابھی عبّاسیوں کے زبردست حریف سمجھے جاتے تھے۔ سلجوقی تُرکوں نے ترکستان سے اُٹھ کر عبّاسی خلافت کو مٹنے سے بچالیا۔ کوئی دو سو برس سے اسلامی سلطنت کا شیرازہ برابر منتشر چلا آتا تھا۔ مختلف علاقوں میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں۔ سلجوقیوں نے اِن حکومتوں کو مٹا کر اسلامی سلطنت کو پھر متحّد کر دیا۔ سلجوقیوں کی سلطنت کے پھیلاؤ پر غور کرو۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ عبّاسی خاندان کے زوال کے بعد اتنی وسیع سلطنت کسی خاندان کے قبضے میں نہیں آئی تھی۔ اور اُن کے زمانے کے علمی کارناموں، حکومت کے طور طریقوں اور سلطنت کے بندوبست پر نظر ڈالو۔ تو اور ہی عالم نظر آتا ہے ٭

ترکستان میں کرغیز ایک علاقہ ہے۔ دسویں صدی کے وسط میں اس علاقے کا ایک سردار جس کا نام سُلجُوق تھا۔ اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کو لے کر جُند کے علاقے میں جو بخارا کے قریب واقع ہے۔ اُٹھ آیا۔ یہاں اُس نے اور اُس کے قبیلے کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ سُلجُوق پکّا مسلمان تھا۔ چنانچہ جب کبھی وحشی تُرک بخارا کے آس پاس کے علاقے پر لُوٹ مار کی نیّت سے چڑھ آتے۔ وُہ اور اُس کے ساتھی سینہ سپر ہو جاتے۔ اور اپنے بھائی بندوں سے لڑ بھڑ کر مسلمانوں کا جان و مال بچاتے۔ یہ لوگ لڑائی کے طریقوں میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ پھر اُن میں بڑا اتّحاد بھی تھا۔ چنانچہ اپنی انہیں خوبیوں کی برکت سے انہوں نے چالیس برس کے اندر سارے ایران، عراق، جزیرہ یعنی دجلہ اور فرات کے درمیان کے علاقے اور ایشیائے کوچک پر قبضہ کر لیا ٭

طغرل بیگ۔ (۱۰۳۷ء سے ۱۰۶۳ء تک) سُلجُوق کے پوتے طغرل بیگ نے سلطان محمُود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود سے مرو، نیشاپور اور ہرات چھینا۔ پھر ایران اور عراق کے بعض علاقوں پر جو بویہ خاندان کے سرداروں کی ماتحتی میں تھے۔ قبضہ کر لیا۔ ۱۰۵۵ء میں طغرل بیگ بغداد پہنچا۔ اور بویہ خاندان کا اقتدار ختم کر کے خلیفہ قائم بامر اللہ کو اُن کے ہاتھوں سے نجات دلائی۔ لیکن طغرل بیگ کو کچھ عرصہ کے بعد بغداد سے ایران چلا جانا پڑا۔ اُس کی غیر حاضری میں ایک تُرک سردار ارسلان بساسیری نے بغداد پر قبضہ کر کے حکم دے دیا۔ کہ آئندہ خطبہ میں عبّاسی خلیفہ کی جگہ مصر کے فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ کا نام لیا جائے۔ طغرل کو خبر ملی۔ تو بغداد کا رُخ کیا۔ اور خلیفہ کو بساسیری کی قید سے چھُڑا کے تخت خلافت پر بٹھایا۔ اس طرح گویا خلیفہ بویہ خاندان کے سرداروں کے قبضے سے نکل کر سلجوقیوں کے قبضے میں آگیا۔ لیکن خلیفہ سے سلجوقیوں کا سلوک بہت

Marfat.com

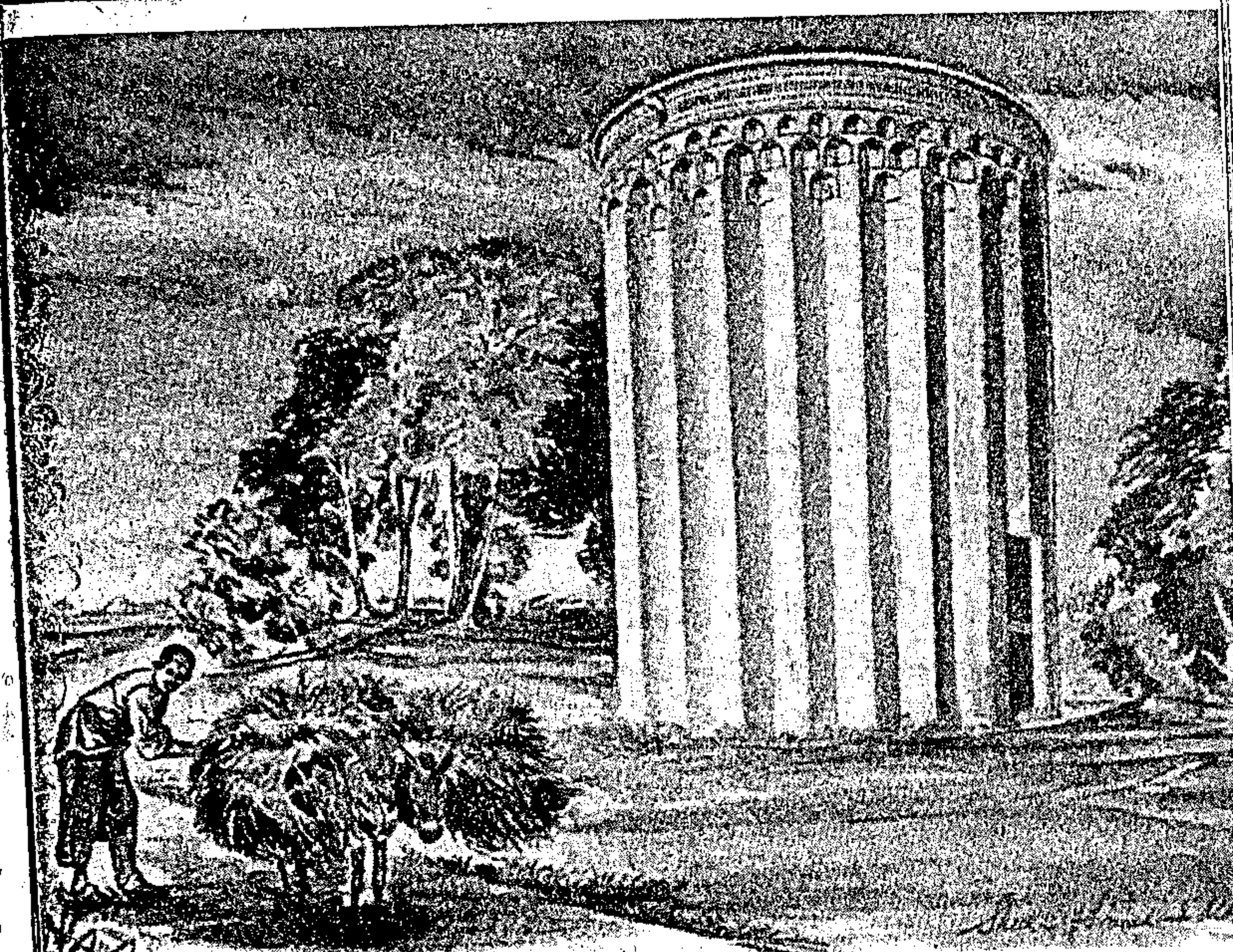

طغرل بیگ نے رَے میں یہ مینار بنوایا تھا

اچھا تھا۔ وہ اس کی بڑی عزّت کرتے تھے۔ اور اُس کے ظاہری احترام میں ذرّہ بھر فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ چنانچہ جب طغرل بیگ بغداد پہنچا۔ تو خلیفہ کی خدمت میں اسی طرح حاضر ہوا۔ جس طرح دوسرے اُمرا حاضر ہوتے تھے۔ پہلے دوسرے اُمرا کی طرح زمین چُومی۔ پھر آہستہ آہستہ خلیفہ کی طرف بڑھا۔ قائم فرش پر بیٹھا تھا طغرل اس کے سامنے کھڑا رہا۔ وہ عربی نہیں جانتا تھا۔ خلیفہ تُرکی سے ناواقف تھا۔ اس لئے دونوں میں ترجمان کے ذریعے گفتگو ہوئی ؛

اگرچہ طغرل کو شروع شروع کے زمانے میں ایک جگہ جم کر بیٹھنے کا موقع نہیں مِلا تھا۔ لیکن جب وہ خراسان میں اچھی طرح قدم جما چکا۔ تو مغرب کی طرف بڑھ کر فاطمیوں سے شام اور فلسطین کے علاقے چھین لئے اور دجلہ سے جیحوں تک سارے علاقہ پر قبضہ کر کے لوٹا۔ ایک دفعہ رُوم پر جا چڑھا۔ اور رُومیوں کو کئی شکستیں دیں لیکن ابھی بازنطینی سلطنت کے کسی حصّے پر پُوری طرح قبضہ نہیں ہونے پایا تھا۔ کہ ۱۰۶۳ء میں اُس کا اِنتقال

Marfat.com

ہو گیا +

الپ ارسلان ۔ (۱۰۶۳ء سے ۱۰۷۳ء تک) طغرل کے بعد اس کا بھتیجا الپ ارسلان تخت پر بیٹھا۔ وہ اپنے چچا کی طرح بڑا عقلمند اور انصاف پسند حکمران تھا۔ طغرل کی وفات کی وجہ سے رُوم کی مہم ادھوری رہ گئی تھی۔ الپ ارسلان نے پہلے اسی طرف توجّہ کی۔ ملاذکرد کے مقام پر اُس نے رُومی شہنشاہ رومانوس کو سخت شکست دی۔ الپ ارسلان تُرکی زبان میں بہادر شیر کو کہتے ہیں۔ اُس کے بہادر ہونے میں کلام نہیں۔ بڑے ڈیل ڈول کا آدمی تھا۔ اور صُورت شکل سے سچ مچ شیر معلوم ہوتا تھا۔ ملاذکرد کا معرکہ بڑا سخت تھا۔ رومانوس کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا جس میں فرانس، نارمنڈی، مقدونیہ اور بلغاریہ کے بہادروں کے علاوہ بہت سے وحشی قبیلے بھی شامل تھے۔ سلطان نے اس موقع پر سفید لباس پہنا، عطر لگایا۔ نماز پڑھی۔ پھر تیر و کمان پھینک کر گُرز ہاتھ میں لیا۔ اور بڑی بہادری سے لڑا۔ رومانوس اِس معرکے میں قید ہوا۔ لیکن سلطان نے کُچھ دنوں کے بعد اُسے رہا کر دیا۔ گرجستان، آرمینیا، اور ایشیائے کوچک سلجوقی سلطنت میں شامل ہوئے۔ اور ایشیا کا کوئی علاقہ رُومیوں کے قبضے میں نہ رہا +

حجاز اور حلب پر فاطمیوں کا قبضہ تھا۔ الپ ارسلان نے یہ علاقے اُن سے بزورِ شمشیر چھینے۔ اپنے باپ دادا کے وطن یعنی ترکستان کو بھی فتح کیا۔ اُس نے اپنی سلطنت کے اکثر حصّے اپنے خاندان کے لوگوں میں بانٹ دِیئے تھے۔ ایشیائے کوچک کا علاقہ اپنے ایک چچیرے بھائی کے حوالے کیا۔ چنانچہ اِس خاندان کے فرمانروا جو سلاطین رُوم کہلاتے ہیں۔ دو سو برس سے زیادہ عرصے تک اِس علاقے پر حکومت کرتے رہے۔ مولانا جلال الدین رومی جن کی مثنوی بہت مشہور ہے۔ اسی خاندان کے عہد میں ہوئے ہیں۔ مولانا کا مزار قونیہ میں ہے +

ملک شاہ ۔ (۱۰۷۳ء سے ۱۰۹۲ء تک) الپ ارسلان کے بعد اُس کا بیٹا ملک شاہ تخت نشین ہُوا۔ وہ سلجوقیوں میں سب سے زیادہ با اقبال بادشاہ ہوا ہے۔ ترکستان کے سرکش الپ ارسلان کے زمانے میں پوری طرح قابو میں نہ آئے تھے۔ ملک شاہ نے دریائے سیحوں سے پار اُتر کر ترکمانوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ اور چین کی سرحد تک پہنچ گیا۔ اِدھر سے پلٹا۔ تو انطاکیہ سے قسطنطنیہ تک کے نواح تک کا سارا علاقہ فتح کر ڈالا۔ اُس کے زمانے میں سلجوقی سلطنت کاشغر سے بحیرہ رُوم کے جزیروں اور گرجستان سے

Marfat.com

Marfat.com

بحیرہ عرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور پورے علاقے میں بالکل امن وامان تھا۔ ملک شاہ کی عظمت وشوکت اور رعایا کی خوشحالی میں ملک شاہ کے وزیر نظام الملک طوسی کی کوششوں کا بھی بڑا دخل ہے۔ یحییٰ برمکی کے بعد غالباً ایشیا بھر میں اتنا بڑا مدبّر اور عقل مند وزیر پیدا نہیں ہوا +

مشہور فلسفی اور ہیئت دان عمر خیام جس نے اپنے دوسرے کمالات سے زیادہ اپنی شاعری کی بدولت شہرت حاصل کی ہے۔ اسی زمانے میں ہوا ہے۔ ملک شاہ کے حکم سے عمر خیام کی صدارت میں ہیئت دانوں کی ایک مجلس قائم ہوئی۔ اور ایک نئی جنتری تیار کی گئی۔ جو زیچ ملک شاہی کہلاتی ہے۔ اس سے ساری دنیا نے فائدہ اُٹھایا +

باطنی فدائی ۔ اسی زمانے میں اسماعیلیوں کے ایک گروہ نے ایران کے ایک حصے یعنی مازندران کے کوہستانی علاقے میں بڑا زور پکڑا۔ ان لوگوں نے ایک خفیہ جماعت بنا رکھی تھی۔ جو باطنی جماعت کہلاتی تھی۔ اور جو لوگ اس گروہ میں شامل تھے۔ وہ باطنی یا حشاشین کہلاتے تھے۔ حسن بن صباح جو مازندران کے پہاڑوں میں اپنی حکومت قائم کرنے کی وجہ سے شیخ الجبال کہلاتا تھا۔ اس جماعت کا بانی اور سرگروہ تھا۔ عربی میں جبل پہاڑ کو کہتے ہیں۔ جبال اس کی جمع ہے۔ مازندران میں ایک پہاڑ کی چوٹی پر پرانے وقتوں کا ایک قلعہ تھا۔ جسے الموت یعنی آشیانہ عقاب کہتے تھے۔ حسن بن صباح نے اس قلعہ پر قبضہ کرکے اُسے اپنا صدر مقام بنایا۔ باطنیوں کے کئی درجے تھے۔ نچلے درجے کے باطنی جو فدائی کہلاتے تھے۔ جان دینے کو ہنسی کھیل سمجھتے تھے۔ حسن بن صباح جس شخص کو اپنا مخالف پاتا تھا۔ اُسے کسی فدائی کے ہاتھوں قتل کروا ڈالتا تھا۔ نظام الملک نے باطنیوں کا زور توڑنا چاہا۔ لیکن ۱۰۹۱ء میں ایک فدائی نے حسن بن صباح کے اشارے سے اُسے قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ سے سال بھر کے بعد ملک شاہ کا بھی انتقال ہو گیا +

سلجوقیوں کے اقبال کا زمانہ بھی ملک شاہ اور نظام الملک کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ ملک شاہ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹوں میں جن میں سے ہر ایک سلطنت کا دعویدار تھا۔ خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اور بھی کئی ہنگامے ہوئے۔ جن کی وجہ سے سلجوقیوں کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کئی حکومتوں میں بٹ گئی +

قونیہ میں صاحب عطا کی مسجد ←

Marfat.com

ملک شاہ کی حکومت کا زمانہ سلطنت کی وسعت، شان وشوکت، رعایا کی خوش حالی اور علم وفن کی ترقی کے لحاظ سے مسلمانوں کی اقبال مندی کے بہترین زمانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اُس کے زمانے میں سڑکیں بنیں۔ کاروان سرائیں، مدرسے اور شفاخانے تعمیر ہوئے۔ نہریں کھودی گئیں۔ تجارت اور صنعت وحرفت نے ترقی پائی۔ علم وفن کو فروغ حاصل ہوا۔ فارسی زبان نے بڑی ترقی کی۔ اور اُس میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ نیشاپور جو سلجوقیوں کا پایۂ تخت تھا۔ بڑا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانے میں جو درس گاہیں قائم ہوئیں اُن میں بغداد کے مدرسۂ نظامیہ کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے۔ یہ مدرسہ نظام الملک نے بنوایا تھا۔ امام غزالیؒ جو اس زمانے کے مشہور بزرگ ہیں۔ اس مدرسہ میں مدّت تک تعلیم دیتے رہے ہیں۔ نظام الملک نے نیشاپور میں بھی ایک درس گاہ قائم کی تھی۔ یہ بھی مدرسۂ نظامیہ کہلاتی تھی۔

پہلی صلیبی جنگ۔ جن دنوں سلجوقیوں کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہوئی۔ لڑائیوں کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہوا۔ جو صلیبی لڑائیاں کہلاتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں یروشلم کے شہر پر جسے یہودی، عیسائی، اور مسلمان تینوں متبرّک سمجھتے ہیں۔ مُسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ اور انہوں نے شام

بیت المقدس جسے یہودی، عیسائی، اور مُسلمان تینوں احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں

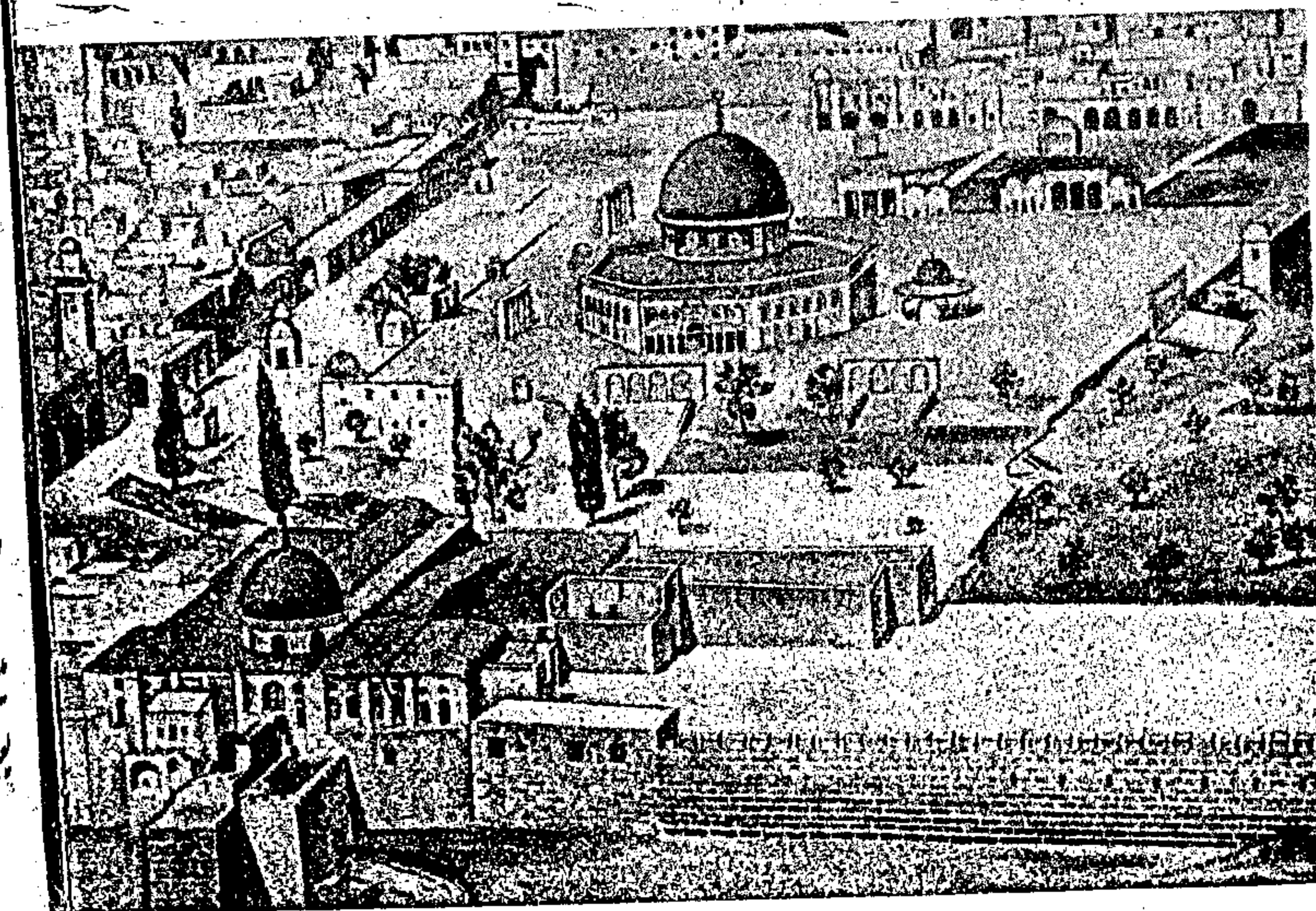

Marfat.com

اور فلسطین کے علاوہ بائزنطینی سلطنت کے کئی اور حصّے بھی فتح کر لئے تھے۔ اِس کے بعد بھی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ کبھی رومی شام پر چڑھ آتے تھے۔ اور کبھی مسلمان ایشیائے کوچک میں دُور تک بڑھتے چلے جاتے تھے ٭

جب تک مُسلمانوں نے ایشیائے کوچک کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل نہیں کیا تھا۔ یہ کشمکش صرف سیاسی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن جب سلجوقیوں نے آرمینیا اور گرجستان کے ساتھ ایشیائے کوچک کو بھی فتح کر لیا۔ تو حالات بدل گئے۔ بدقسمتی سے کچھ عرصے کے بعد سلجوقیوں کی سلطنت چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹ گئی۔ اور یورپ کی عیسائی حکومتوں کو مغربی ایشیا پر قبضہ کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ اس زمانے میں عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ اور لوگوں کو یہ کہہ کے مسلمانوں سے لڑنے پر اُبھارا۔ کہ یروشلم کا شہر جس میں حضرت مسیحؑ کی متبرک یادگاریں ہیں۔ مسلمانوں کے قبضے میں ہے۔ اِس کے علاوہ شام اور فلسطین میں عیسائیوں کے اور بھی کئی مقدّس شہر ہیں۔ جن پر اسلامی پرچم لہرا رہا ہے۔ جو لوگ اِن مقامات کو مُسلمانوں کے قبضے سے چھڑانے میں حصّہ لیں گے۔ اُن کے سارے گُناہ معاف کر دیئے جائیں گے ٭

اِس اعلان نے یورپ میں آگ سی لگا دی۔ اور عیسائی گروہ در گروہ ایشیائے کوچک اور شام میں داخل ہونے لگے۔ اگرچہ یہ لڑائی مذہب کی خاطر لڑی گئی تھی۔ اور اِس لئے صلیبی جنگ کہلاتی ہے۔ لیکن اصل میں سب لوگ صرف مذہبی جوش سے اس جنگ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ بعض عیسائی سرداروں نے صرف اس خیال سے اس لڑائی میں حصّہ لیا تھا۔ کہ کسی چھوٹے موٹے علاقے پر قبضہ کر کے بیٹھ جائیں گے۔ اور بہت سے لوگ تو لُوٹ کھسوٹ کے لالچ سے اس لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ لیکن اِن حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ایک سیلاب تھا۔ کہ اُمڈا چلا آتا تھا۔ اُن دنوں فاطمی اور عبّاسی دونوں خلافتیں کمزور ہو چکی تھیں۔ سلجوقیوں کی سلطنت کئی چھوٹی بڑی حکومتوں میں بٹ گئی تھی۔ شام کے علاقے میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ اُن میں سے کسی میں اس طوفان کو روکنے کی سکت نہ تھی۔ چنانچہ صلیبی حملہ آوروں نے پہلے انطاکیہ پر قبضہ کیا۔ دو برس کے بعد یعنی ۱۰۹۹ء میں یروشلم کا شہر بھی اُن کے ہاتھ آیا۔ یہاں کی آبادی پر ان لوگوں نے بڑے وحشیانہ ظُلم کیئے۔ اور

Marfat.com

ہزاروں آدمی موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ پھر شام اور ایشیائے کوچک کے دُوسرے شہر فتح ہوئے۔ یہاں بھی لُوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ اور گلی کوچوں میں خون ہی خون نظر آنے لگا۔

مسلمان متّحد ہو کے اِن حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے تو انہیں مار ہٹانا مشکل نہیں تھا۔ لیکن مسلمان سرداروں کے باہمی جھگڑے ختم ہونے میں نہیں آتے تھے۔ ہاں ایک دفعہ سلجوقی خاندان کا ایک فرمانروا کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حاکموں کو ساتھ لے کے صلیبی حملہ آوروں پر جا پڑا۔ اور اُنہیں شکست دے کر شام کا سارا علاقہ اُن سے خالی کرا لیا۔ لیکن کچھ دنوں میں پھر ان مسلمان سرداروں میں جھگڑے شروع ہو گئے۔ اور صلیبی حملہ آوروں نے مُسلمانوں کی پھُوٹ سے فائدہ اُٹھا کر پھر کھوئے ہوئے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اصل میں قُدرت کو یہی منظور تھا۔ کہ صلیبی جنگ آزماؤں کو ایشیا سے نکالنے کی سعادت زنگی اور ایّوبی خاندان کے فرمانرواؤں کے حصّے آئے۔ یہ دلاور جنہوں نے اسلام کی حمایت میں لڑائیاں لڑیں۔ صرف اپنی فتوحات ہی کی وجہ سے مشہور نہیں۔ بلکہ ایشیا اور یورپ کو ایک دوسرے کے قریب لانے اور یورپ والوں پر مُسلمانوں کی عظمت کا سکّہ بٹھانے میں بھی اُن کا بڑا حصّہ ہے۔ یہ لوگ ایسے خدا ترس، فراخ دل، عالی حوصلہ، شجاع اور فیاض تھے۔ کہ یورپ کے لوگ جو کالے کوسوں کی منزلیں طے کر کے اُن سے لڑنے آئے تھے۔ ان کی خُوبیوں کا اعتراف کرنے پر مجبُور ہو گئے۔

یورپ پر صلیبی جنگوں کا اثر۔ جن عیسائیوں نے صلیبی لڑائیوں میں حصّہ لیا۔ وہ یہ سوچ کر گھر سے چلے تھے۔ کہ اُنہیں ایک ایسی وحشی اور اُجڈ قوم سے لڑنا پڑے گا۔ جو بُتوں کی پُوجا کرتی ہے۔ اور جس پر تہذیب کی چھاؤں تک نہیں پڑی۔ لیکن جب اُنہیں مسلمانوں سے مِلنے جُلنے کا موقع ہاتھ آیا۔ اور اُنہوں نے دیکھا۔ کہ مُسلمان تہذیب و شائستگی، علم و فن میں اُن سے کہیں آگے ہیں۔ تو وہ اپنی رائے بدلنے پر مجبُور ہو گئے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہمیشہ لڑائی ہی نہیں چھڑی رہتی تھی۔ کبھی کبھی آپس میں صلح بھی ہو جاتی تھی۔ دونوں طرف کے لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے اور مِل بیٹھنے کا موقع بھی ملتا تھا۔ چنانچہ آپس کے میل جول کی وجہ سے ایک دوسرے کے متعلق اُن کے خیالات بدلنے گئے۔

عیسائیوں نے جن علاقوں کو فتح کیا۔ وہاں جاگیرداری اور زمینداری کے وُہی قاعدے جاری کیے۔ جو

Marfat.com

یورپ میں رائج تھے۔لیکن یہاں آکر مسلمانوں کے اثر سے اُن کی معاشرت بالکل بدل گئی۔ وہ رہنے سہنے اور اُٹھنے بیٹھنے کے طریقوں میں مسلمانوں کی پیروی کرتے۔اُنہیں کا سا لباس پہنتے۔ دیسے ہی کھانے کھاتے۔چنانچہ جب وُہ یہاں سے اپنے وطن کو لوٹے۔تو طرح طرح کے عِطروں، نفیس نفیس کپڑوں، اور قسم قسم کے زیوروں کے علاوہ اسلامی معاشرت کے آداب، تہذیب وشائستگی کے اصُول اور نئے نئے خیالات بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ان چیزوں نے آگے چل کر یورپ والوں کے خیالات اور اُن کے تہذیب وتمدّن پر بڑا اثر ڈالا +

یورپ کی مختلف زبانوں میں عربی کی بہت سی کتابوں کا بھی ترجمہ ہُوا۔صلیبی جنگ آزما الف لیلہ کی کہانیاں بھی اپنے ساتھ لے گئے۔اور اُنہیں سامنے رکھ کر یورپ کی بعض زبانوں میں اسی انداز کی کہانیاں لکھی گئیں۔پھر مختلف قسم کے غلّے، پھل پھُول بھی اسلامی مُلکوں سے یورپ پہنچے۔مثلاً اِسی زمانے میں یورپ کے لوگ ایشیا سے تِل، باجرہ اور چاول وغیرہ لے گئے۔اور یورپ میں ان کی کاشت ہونے لگی۔بہت سی جڑی بوٹیاں، دوائیں، طرح طرح کی خوشبودار چیزیں، قسم قسم کی مٹھائیاں، مختلف دھاتوں کی بنی ہوئی چیزیں، ریشمی کپڑے، مخمل، اور ساٹن، نیل اور مختلف قسم کے رنگ بھی یورپ پہنچے۔اِن چیزوں نے یورپ والوں کی زندگی پر بڑا اثر ڈالا۔اور اُن کی سیدھی سادی معاشرت پر طرح طرح کے تکلّفات کا رنگ چڑھنے لگا۔یورپ کے لوگ شیشہ بنانا بھی نہیں جانتے تھے۔بلکہ دھاتوں کو صیقل کر کے اُن سے آئینہ کا کام لیتے تھے۔یورپ میں شیشے کے آئینوں کا رواج اسی زمانے میں ہوا۔قطب نما بھی جو عربوں کی ایجاد ہے۔اور جس کی وجہ سے جہاز رانی میں بڑی مدد ملتی ہے۔اِنہیں دنوں یورپ میں پہنچی۔بلکہ یورپ کے اکثر مُلکوں میں پن چکیاں بھی انہیں دنوں نظر آنے لگیں۔صلیبی جنگوں کی وجہ سے فن حرب نے بھی بڑی ترقی کی۔صلیبی جنگ آزماؤں نے کچھ جنگی چالیں مسلمانوں سے سیکھیں۔اور کچھ انہیں سکھائیں +

زنگیوں کا عروج۔عمادالدین زنگی سلجوقیوں کی فوج کا ایک نامور سردار تھا۔جس نے صلیبی حملوں کے سیلاب کو روکنے میں بڑا حصّہ لیا۔۱۱۲۲ء میں اُسے سلجوقی سلطان کی طرف سے بصرہ اور واسط کی حکومت ملی۔کچھ عرصہ کے بعد حلب اور موصل کے علاقے بھی اُسی کے حوالے کر دئیے گئے۔عمادالدین بڑا شجاع عالی حوصلہ، دُور اندیش اور انصاف پسند شخص تھا۔اگرچہ اُس نے زیادہ تر اپنے جنگی کارناموں ہی کی وجہ سے شہرت پائی ہے لیکن مُلکی انتظام کے لحاظ سے بھی دیکھا جائے۔تو وہ اپنے زمانے کے تمام فرمانرواؤں میں ممتاز نظر آتا ہے اُس

نے بہت سے شہر جو بالکل کھنڈر ہو کے رہ گئے تھے۔ نئے سرے سے تعمیر کیے۔ کھیتی باڑی کو ترقی دی۔ قزاقی، اور رہزنی کا انسداد کیا۔ وہ جیسا بہادر تھا۔ ویسا ہی نیک دل اور خدا ترس بھی تھا۔ کسی شہر پر اُس کا قبضہ ہوتا تھا۔ تو اُس کے سارے باشندوں کو امان مِل جاتی تھی۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے قید ہو کے آتے تھے۔ تو اُنہیں رہا کر دیا جاتا تھا۔ اور اُن کا روپیہ پیسہ اور جائداد واپس کر دی جاتی تھی۔ اُس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ نہتّے لوگوں پر ہاتھ نہ اُٹھاؤ۔ اُسی سے لڑو۔ جو تم سے لڑنے آئے ٭

جب صلیبی حملہ آوروں نے لُوٹ مار شروع کی۔ اور مسلمانوں کا بہت سا علاقہ دبا بیٹھے۔ تو اِسی دلاور نے بڑھ کر انہیں روکا۔ اور پے در پے شکستیں دے کر آرمینیا کا نچلا حصّہ، عکّا، رہا، انطاکیہ، اور بعلبک اُن سے خالی کرا لئے۔ اِن لڑائیوں میں ایڈیسا یعنی رہا کا معرکہ بہت مشہور ہے۔ یہاں صلیبی فوجوں کو بڑی سخت شکست ہوئی۔ اور اُن کے کئی بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ یورپ میں اِن معرکوں کی خبریں پہنچیں۔ تو ہر طرف شور مچ گیا۔ اور پھر شام پر حملے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ ابھی یہ تیاریاں مکمل نہیں ہونے پائی تھیں۔ کہ کسی شخص نے عماد الدین کے خیمے میں گھس کر سوتے میں اُسے قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ ۱۱۴۶ء کا ہے۔ عماد الدّین کے چار بیٹے تھے۔ اس کی حکومت اِن چاروں میں تقسیم ہو گئی۔ سیف الدین غازی کو موصل کی حکومت ملی۔ نور الدین محمود کے ہاتھ حلب کی ریاست آئی۔ باقی دو بیٹوں کو بھی دو چھوٹے چھوٹے علاقے مل گئے ٭

دوسری صلیبی جنگ۔ عماد الدین کی وفات کے بعد عیسائیوں نے رُہا پر قبضہ کر لیا لیکن نور الدین محمود نے جسے حلب کی ریاست کے ساتھ باپ کی شجاعت اور نیک دِلی بھی ورثے میں ملی تھی۔ اس شہر پر زیادہ دیر اُن کا قبضہ نہ رہنے دیا۔ یورپ میں تو پہلے ہی لڑائی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ رُہا پر پھر مُسلمانوں کا قبضہ ہونے کی خبر پہنچی۔ تو ایک بہت بڑا لشکر تیار ہوا۔ جس میں فرانس اور جرمنی کے بادشاہ بھی شامل تھے۔ اِس فوج نے پہلے تو انطاکیہ پر قبضہ کیا۔ پھر دمشق کو جا گھیرا۔ نور الدّین محمود اور اُس کے بھائی سیف الدین کو معلوم ہوا۔ تو وہ فوج لے کر دمشق کی طرف بڑھے۔ حملہ آوروں پر اِن دلاوروں کی ہیبت ایسی چھائی ہوئی تھی۔ کہ اُن کے آنے کی خبر سُنتے ہی محاصرہ اُٹھا کر فلسطین کی طرف بھاگے۔ جرمنی اور فرانس کے بادشاہوں نے جب دیکھا۔ کہ اِس مُلک میں قدم جمانا مشکل ہے۔ تو یورپ کا رُخ کیا ٭

Marfat.com

اب نورالدین محمود کی نظریں مصر کی طرف اُٹھنے لگیں۔ کیونکہ فاطمی خلافت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اور اُس کی کمزوری سے صلیبی حملہ آور بڑا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ مصر کے مشرق اور مغرب میں اُنہوں نے اپنے قدم مضبوطی سے جما رکھے تھے۔ اور اب وہ فاطمی خلیفہ کے وزیر کے ساتھ ساز باز کر کے مصر پر قبضہ کرنے کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ چنانچہ نورالدّین محمودؒ نے اپنے ایک سردار اسد الدین شیرکوہ کو فوج دے کر مصر پر حملہ کرنے بھیجا۔ اس مہم میں شیرکوہ کا بھتیجا صلاح الدین بھی چچا کے ساتھ تھا۔ اگرچہ شیرکوہ کے مقابلہ پر فاطمیوں کی فوج کے علاوہ فرنگیوں کا لشکر بھی موجود تھا۔ اور جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ فوجیں ہی فوجیں نظر آتی تھیں۔ لیکن شیرکوہ نے اپنی چھوٹی سی فوج کو اس خوبصورتی سے لڑایا۔ کہ دشمن کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اور ۱۱۶۹ء میں شیرکوہ فتح کا نقارہ بجاتا قاہرہ میں داخل ہوا۔ فاطمی خلیفہ عاضد نے اُسے اپنا وزیر بنا لیا۔ ساری فوج بھی اُسی کی ماتحتی میں دے دی گئی۔ کچھ عرصے کے بعد شیرکوہ نے وفات پائی۔ لیکن اب مصر میں فاطمیوں کی حکومت صرف برائے نام تھی۔ اصل میں یہ علاقہ نورالدین زنگی کی ماتحتی میں تھا۔ اور صلاح الدین اس کے نائب کی حیثیت سے مُلک کا انتظام کرتا تھا۔ صلاح الدین نے موقع پا کر ۱۱۷۲ء میں عاضد کو خلافت سے الگ کر دیا۔ اور مصر میں بھی عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

۱۱۷۴ء میں سلطان نورالدین محمودؒ نے وفات پائی۔ اور مُسلمانوں کے لئے ساری دُنیا بے نور ہو گئی۔ سلطان نورالدین لائق باپ کا لائق بیٹا تھا اور دینداری، انصاف پسندی، دُور اندیشی اور عالی ہمتی میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ خلفائے راشدین کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس لئے اُس کی سیرت میں صحابہؓ کی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس کی زندگی بڑی سیدھی سادی تھی۔ ذاتی خرچ کے لئے خزانے سے ایک پیسہ نہیں لیتا تھا۔ چھوٹی سی جائداد تھی۔ اُسی پر اُس کا اور اُس کے سارے کُنبے کا گزارہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس کی بیگم نے اچھے اچھے کپڑوں اور زیوروں کی خواہش ظاہر کی۔ سُلطان نے سُن کر کہا "مُلک کی آمدنی میں سے تو ایک کوڑی بھی خرچ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کا مال ہے۔ اور مَیں صرف اُس کا نگہبان ہوں۔ ہاں حمص کے شہر میں میری چھوٹی سی جائداد ہے۔ وہ تم لے لو اور جس طرح چاہو خرچ کرو۔"

اگرچہ نورالدین کی ساری عُمر لڑنے بھڑنے میں گزر گئی۔ لیکن اِس حال میں بھی وہ رفاہِ عام کے کاموں سے

Marfat.com

غافل نہیں رہا۔ چنانچہ اُس نے جگہ جگہ مدرسے اور شفاخانے کھلوائے۔ نہریں کھُدوائیں۔ مدرسے اور پُل تعمیر کرائے۔ اُس نے دارالعدل کے نام سے عدالت عالیہ بھی قائم کی۔ جس کے دروازے امیر و غریب سب پر کھُلے تھے۔ اُس نے احادیث کا ایک مجموعہ بھی مُرتب کیا تھا۔ اس مجموعہ میں وہ تمام حدیثیں موجود تھیں۔ جن کا تعلق عدل و انصاف اور خدا ترسی سے ہے۔ اُس کی شجاعت کا یہ حال تھا۔ کہ جنگ کے میدان میں سب سے آگے رہتا۔ اور معمولی سپاہیوں کی طرح لڑتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا۔ کہ آپ کو اپنی جان اس طرح خطرے میں نہیں ڈالنی چاہیئے۔ خدانخواستہ آپ کو گزند پہنچا۔ تو مسلمان کیا کریں گے؟ جواب دیا۔ کہ "مسلمانوں کا اللہ نگہبان ہے۔ میں نہ ہوں گا۔ تو خدا کوئی اور سامان کر دے گا"۔

Marfat.com

صلاح الدّین سے خلافتِ عبّاسیہ کے خاتمہ تک

صلاح الدّین۔ نورالدّین کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا ملک صالح گیارہ برس کی عمر میں حکومت کی مسند پر بیٹھا لیکن تُرک سرداروں نے اِقتدار حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ صلاح الدّین کو یہ خبریں ملیں تو حلب پہنچ کر تُرک امیروں کے باہمی جھگڑے نمٹانے کی کوشش کی۔ لیکن اُس کی نصیحتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ ان امیروں نے جو صلاح الدین کا عروج دیکھ دیکھ کر جلتے تھے۔ ملک صالح کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔ اگرچہ صلاح الدّین اپنے آقازادے کا سچّا ہمدرد تھا۔ لیکن اس نوجوان پر ان امیروں کی باتوں کا ایسا اثر ہوا۔ کہ وہ صلاح الدّین کا دشمن ہوگیا۔ صلاح الدّین ملک صالح سے لڑنا تو نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جب اُس کی جان کے لالے پڑ گئے۔ تو مجبور ہو کر تلوار کھینچی۔ اور اس طرح لڑا۔ کہ کوئی دُشمن مقابلہ پر ٹھہر نہ سکا۔ چنانچہ مِصر کے ساتھ شام اور حجاز کی حکومت بھی اُس کے قبضے میں آئی۔ عبّاسی خلیفہ نے اُسے سلطان کا خطاب دیا۔ اور خلعت کے ساتھ حکومت کی سند بھیجی۔ اگرچہ ملک صالح نے صلاح الدّین سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ پھر بھی وہ ملک صالح اور سلطان نورالدین محمود کے خاندان کے لوگوں کے ساتھ بڑی فیاضی سے پیش آیا۔ اور حلب اور اُس کے آس پاس کا علاقہ اُنہیں واپس دے دیا +

ملک صالح نے ۱۱۸۱ء میں وفات پائی۔ اور تُرک امیروں کی باہمی دشمنیوں نے پھر سر اُبھارا۔ عیسائیوں نے صلاح الدّین سے عارضی صلح کر رکھی تھی۔ اُنہوں نے اِس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور مُسلمانوں سے لڑائی چھیڑنے کے لئے بہانے ڈھونڈنے لگے۔ اور کوئی طریقہ نہ سُوجھا۔ تو قافلے لُوٹنے شروع کر دیئے۔ صلاح الدّین کو یہ خبریں ملیں۔ تو فوج لے کر بڑھا۔ اُدھر سے صلیبی حملہ آوروں نے بھی فوجیں بڑھائیں۔ طبریہ کی جھیل کے قریب گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں فرنگیوں نے شکست کھائی۔ اُن کے دس ہزار سپاہی جن میں بڑے بڑے نامور شہسوار شامل تھے۔ میدانِ جنگ میں کام آئے۔ اور یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور کئی مشہور سردار قید کر لئے گئے +

فتح یروشلم ۱۱۸۷ء۔ اس فتح کے بعد سلطان صلاح الدّین یروشلم کی طرف بڑھا۔ رملہ، قیساریہ، یافہ، بیروت، نابلس، اور عسقلان وغیرہ شہر جو سمندر کے ساحل پر واقع تھے۔ سلطان کے قبضے میں آئے۔ اور صرف

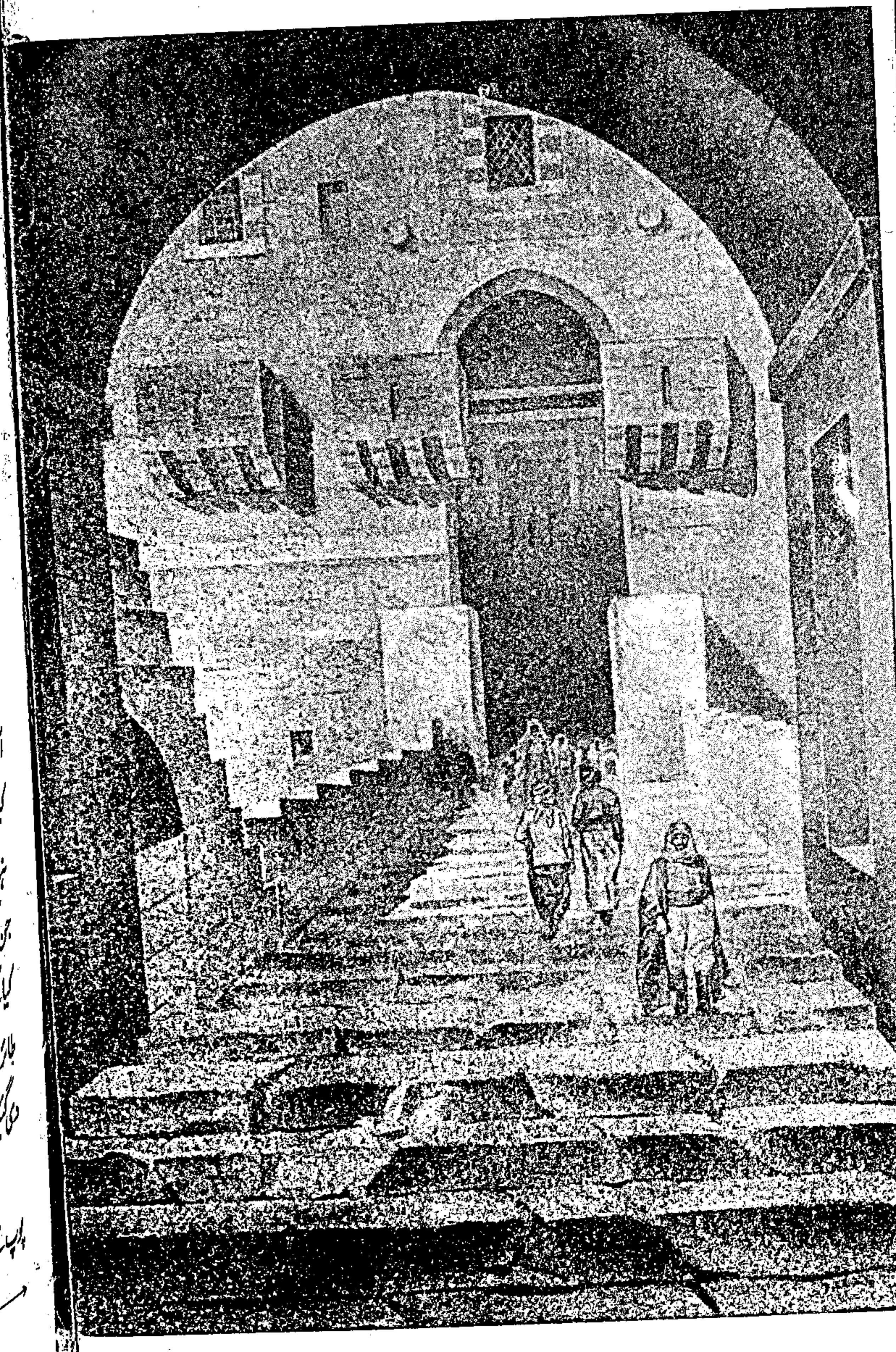

Marfat.com

دو شہر یعنی طائر اور طرابلس عیسائیوں کے پاس رہ گئے۔ اب سلطان نے بڑھ کر یروشلم کو گھیر لیا۔ کچھ عرصے تک تو صلیبی فوج کے سردار مقابلے پر اڑے رہے۔ لیکن جب دیکھا۔ کہ شہر کو بچانے کی صورت نہیں۔ تو مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور سلطانی فوجیں شہر کے اندر جا پہنچیں۔ تمہیں یاد ہے۔ کہ جب عیسائیوں نے یروشلم کو فتح کیا تھا۔ تو اس شہر میں جو مسلمان آباد تھے۔ اُن پر ایسے ایسے ظلم توڑے تھے۔ جن کا حال پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن سلطان صلاح الدین یروشلم میں داخل ہوا۔ تو اعلان کر دیا۔ کہ اس شہر کے سارے باشندوں کو امان دی جاتی ہے یہاں جتنے شامی عیسائی اور یونانی نسل کے لوگ ہیں۔ اُنہیں اجازت ہے۔ کہ جہاں چاہیں سکونت اختیار کریں۔ باقی رہے فرانسیسی، اطالوی، اور یورپ کی دوسری قوموں کے لوگ۔ تو انہیں اختیار ہے۔ کہ اپنے اپنے مُلکوں کو چلے جائیں۔ یا سلطان کی رعایا بن کر رہیں۔ البتہ یروشلم میں جتنے صلیبی سپاہی ہیں۔ انہیں چالیس دن کے اندر اندر شہر خالی کر دینا ہوگا۔ اور جانے سے پہلے فدیہ ادا کرنا پڑے گا۔

اب مشکل یہ پیش آئی۔ کہ جن لوگوں کو یروشلم سے نکل جانے کا حکم ملا تھا۔ اُن میں سے بہت سے ایسے تھے۔ جن کے پاس فدیہ ادا کرنے کے لئے رُوپیہ نہیں تھا۔ صلیبی سرداروں نے اگرچہ بے اندازہ دولت جمع کر رکھی تھی۔ لیکن اُن میں سے کسی نے ان بدنصیبوں کی مدد نہ کی۔ سلطان کو معلوم ہوا۔ تو دس ہزار سپاہیوں کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کیا۔ اُس کے بھائی ملک العادل نے بھی سات ہزار صلیبی سپاہیوں کا فدیہ ادا کر کے انہیں رہائی دلائی۔ اِن کے علاوہ ہزاروں ایسے تھے۔ جنہیں فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا گیا۔ اور تو اور عیسائی یتیموں اور بیواؤں میں روپے تقسیم کئے گئے۔ جن کے پاس سواری نہیں تھی۔ اُن کے لئے سواری کا انتظام کیا گیا۔ غرض سُلطان نے ان لوگوں سے ایسا سلوک کیا۔ کہ ان سب کے دل سے بے اختیار اُس کے حق میں دُعائیں نکلنے لگیں۔ یروشلم کو فتح کرنے کے بعد سلطان نے طائر اور شمالی ساحل کے کئی دوسرے شہروں کو فتح کیا۔ لیکن جو شہر فتح ہوا۔ اُس کے تمام باشندوں کی جانیں بخش دی گئیں۔

تیسری صلیبی جنگ۔ یروشلم کی فتح کی خبریں یورپ پہنچیں۔ تو ہر طرف آگ سی لگ گئی۔ پوپ نے یورپ کے بڑے بڑے بادشاہوں کو مسلمانوں سے لڑنے پر اُبھارا۔ بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں

← حلب کا قلعہ موجودہ زمانے میں

Marfat.com

ہونے لگیں۔ اور جرمنی کا بادشاہ فریڈرک باربروسہ، فرانس کا فرمانروا فلپ، اور انگلستان کا تاجدار رچرڈ جو اپنی بہادری کی وجہ سے رچرڈ شیر دل کہلاتا تھا۔ بڑی بڑی فوجیں لے کر چلے۔ راستے میں یورپ کے مختلف ملکوں کے لوگ آ آ کر ان فوجوں میں شامل ہوتے جاتے تھے۔ ہر طرف سے جنگی سامان بھی آ رہا تھا۔ سب سے پہلے فریڈرک نے فلسطین کا رُخ کیا۔ لیکن وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے نہ پایا۔ راستے میں ایک دریا پڑتا تھا۔ اُسے عبور کرنا چاہا۔ لیکن غرقاب ہو گیا۔ اور اس کی فوج منتشر ہو گئی۔ اُن میں سے کچھ جرمنی واپس چلے گئے۔ کچھ بڑھ کے فلسطین جا پہنچے۔ اِتنے میں انگلستان کے بادشاہ کی فوج کا ایک حصّہ بھی شام کے ساحل پر جا اُترا تھا۔ جو عیسائی سپاہی یروشلم اور شام کے دوسرے شہروں سے نکلے تھے۔ وہ بھی ایک جگہ جمع ہو گئے تھے۔ چنانچہ ۱۱۸۹ء میں اِن سب لوگوں نے مل کر طائر اور عکا کے شہروں کو جا گھیرا۔

سلطان صلاح الدّین کو معلوم ہوا۔ تو فوج لے کر عکا والوں کی مدد کو پہنچا۔ مدّت تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اِتنے میں فرانس کا ایک نواب کاؤنٹ ہنری کمکی فوج لے کر پہنچا۔ اور جاتے ہی عکا پر دھاوا بول دیا۔ لیکن اُسے بڑا نقصان اُٹھا کر ہٹنا پڑا۔ اس واقعہ سے صلیبی فوجوں میں ایسی بددلی پھیلی۔ کہ وہ محاصرہ اُٹھانے پر آمادہ ہو گئیں۔ اتفاق سے اِنہیں دنوں فرانس کا بادشاہ فلپ اور انگلستان کا حکمران رچرڈ شیر دل بھاری فوجیں لے کر عکا کے سامنے جا پہنچے۔ اُن کے آنے سے صلیبی سپاہیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور پھر بڑے زور سے عکا پر حملے ہونے لگے۔

عکا پر عیسائیوں کا قبضہ۔ (۱۱۹۱ء) عکا کے شہر کے اندر مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی فوج تھی۔ شہر کے باہر سلطان صلاح الدین ڈیرے ڈالے پڑا تھا۔ اور روز بڑے زور کے معرکے ہو رہے تھے۔ چنانچہ اسی طرح دو سال تک برابر لڑائیاں ہوتی رہیں۔ لیکن ایک تو عکا کے شہر پر خشکی اور سمندر دونوں طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ پھر شہر میں کھانے پینے کی چیزیں بھی تھوڑ گئیں۔ اِس کے ساتھ ہی ایک مصیبت یہ آئی کہ سلطان صلاح الدّین بیمار ہو گیا۔ چنانچہ شہر والے جو دو سال تک بڑی بہادری سے لڑے تھے۔ شہر کو عیسائیوں کے حوالے کرنے بلکہ بہت سا روپیہ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ یہ روپیہ ادا کرنے میں کچھ تاخیر ہوئی۔ تو رچرڈ نے عکا کے محصور سپاہیوں کو جنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ قتل کر ڈالا۔ پھر بھی عکا کی فتح رچرڈ اور اس کے ساتھیوں کو بہت مہنگی

پڑی۔یعنی اِن معرکوں میں ساٹھ ہزار سے زیادہ صلیبی سپاہی مارے گئے۔اس کے علاوہ بے شمار روپیہ بھی خرچ ہوا۔اِس میں شک نہیں۔کہ عکا بڑا اہم شہر تھا۔بندرگاہ کی حیثیت سے بھی اُسے بڑی اہمیت حاصل تھی لیکن وہ یروشلم کو فتح کرنے کا ارادہ لے کر گھر سے نکلے تھے۔اور یروشلم کو فتح کرنا بہت مشکل معلوم ہوتا تھا ٭

اِس کے بعد ایک دو معرکے ہوئے۔اگرچہ اِن معرکوں میں صلیبی سپاہی خوب خوب لڑے۔ اور رچرڈ نے بھی سپہ گری کے سارے داؤں خرچ کر ڈالے۔لیکن سلطان صلاح الدین جیسے شخص کو نیچا دکھانا آسان کام نہیں تھا۔اِس لئے صُلح کی غرض سے قاصد دوڑائے۔دونوں طرف سے ایلچی آتے جاتے رہے بڑی بحثوں کے بعد رچرڈ اس بات پر آمادہ ہوگیا۔کہ اپنی بہن جون کو سلطان کے بھائی ملک العادل سے بیاہ دے۔اور جو شہر اُس کے قبضے میں ہیں۔بہن کے جہیز میں دے ڈالے۔اُدھر سلطان نے جو شہر عیسائیوں سے چھینے ہیں۔وہ بھی ملک العادل کے حوالے کر دیئے جائیں۔یروشلم اس حکومت کا صدر مقام قرار پائے۔ اور یہ دونوں میاں بیوی مل کر حکومت کریں۔یہ شرطیں دونوں فریقوں کو منظور تھیں۔لیکن مذہب کا اختلاف اس شادی کے راستے میں حائل ہوگیا۔یعنی پادریوں نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔رچرڈ کی بہن کو جا جا کے سمجھایا۔کہ اگر تو نے ملک العادل سے شادی کر لی۔تو تُو خدا کے رحم و کرم سے محروم ہو جائے گی۔وہ یہ سُن کر بہت ڈری۔بعض اور لوگ بھی جو صلاح الدین کے بھائی سے انگلستان کی شاہزادی کی شادی کرنے میں اپنی ہیٹی سمجھتے تھے۔اِس تجویز کے مخالف تھے۔غرض اِن شرطوں پر صُلح نہ ہو سکی ٭

رچرڈ کی شکست۔ اب رچرڈ نے پھر جنگ کی تیاریاں کیں۔اور بہت بڑی فوج لے کر یروشلم کی طرف بڑھا۔اب یروشلم صرف بارہ میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔اور بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا۔کہ صلیبی فوجیں یہاں سے بڑھیں گی۔تو یروشلم کی دیواروں تلے پہنچ کر دم لیں گی۔لیکن صلاح الدین نے جو رچرڈ کے پیچھے پیچھے چلا آتا تھا۔اُسے یہاں سے آگے بڑھنے نہ دیا۔عسقلان میں بڑے زور کی لڑائی ہوئی۔جس میں رچرڈ نے شکست کھائی ٭

اِس ناکامی نے اُسے ایسا مایوس کیا۔کہ اُس نے پھر سلطان سے صُلح کی درخواست کی۔مدّت تک ایلچی آتے جاتے رہے۔آخر ستمبر ۱۱۹۲ء میں عارضی صُلح کا معاہدہ ہوا۔جس کے رُو سے شام اور فلسطین کے سارے

Marfat.com

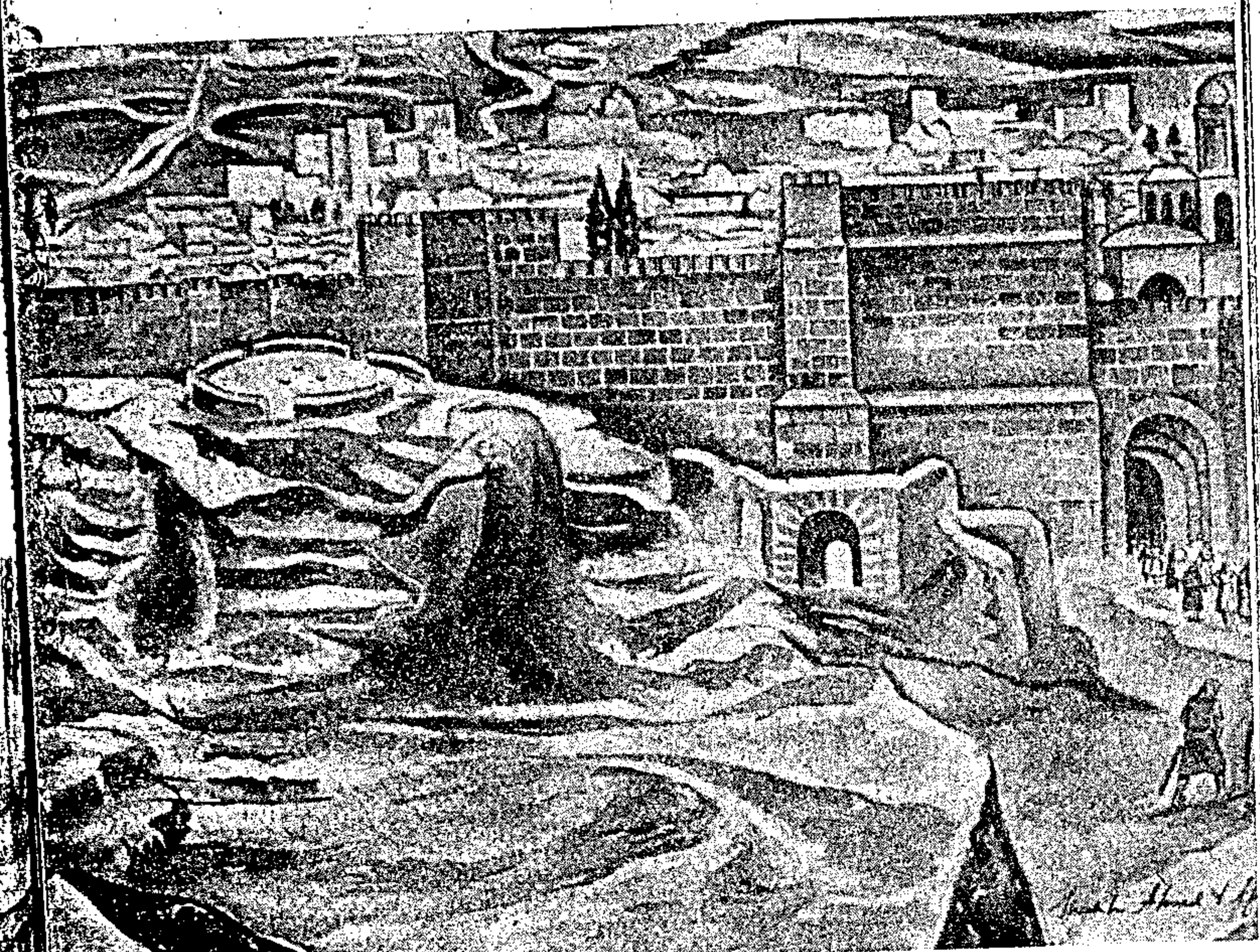

صلاح الدّین بیت المقدس کے باہر

عارضی صلح کے بعد رچرڈ کو اس شہر میں داخل ہونے کی علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا۔ البتہ عکا سے عسقلان تک کا ایک تنگ ساحلی علاقہ عیسائیوں کے قبضہ میں رہا۔ اصل میں صلیبی جنگوں کا حقیقی مقصد تو یروشلم پر قبضہ کرنا تھا لیکن یہ شہر مسلمانوں ہی کے پاس رہا۔ البتہ عیسائیوں کو یروشلم میں آنے جانے کی اجازت مل گئی۔ یہ عارضی صلح صرف تین برس کے لئے تھی۔ صلح سے کچھ عرصہ کے بعد رچرڈ دِل پر ناکامی کا داغ لے کر اپنے مُلک کو چلا گیا۔

سلطان صلاح الدّین کی وفات۔ رچرڈ کے جانے کے بعد صلاح الدّین چند دن یروشلم میں رہا۔ وہاں ایک مدرسہ اور شفاخانہ بنوایا۔ پھر ساحلی علاقوں کا دَورہ کر کے ٹوٹے پھوٹے قلعوں کی مرمّت کرائی۔ اور دمشق پہنچ کر چاہا تھا۔ کہ کچھ روز آرام کرے۔ اِتنے میں موت کا پیغام آپہنچا۔ اور خدا کے اس نیک بندے نے ۴ مارچ ۱۱۹۳ء (۲۷ صفر ۵۸۹ھ) کو رحمتِ خداوندی کے دامن میں آرام پایا۔ اُس نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی

Marfat.com

اجازت مل گئی تھی

تھی۔ تو معلوم ہوتا تھا۔ کہ مسلمانوں کے اقبال کا آفتاب پھر نصف النہار پر جا پہنچا۔ اور اُجڑے ہوئے چمن میں پھر بہار آگئی۔ لیکن اس کی موت کے ساتھ مسلمانوں کا اِتحاد مِٹ گیا۔ اور اُن کے اقبال کی بہار پھر ختم ہوگئی۔ ایک مؤرّخ اس کی موت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "خلافت راشدہ کا مِٹ جانا اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت بڑی مصیبت تھی۔ صلاح الدین کی وفات اس حادثہ کے بعد دوسری مصیبت ہے۔ جس سے مُسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا ہے۔" سلطان نورالدّین زنگی کی طرح صلاح الدّین بھی بڑا دیندار، عادل، دُور اندیش اور خدا ترس حکمران تھا۔ چنانچہ اس کے عدل و انصاف، نیکی اور فیاضی کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ وہ ایک مشہور کرد خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس نے جنگی کارناموں کی وجہ سے بڑا نام پایا تھا۔ لیکن صلاح الدّین اپنے قبیلے کے لوگوں کی طرح صرف شہسواری، تیر اندازی اور تیغ زنی ہی میں مہارت نہیں رکھتا تھا۔ اُس نے اعلےٰ درجے کی تعلیم بھی پائی

Marfat.com

تھی۔ اور مدّتوں بڑے بڑے علماء کی خدمت میں رہا تھا۔ فوج لڑانے کے طریقے اور جنگی چالیں اس نے اپنے چچا اسد الدّین شیرکوہ سے سیکھی تھیں۔ جو اپنے زمانے کا بڑا نامور سپہ سالار تھا ٭

صلاح الدین عالموں کا بڑا قدردان تھا۔ اس کے دربار میں ہمیشہ علمی چرچے رہتے تھے۔ اس نے اپنے زمانے میں مدرسے، شفاخانے، قلعے بنوائے۔ ٹوٹے پھوٹے قلعوں کی مرمّت کرائی۔ اس میں بادشاہوں کا سا غرور بالکل نہیں تھا۔ یروشلم فتح کرنے کے بعد اس کی فصیل بنوائی۔ تو خود مزدوروں کی طرح کام میں حصّہ لیا اور بھاری بھاری پتّھر اُٹھا کے لاتا رہا۔ اُس کی فیّاضی اور جوانمردی کا یہ حال تھا۔ کہ دشمن بھی سامنے آتا تھا۔ تو اُسے مُعاف کر دیتا تھا۔ یروشلم کی فتح کے تذکرے میں تم اُس کی فیّاضی اور خدا ترسی کا حال پڑھ چکے ہو۔ رعایا کے ساتھ وہ بڑی شفقت سے پیش آتا تھا۔ اور رعایا بھی اُس پر جان چھڑکتی تھی۔ یورپ کے لوگ جو اُس سے لڑنے آئے تھے۔ خود اُنہیں بھی اس کی خوبیوں کا اعتراف تھا۔ صلیبی فوج کے جو سپاہی شام اور فلسطین کی لڑائیوں میں حصّہ لینے کے بعد یورپ پہنچے۔ انہوں نے اپنے ہم وطنوں کو صلاح الدّین کی فیّاضی، شجاعت، اور بے تعصبی کی بہت سی کہانیاں سُنائیں۔ جو گھر گھر مشہور ہو گئیں۔ اِن میں سے بعض کہانیوں نے کتابوں میں جگہ پائی۔ چنانچہ یورپ کی مختلف زبانوں میں نظم و نثر کی بہت سی کتابیں ہیں۔ جن میں صلاح الدّین کا تذکرہ موجود ہے۔ موت سے پہلے صلاح الدّین اپنی ساری جائداد خیرات کر گیا تھا۔ اس خیرات میں کیا مسلمان اور کیا عیسائی سب کو حصّہ ملا ٭

صلاح الدّین کے جانشین۔ صلاح الدّین کی وفات کے بعد اس کی سلطنت اُس کے تین بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ اُس کے بھائی سیف الدّین ملک العادل کو بھی ایک علاقہ مِلا۔ لیکن ان تینوں بھائیوں میں جھگڑے شروع ہو گئے۔ اور اُن کی خانہ جنگیوں نے ایسا طُول کھینچا۔ کہ عیسائی جو ایسے ہی کسی موقع کے منتظر تھے۔ پھر فلسطین پر چڑھ دَوڑے۔ یہ دیکھ کر ملک العادل نے ان جھگڑوں کو نمٹانے کی طرف توجّہ کی۔ اور صلاح الدّین کی سلطنت جن ریاستوں میں بٹ گئی تھی۔ اُنہیں ملا کر پھر ایک طاقت ور سلطنت قائم کر لی۔ چنانچہ ۱۲۰۰ء تک ملک العادل کی ہمّت اور تدبیر سے سارے جھگڑے مِٹ گئے۔ اور مِصر، شام، یسوپوٹیمیا اور عرب میں اس کی حکومت قائم ہو گئی ٭

سلطان صلاح الدّین کی وفات کو دو برس ہوئے تھے۔ کہ چوتھی صلیبی جنگ چھڑ گئی۔ لیکن ملک العادل

نے صلیبی فوجوں کو بیروت سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اور اُنہوں نے مجبور ہوکر صلح کر لی۔ تین سال کے بعد یورپ سے ایک لشکر چلا۔ لیکن یہ فوج فلسطین کا رُخ کرنے کی بجائے لُوٹ مار کرتی ہوئی، قسطنطنیہ کی بازنطینی حکومت سے جا ٹکرائی۔ اور اس مُلک کو خوب ویران کیا۔ ۱۲۱۶ء میں چھٹی صلیبی جنگ شروع ہوئی۔ صلیبی سپاہی بڑے ساز و سامان کے ساتھ فلسطین پر بڑھے۔ لیکن شام پہنچ کر ان لوگوں کا رُخ مصر کی جانب پلٹ گیا۔ ملک العادل کو یہ خبر پہنچی۔ تو اُس نے فوج لے کر مصر کا رُخ کیا۔ لیکن راستے ہی میں موت نے آلیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا کامل تخت پر بیٹھا +

عیسائیوں نے مصر پہنچ کر دمیاط کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ نے ایسا طول کھینچا۔ کہ تین برس تک مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر بڑا نقصان اُٹھانے کے بعد یہ شہر اُن کے قبضے میں آیا۔ اب اُنہوں نے قاہرہ کی جانب پیش قدمی کی۔ کامل کو معلوم ہوا۔ تو وہ اپنے بھائی معظّم کو ساتھ لے کر قاہرہ پہنچا۔ اور جاتے ہی دریائے نیل کے بند توڑ ڈالے۔ نیل کا پانی آس پاس کے علاقے میں اس طرح پھیلا۔ کہ صلیبی سپاہیوں کے لئے جانیں بچانا مشکل ہوگیا۔ مجبور ہوکر صلح کی درخواست کی۔ اور دمیاط کا شہر بھی خالی کر دیا۔ کامل اور معظّم میں اتحاد رہتا۔ تو شاید یورپ کے کسی شاہ و شہریار کو شام اور فلسطین کی طرف رُخ کرنے کی ہمّت نہ ہوتی۔ لیکن اُن میں جھگڑے شروع ہوگئے۔ جرمنی کے بادشاہ فریڈرک نے موقع پاکر شام پر حملہ کر دیا۔ کامل میں اُس کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں تھی۔ اس لئے یروشلم، بیت اللحم اور ناصرہ کے علاوہ یافہ اور عکا کے درمیان جتنے چھوٹے چھوٹے شہر تھے۔ سب فریڈرک کے حوالے کر دیئے۔ یروشلم زیادہ مدّت تک عیسائیوں کے قبضہ میں نہیں رہا۔ چنانچہ ۱۲۴۴ء میں ابو نصر داؤد نے جو معظّم کا بیٹا اور کامل کا بھتیجا تھا۔ یہ شہر اُن سے چھین لیا +

مملوک ۔ کامل بڑا کمزور حکمران تھا۔ اُس کے زمانے میں بعض امیروں نے جو مملوک کہلاتے تھے۔ بڑا زور پکڑا۔ یہ امیر شروع میں غلام تھے۔ لیکن صلیبی لڑائیوں میں تلوار کے جوہر دکھا کر بڑے بڑے عہدوں پر جا پہنچے۔ اس زمانے میں ایوبی سلطنت پھر کئی چھوٹی ریاستوں میں بٹ گئی تھی۔ جن پر ایوبی خاندان کے لوگ حکمران تھے۔ ملک العادل کے پوتے یعنی کامل کے بیٹے صالح ایوب نے اِن بکھری ہوئی ریاستوں کو سمیٹ کر پھر خاصی بڑی سلطنت قائم کر لی۔ لیکن ابھی وہ اس کام سے فارغ نہیں ہوا تھا۔ کہ فرانس کے بادشاہ لوئی نے بہت بڑی فوج

Marfat.com

لے کر مصر پر حملہ کر دیا۔ اِسی زمانے میں ملک صالح کا انتقال ہو گیا۔ اور اُس کے بیٹے توران شاہ نے حکومت سنبھالی۔ توران شاہ کی حکومت کے زمانے میں جو کچھ تھے۔ مملوک سردار تھے۔ اُنہوں نے فرانس کے بادشاہ کو شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ اور اس نے کچھ عرصہ قید رہنے کے بعد فدیہ ادا کر کے رہائی پائی۔ غرض اِس طرح صلیبی لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا ؛

مملوک سرداروں کے دو گروہوں کے درمیان مدّت سے جھگڑے چلے آتے تھے۔ انہیں جھگڑوں میں توران شاہ مارا گیا۔ کچھ عرصے تک ملک صالح کی بیوی شجرۃ الدّر جو اصل میں ایک شامی کنیز تھی۔ حکومت کرتی رہی۔ آخر ایک مملوک سردار معز الدین ایبک نے مِصر کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور اس سرزمین سے ایّوبیوں کا اقتدار اُٹھ گیا۔ معز الدّین ایبک کے بعد یکے بعد دیگرے کئی مملوک سردار تخت پر بیٹھے۔ سلطان بیبرس بُندقداری جو ملک الظاہر کے لقب سے مِصر کے تخت پر بیٹھا۔ مملوک سلاطین میں سب سے طاقت ور سمجھا جاتا ہے۔ مملوکوں کے حالات آگے چل کر آئیں گے۔ پہلے اِسلامی دُنیا کے بعض دوسرے حصّوں کا تھوڑا سا حال سُن لو۔ کیونکہ جن دنوں مملوک سردار مِصر میں اپنے قدم جما رہے تھے۔ عراق، ایران اور ترکستان میں بڑے اہم واقعات رونما ہو رہے تھے ؛

خوارزم شاہی۔ آج کل جو علاقہ خیوا کے نام سے مشہور ہے۔ اُسے کسی زمانے میں خوارزم کہتے تھے۔ اور وہاں کے حاکم کا لقب خوارزم شاہ تھا۔ سلجوقیوں نے اپنے ایک سردار کو اس علاقے کا حاکم مقرر کیا تھا۔ آگے چل کر وہ بالکل خود مختار ہو گیا۔ اور خوارزم کے علاوہ ایران پر بھی اُس کی حکومت قائم ہو گئی۔ اس خاندان کا ایک حکمران تکش تھا۔ جس نے اپنی سلطنت کو بڑی وسعت دی۔ اور سلجوقیوں کے قبضے میں عراق کا جو چھوٹا سا علاقہ رہ گیا تھا ۱۱۹۴ء میں اس پر بھی قبضہ کر لیا ؛

تکش کا بیٹا علاؤالدّین محمد اپنے باپ کی طرح بڑے دبدبہ کا فرماں روا تھا۔ چنانچہ اس نے بہت سا علاقہ فتح کر کے اپنی سلطنت کے ڈانڈے ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف چین سے ملا دیئے۔ ۱۲۱۴ء میں وہ بغداد پر قبضہ کرنے کے ارادے سے چلا۔ لیکن راستے میں برف اور بارش نے آلیا۔ اور اُسے مجبوراً ہٹنا پڑا ؛

جن دنوں خوارزم شاہی پورے عروج پر تھی۔ چنگیز خان نے وحشی مُغل اور تاتاری قبیلوں کو متّحد کر کے ایک بہت بڑی سلطنت قائم کر لی تھی۔ یہ شخص ابتدا میں ایک مغل قبیلے کا سردار تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ اپنے سارے

Marfat.com

حریفوں کو نیچا دکھا کے ایک بہت بڑی سلطنت کا مالک بن بیٹھا۔ علاؤالدین محمد اور چنگیز خان کی سلطنتوں کی سرحدیں آپس میں ملتی تھیں۔ دونوں حکومتوں میں بہت اچھے تعلقات تھے۔ اور دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے تھے۔ لیکن علاؤالدین محمد بڑا خودسر اور ناعاقبت اندیش شخص تھا۔ اُس سے ایک بڑی سخت غلطی یہ ہوئی۔ کہ چنگیز خان نے اُس کے دربار میں اپنا ایلچی بھیجا۔ تو اُس نے غصّے میں آکر اُسے قتل کر ڈالا۔ چنگیز پہلے ہی مسلمانوں کے علاقوں کو پامال کرنے کے لئے کسی موقع کے انتظار میں تھا۔ یہ خبر ملی۔ تو چھ لاکھ تاتاریوں کا ٹڈی دل لے کر خوارزم شاہ کے علاقے پر چڑھ آیا۔ یہ چڑھائی کیا تھی۔ خدا کا قہر تھا۔ خونخوار درندے، گروہ در گروہ سیلاب کی طرح بڑھے چلے آتے تھے۔ اور اس سیلاب کی موجیں شہروں اور قصبوں کو تنکوں کی طرح بہائے لیے چلی جاتی تھیں۔ چنگیز خاں اور اُس کے سپاہی جنگ کا ایک ہی قاعدہ جانتے تھے۔ وہ جس شہر میں جا گھستے۔ اُس کے باشندوں کو قتل کر ڈالتے۔ اور مال و اسباب لُوٹ کر شہر کو آگ لگا دیتے۔ سمرقند، بلخ، نیشاپور، ہرات، رے اور ہمدان وغیرہ جو مسلمانوں کے تہذیب و تمدّن کے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئے۔ اُن کے باشندے قتل کر دیئے گئے۔ اور جو باقی بچے انہیں غلام بنا لیا گیا +

علاؤالدین محمد اِس سیلاب کے سامنے کیا ٹھہر سکتا تھا۔ بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن جِدھر جاتا تھا چنگیزی فوجیں پیچھے پیچھے تھیں۔ آخر بھاگتا چھپتا بُحیرہ خزر کے ایک جزیرے میں پہنچا۔ اور ۱۲۲۰ء میں وہاں بڑی بے سروسامانی کی حالت میں وفات پائی۔ علاؤالدین محمد کا بیٹا جلال الدین بڑا دلاور شخص تھا۔ اُسے اگر زمانہ موقع دیتا۔ تو بڑے دبدبے کا فرمانروا ہوتا۔ لیکن باپ کے مرتے ہی اپنے آپ کو دشمنوں کے نرغے میں پایا۔ اِس پر بھی اُس نے ہمّت نہ ہاری۔ تھوڑی بہت فوج سمیٹ کر مغلوں پر جا چڑھا۔ اور انہیں دو معرکوں میں شکست دی۔ چنگیز کو خبر ملی۔ تو اُس کے مقابلے کے لئے خود چلا۔ لیکن جلال الدین کو جن رفیقوں کا سہارا تھا۔ وہ مُنہ موڑ چکے تھے۔ چنانچہ جب اٹک کے کنارے چنگیز نے اُسے گھیرا۔ تو اُس کے ساتھ صرف سات سو سوار تھے۔ لیکن وہ تلوار کھینچے اِس ٹوٹی پھوٹی فوج کے آگے آگے تھا۔ اور جدھر جا پڑتا تھا۔ دشمن کی فوجیں کائی کی طرح پھٹ جاتی تھیں۔ خود چنگیز خان کا یہ حال تھا۔ کہ اُس کی جنگِ رستمانہ دیکھ کر عَش عَش کر رہا تھا۔ آخر جب جلال الدین کے دو گھوڑے لڑائی میں مارے جا چکے۔ تو کُود کر تیسرے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اگرچہ اس جگہ اٹک کا کڑاڑا کوئی تیس فٹ اونچا تھا۔ لیکن اس نے

Marfat.com

Marfat.com

گھوڑے کو ایڑ بتائی۔ تو پلک جھپکتے میں موجوں سے لڑتا نظر آیا۔ غرض اسی طرح لہروں کے تھپیڑے کھاتا ڈوبتا اُبھرتا، کنارے جا لگا ۔

چنگیز خان ہندوستان پر چڑھائی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن سلطان شمس الدین اِلتُتمش کی فوجوں نے اُسے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ یہاں سے وہ عراق کی طرف پلٹا۔ لیکن خلیفہ مستنصر (۱۲۲۶ء سے ۱۲۴۲ء تک) نے اُسے راستے میں روک کر مار ہٹایا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ فاتح جس نے سارے وسط ایشیا میں قیامت برپا کر دی تھی۔ منگولیا کے علاقے میں جو اُس کے باپ دادا کا وطن تھا۔ واپس چلا گیا۔ اور وہیں وفات پائی ۔

ہلاکو بغداد میں ۔ ہلاکو چنگیز خاں کا پوتا تھا۔ اس کا بڑا بھائی منگو خان خاقانِ چین یعنی چین کا شہنشاہ تھا۔ ۱۲۵۳ء میں اس کے چھوٹے بھائی ہلاکو خان نے ایک بہت بڑا لشکر لے کے مغرب کا رُخ کیا۔ اِیران کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ جنہیں مغلوں کے حملے کا یہ سیلاب خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔ پھر اُس نے حشاشین یعنی باطنیوں کے علاقے کا رُخ کیا۔ اور الموت کے قلعہ پر قبضہ کر کے باطنیوں کو جو مدّت سے سارے عالمِ اسلام کے لئے ایک مستقل خطرہ بنے ہوئے تھے۔ بالکل تباہ کر ڈالا۔ یہاں سے وہ خراسان کے راستے بغداد کی جانب بڑھا۔ اِن دنوں مستعصم باللہ (۱۲۴۲ء۔ ۱۲۵۸ء) خلیفہ بغداد تھا۔ ہلاکو نے پہلے مستعصم کے پاس اپنا ایلچی بھیجا۔ خلیفہ اور اس کے درباری وقت کی نزاکت سے بے خبر اور ہَوا کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُنہوں نے بالکل پروانہ کی۔ ہلاکو کو روکنے کی بھی کوئی کوشش نہ کی گئی چنانچہ وہ جنوری ۱۲۵۸ء میں بغداد کے سامنے آپہنچا۔ اور آتے ہی شہر کو گھیر لیا۔ چالیس دن کے محاصرہ کے بعد مستعصم اپنے خاندان کے لوگوں سمیت ہلاکو کی پناہ میں چلا گیا۔ اور بغداد کی فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے ۔

بغداد کی تباہی ۔ دوسری صُبح ہلاکو نے اپنی فوج کو حُکم دیا۔ کہ بغداد کو لُوٹ لو۔ اور جو سامنے آئے۔ اُسے کاٹ کے ڈال دو۔ چنانچہ مغل سپاہی تلواریں کھینچے شہر میں گھُس گئے۔ اور قتل و غارت کا وہ طوفان اُمڈا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ بغداد کی آبادی بیس لاکھ تھی! اس میں سے کوئی سترّہ لاکھ یعنی تین چوتھائی سے زیادہ تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔ بغداد کے محل، مسجدیں، مقبرے، شفاخانے، مدرسے، کتب خانے، سب بے نشان ہو گئے۔

⟵ جلال الدین شاہ خوارزم، اٹک میں گھوڑا ڈال رہا ہے

جو نایاب علمی خزانے صدیوں کی محنت سے جمع ہوئے تھے۔ آگ کی نذر کر دیئے گئے۔ چنانچہ جب مغلوں کی تلواروں نے دم لیا۔ تو بغداد جو پانچ سو برس سے مسلمانوں کے علم و ہنر اور تہذیب کی شائستگی کا مرکز بنا رہا تھا۔ اور جس کی رونق اور چہل پہل کا مقابلہ دنیا کا کوئی شہر نہیں کر سکتا تھا۔ خاک کا تودہ تھا۔

مستعصم کا قتل ۔ مستعصم سے جاں بخشی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن چوتھے ہی دن اُسے لاتیں اور گھونسے مار مار کر ہلاک کر ڈالا گیا۔ عبّاسی شہزادے اور شہزادیاں، مستعصم کے درباری، اور مصاحب، عالم، فاضل اور شاعر جو اس کے ساتھ ہلاکو کی پناہ میں چلے گئے تھے۔ تلوار کے گھاٹ اُتر گئے۔ اگرچہ چنگیز کا حملہ بھی قہر خداوندی کا نمونہ تھا۔ لیکن بغداد کا لٹنا اور خلیفہ کا یوں قتل ہونا قیامت تھا۔ ساری اسلامی دنیا میں کہرام مچ گیا۔ اور مہینوں بلکہ برسوں در و دیوار سے فریاد و زاری کی صدائیں بلند ہوتی رہیں۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ مسلمانوں پر اتنی تباہی کبھی نہیں آئی تھی۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ بغداد کی عبّاسی خلافت میں مدّت سے کوئی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن عبّاسی خلیفہ اب بھی سارے عالم اسلام کا فرمانروا سمجھا جاتا تھا۔ اور بڑے بڑے فاتح اُس کے دربار میں پہنچ کر گردنیں جھکا دیتے تھے۔ اُس کا نام جمعہ کے خطبہ میں لیا جاتا تھا۔ اُس کی طرف سے بادشاہوں کو خلعت بھیجے جاتے تھے حکومتوں کی سندیں عطا ہوتی تھیں۔ اور بغداد کو اس زمانے میں سارے عالم اسلام کے مرکز کی حیثیت حاصل تھی۔ کسی کو یقین نہیں آتا تھا۔ کہ بغداد یوں مٹ سکتا ہے۔ اور عبّاسی خلافت اس طرح ختم ہو سکتی ہے۔ اُس زمانے کے شاعروں نے بغداد کی تباہی اور مستعصم کے قتل پر جو مرثیے لکھے ہیں۔ اُنہیں پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ کاغذ پر خون کے آنسو ٹپکائے ہیں۔ عربی میں جو مرثیے لکھے گئے ہیں۔ اُن کا تو کوئی شمار نہیں۔ فارسی زبان کے مشہور شاعر سعدی شیرازی نے بھی اس واقعہ سے متاثر ہو کر ایک مرثیہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس زمانے میں بھی مسلمانوں کو عبّاسی خلیفہ سے کتنی عقیدت تھی۔

مغلوں کی شکست ۔ بغداد سے ہلاکو کی فوجیں عراق کے دوسرے شہروں کی جانب بڑھیں اور اُن پر بھی یہی ماجرا گزرا۔ دمشق سے ہلاکو ایران چلا گیا۔ کیونکہ اس کے بھائی منگو خان کا انتقال ہو گیا تھا۔ لیکن جانے سے پہلے وہ شام، فلسطین اور مصر کی فتح کا کام اپنے ایک جرنیل کے سپرد کیا گیا تھا۔ چنانچہ مغل فوجیں شام سے

ہوتی ہوئی فلسطین کی جانب بڑھیں۔لیکن مشہور مملوک سردار بیبرس نے جو ابھی مصر کا سلطان نہیں بنا تھا۔مغلوں کو روک لیا۔فلسطین میں عین جالوت ایک مقام ہے۔یہاں مغلوں نے سخت شکست کھائی۔اور ان کا سپہ سالار مارا گیا۔مغلوں نے شام کا رُخ کیا۔لیکن بیبرس اُن کے پیچھے پیچھے تھا۔اس نے اُنہیں یہاں سے بھی نکال دیا۔البتّہ بغداد پر ہلاکو اور اُس کے جانشینوں کا قبضہ رہا۔ہلاکو کے جانشین ایل خانی کہلاتے تھے۔اور انہوں نے بڑی وسیع حکومت قائم کر لی تھی۔

تم پڑھ چکے ہو۔کہ تیرھویں صدی میں مسلمانوں کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔مغرب کی طرف سے صلیبی فوجیں بڑھی چلی آتی تھیں۔مشرق کی طرف مغلوں نے بڑا زور باندھ رکھا تھا۔اور مسلمانوں کی تباہی میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔لیکن خُدا کی قُدرت کہ اس صدی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے مسلمانوں نے صلیبی جنگ آزماؤں کو شام اور فلسطین سے بالکل باہر نکال دیا۔اور صلیبی لڑائیوں کا یہ سلسلہ بالکل ختم ہو گیا۔ادھر ایل خانی خاندان کا ساتواں حکمران غازان خان (۱۲۹۵ء سے ۱۳۰۴ء تک) مُسلمان ہو گیا۔اور اسلام اس کی سلطنت کا مذہب قرار پایا۔دیکھو! مُغلوں نے اسلام کو مٹا دینا چاہا تھا۔لیکن اُنہیں کامیابی نہ ہوئی۔البتّہ اسلام نے اپنی سیدھی سادی تعلیم کی بدولت اُن کے دِلوں پر پوری طرح قبضہ کر لیا۔یہ اسلام کی عظیم الشان فتح تھی۔لیکن اس کے لِئے نہ لشکر جمع کیئے گئے۔نہ تیروں، تلواروں، گُرزوں اور نیزوں سے کام لیا گیا۔

مِصر کی عبّاسی خلافت۔تم سلطان بیبرس کا تھوڑا سا حال پڑھ چکے ہو۔مِصر کا سلطان بننے کے بعد اُسے خیال آیا۔کہ از سرِ نو خلافت قائم کی جائے۔بڑی تلاش کے بعد عبّاسی خاندان کا ایک شہزادہ مِلا۔جس کا نام احمد ابو القاسم تھا۔اور جو مستعصم باللہ کا چچا ہوتا تھا۔اسے مِصر میں مستنصر باللہ کے لقب سے مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا۔یہ عبّاسی خلافت جو بالکل برائے نام تھی۔مملوکوں کی سرپرستی میں ڈھائی سو برس قائم رہی۔آخر اس خاندان کا آخری خلیفہ متوکّل عثمانی تُرکوں کے فرماں روا سلطان سلیم کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گیا۔

Marfat.com

Marfat.com

بنو عبّاس کا عہدِ خلافت

خلافت بنی عبّاس۔ خلافت بنی اُمیّہ اور خلافتِ عبّاسیہ دونوں پر غور کرو۔ تو اُن کے انداز میں کوئی نمایاں فرق نظر نہیں آتا۔ امویوں نے خلفائے راشدین کے طریقے کو چھوڑ کر خلافت کو وراثت بنا لیا تھا عبّاسیوں نے بھی ان کی پیروی کی۔ چنانچہ عبّاسی خلفا بھی امویوں کی طرح اپنی زندگی ہی میں اپنے خاندان کے کسی شخص کو جانشین مقرر کر جاتے تھے۔ گویا اموی خلافت کی جگہ عبّاسی خلافت کے قائم ہونے سے صرف اِتنی تبدیلی ہوئی۔ کہ حکومت ایک خاندان سے نکل کر دوسرے خاندان میں چلی گئی +

دونوں خلافتیں اپنے عام انداز کے اعتبار سے تو بڑی مشابہت رکھتی ہیں۔ لیکن کئی حیثیتوں سے اُن میں خاصا فرق بھی نظر آتا ہے۔ عبّاسی اپنے آپ کو محض دنیوی فرمانروا ہی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے دینی پیشوا ہونے کا دعویٰ بھی رکھتے تھے۔ اس لیے وہ مذہبی معاملات پر بڑا زور دیتے تھے۔ پھر مُسلمان اِس خیال سے اُن کی بڑی عزّت کرتے اور دینی مسائل میں اُن کے خیالات کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ کہ وہ خاندانِ رسالت مآب سے قرابت رکھتے تھے۔ یعنی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلّم کے چچا کی اولاد تھے۔ اِس لئے جب اُن کے اقبال کا آفتاب ڈھلنے لگا۔ اور وُہ دنیوی اقتدار سے محروم ہو گئے۔ جب بھی اُن کی ظاہری شان و شوکت برقرار رہی۔ اور وہ ساری اسلامی دُنیا کے پیشوا سمجھے جاتے رہے۔ چنانچہ بڑے بڑے خود مختار حکمران بھی عبّاسی خلیفہ کو اپنا آقا اور ولی نعمت کہتے۔ اور اس سے حکمرانی کی سند حاصل کرنے کو باعثِ عزّت سمجھتے تھے۔ اِس سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا۔ کہ اسلامی دُنیا میں ایک قسم کا اتحاد اور یک جہتی قائم رہی +

ایک اور حیثیت سے بھی عبّاسیوں اور امویوں میں بڑا فرق نظر آتا ہے۔ عبّاسیوں پر ایرانیوں کا بڑا اثر پڑا تھا۔ تم پڑھ چکے ہو۔ کہ جب عبّاسیوں نے بنو اُمیّہ سے خلافت چھیننے پر کمر باندھی۔ تو اُن کی حمایت میں ایران اور خراسان کے نو مُسلم باشندے پیش پیش نظر آتے تھے۔ ابو مُسلم خراسانی جس کی مدد سے عبّاسیوں نے اقتدار حاصل کیا۔ اصل کے اعتبار سے ایک ایرانی غلام تھا عبّاسیوں نے خلافت پائی۔ تو ابو مُسلم کو خراسان کا والی مقرر کیا گیا چنانچہ

Marfat.com

اُس نے وہاں ایک طرح سے خود مختار حکومت قائم کرلی تھی۔ منصُور کے زمانے میں خالد برمکی کو جو دراصل بلخ کا رہنے والا تھا۔ وزارت کا عہُدہ ملا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یحییٰ اور دو پوتے یعنی فضل اور جعفر یکے بعد دیگرے اس عہدے پر رہے۔ بعد کے زمانے میں تُرکوں نے بڑا اقتدار حاصل کیا۔ اور وہ خلافت پر بالکل چھا گئے ؛

عبّاسیوں کے زمانۂ زوال میں جن حُکمران خاندانوں نے بڑے بڑے وسیع علاقوں پر حکومتیں قائم کیں اُن میں اکثر غیر عرب تھے۔ دراصل عبّاسیوں کے عہدِ خلافت میں سرکاری ملازمتوں کے دروازے ہر شخص پر کھُلے تھے۔ اسلامی سلطنت کے مختلف حصّوں کے باشندوں میں جو لوگ لائق اور کاردان نظر آتے تھے۔ انہیں سرکاری عہُدوں پر مقرر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اکثر غلام ترقی کرکے بڑے بڑے عہدوں پر جا پہنچے۔ اُن میں سے بعض صوبوں کے حاکم بنے۔ اور بعض نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کرلیں۔ گویا اس زمانے میں قوم، خاندان اور قبیلے کو کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ اور غلامی اور گُمنامی، وزارت یا بادشاہت تک پہنچنے میں سدِّ راہ نہیں ہوتی تھی۔ اگرچہ اکثر عرب خاندانوں کو یہ بات سخت ناپسند تھی۔ تاہم انصاف کی بات یہ ہے۔ کہ خلفائے بنی عبّاس نے اس معاملے میں جو طریقہ اختیار کیا۔ وہ اسلامی تعلیم سے پُوری پُوری مطابقت رکھتا ہے۔ کیونکہ اسلام قوم اور نسل قبیلہ اور خاندان کی اُونچ نیچ کو نہیں مانتا ؛

خلیفہ اور شورائے ۔ شروع شروع میں عبّاسی خاندان کے جو لوگ خلافت کی مَسند پر بیٹھے۔ وہ بڑے لائق اور مدبّر حکمران تھے۔ سارے مُلکی معاملات کی باگ ڈور اُن کے اپنے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ اور چھوٹے چھوٹے انتظامی امور پر بھی اُن کی نظر رہتی تھی۔ جنگ کے زمانے میں وہ سپہ سالاری کے فرائض خود انجام دیتے تھے۔ خاص خاص مقدمات کا فیصلہ بھی کرتے تھے۔ اُن کے سامنے اپیلیں بھی پیش ہوتی تھیں۔ انہوں نے مجلس شورائے کے نام سے ایک کونسل مقرر کر رکھی تھی۔ جس میں شاہی خاندان کے ارکان، سرکاری عہدہ دار اور خاندان عبّاسی کے خاص خاص حامی شریک ہوتے تھے۔ جب خلافت کو زوال آیا۔ تو یہ کونسل علماء اور فقہاء کی مجلس بن کر رہ گئی۔ جو صرف مذہبی معاملات میں خلیفہ کو مشورہ دیتی تھی ؛

وزیر ۔ امویوں کے زمانے میں وزارت کا عہدہ نہیں ہوتا تھا۔ یہ عہُدہ پہلے پہل عبّاسیوں کے عہد میں قائم ہوا۔ اور وزیر تمام مُلکی معاملات میں خلیفہ کا ہاتھ بٹانے لگا۔ وزیر خلیفہ کا نائب تھا۔ اور سلطنت کے سارے

Marfat.com

عُہدہ دار اس کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ وزیروں نے بڑا زور پکڑا۔ اور خلیفہ کو اطلاع دیئے بغیر ہر قسم کے احکام جاری کرنے لگے ؛

عبّاسیوں کے عہد میں حاجب کا عُہدہ بھی بہت اہم سمجھا جاتا تھا۔ حاجب خلیفہ کے ساتھ ساتھ رہتا تھا اور جو معاملات خلیفہ کی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی نگرانی کرتا تھا۔ اِس لئے وہ خلیفہ کے مزاج میں بڑا دخل رکھتا تھا۔ بعض اوقات ایک ہی شخص خلیفہ کا حاجب بھی ہوتا تھا۔ اور وزارت کے فرائض بھی انجام دیتا تھا اس طرح اُسے غیر معمولی اختیارات حاصل ہو جاتے تھے ؛

صُوبوں کا انتظام ۔ عبّاسی خلفاء نے سلطنت کو وسعت دینے کی بجائے اسے مضبوط بنانے کی جانب توجّہ کی۔ یہ وسیع سلطنت چوبیس صُوبوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ہر صوبہ میں ایک حاکم مقرر تھا جو والی کہلاتا تھا۔ والی صُوبے کا انتظام بھی کرتا تھا۔ فوج کا افسر اعلیٰ بھی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اُسے خود مختاری حاصل نہیں تھی۔ بلکہ اُسے خلیفہ کے سامنے اپنے سارے اعمال کی جواب دہی کرنی پڑتی تھی۔ ہر صوبے میں جاسُوس موجود ہوتے تھے۔ جو خلیفہ کو والی کے متعلق خبریں پہنچاتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ اِن جاسُوسوں کے ذریعہ خلیفہ کو عام لوگوں کے خیالات اور اُن کی سرگرمیوں کا حال بھی معلوم ہوتا رہتا تھا۔ ہر صُوبے میں کئی افسر مقرر کیے جاتے تھے۔ جو مختلف محکموں کی نگرانی کرتے تھے۔ ان افسروں کو خود خلیفہ مقرر کر کے بھیجتا تھا ؛

مختلف محکمے ۔ عبّاسیوں کے عہد خلافت میں سلطنت کا انتظام اعلےٰ درجے کا تھا۔ وزیر کی ماتحتی میں کئی عُہدہ دار تھے۔ جو الگ الگ صیغوں کا انتظام کرتے تھے۔ اِن میں سے بعض صیغے تو بنو اُمیّہ کے عہد حکومت سے چلے آتے تھے۔ لیکن عبّاسی عہد میں بعض نئے محکمے بھی قائم کیے گئے۔ اِس زمانے میں بھی آمدنی کی بڑی بڑی مدیں وہی تھیں۔ جو بنو اُمیّہ کے زمانے سے چلی آتی تھیں۔ اور دیوان الخراج سلطنت کا سب سے اہم محکمہ سمجھا جاتا تھا۔ اس سے دوسرے درجے پر دیوان الرّسائل تھا۔ بنو اُمیّہ کے حالات میں تم دیوان الخاتم کے حالات پڑھ چکے ہو۔ عبّاسیوں کے زمانے میں دیوان الخاتم کے فرائض بھی دیوان الرّسائل کے سپرد کر دیئے گئے تھے۔ اس محکمہ کا افسر خلیفہ کے خاص آدمیوں میں سے سمجھا جاتا تھا۔ مُہرِ خلافت بھی اُسی کی تحویل میں رہتی تھی۔ وہ فرامین، سندات، اور احکام جاری کرتا۔ اور ان کاغذات پر خلیفہ کی مُہر لگاتا تھا۔ اِس کے ساتھ ایک اور محکمہ تھا۔ جو دیوان التّوقیعات کہلاتا تھا۔ ساری عرضیاں

Marfat.com

اور محضر اسی محکمے میں آتے تھے۔ اور اُن کے جواب بھی یہیں سے دیئے جاتے تھے ٭

ڈاک کا محکمہ سلطنت کے اہم محکموں میں سے تھا۔ ہر صوبے میں خلیفہ کی طرف سے ایک افسر مقرر تھا۔ جو صاحب البرید کہلاتا تھا۔ یہ افسر ایک تو ڈاک کا انتظام کرتا تھا۔ دوسرے خلیفہ کو صوبے کے حالات یعنی نظم و نسق اہل کاروں کے طرزِ عمل، کسانوں کی حالت اور فصلوں کی کیفیت سے باخبر رکھتا تھا۔ عام لوگ بھی ڈاک کے اِس انتظام سے فائدہ اُٹھا کر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے نام خط بھیج سکتے تھے۔ سڑکوں پر سنگِ میل نصب کرانا، ڈاک کی چوکیاں بنوانا اور ڈاک بھیجنے کے لئے تازہ گھوڑوں، خچروں اور اُونٹوں کا انتظام کرنا، صاحب البرید کے فرائض میں شامل تھا۔ کبھی کبھی کبوتروں سے بھی خبر رسانی کا کام لیا جاتا تھا ٭

پولیس اور عدالتیں ۔ دارالحکومت کے علاوہ دوسرے تمام شہروں میں بھی پولیس کا محکمہ قائم تھا جسے شُرطہ کہتے تھے اور جس کا کام لوگوں کی جان و مال کی حفاظت تھا۔ پولیس کے علاوہ احتساب کا محکمہ بھی موجود تھا جس کے افسر کو محتسب کہتے تھے۔ اس محکمے کا کام یہ تھا۔ کہ کوئی خلاف شریعت حرکت نہ ہونے پائے ٭

عبّاسیوں کے عہد حکومت میں جا بجا عدالتیں موجود تھیں۔ غیر مسلموں کے مقدّمات کا فیصلہ ان کے مذہبی پیشوا کرتے تھے۔ مسلمانوں کے مقدّمات قاضی کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ بغداد کا قاضی جو قاضی القضّاۃ کہلاتا تھا۔ عدالت کے صیغے کا افسر اعلیٰ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ دیوان المظالم کے نام سے ایک محکمہ موجود تھا۔ جس کے سامنے مرافعے یعنی اپیلیں پیش کی جاتی تھیں۔ ان اپیلوں کا فیصلہ خود خلیفہ کرتا تھا۔ سلطان نورالدین زنگی نے اپنے عہد میں دارالعدل یعنی عدالت عالیہ کی بنیاد ڈالی۔ عدالتوں میں صرف نیک کردار لوگوں کی شہادت قابل اعتماد سمجھی جاتی تھی ٭

مقامی حکومت خود اختیاری ۔ بڑے بڑے شہروں میں میونسپلٹی کی قسم کی مجالس موجود تھیں۔ جو دیوان الشّورا کہلاتی تھیں۔ شہر کے سربرآوردہ لوگ ان مجالس کے رُکن ہوتے تھے۔ بعض اوقات خلیفہ یا والی کی طرف سے بھی کچھ لوگوں کو اِن مجالس کا رکن مقرر کر دیا جاتا تھا۔ یہ مجلس اپنے میں سے کسی شخص کو صدر منتخب کر لیتی تھی۔ اور مختلف محصولوں سے جو آمدنی ہوتی تھی۔ اُسے شہر کی حالت بہتر بنانے پر خرچ کر دیتی تھی ٭

بڑے بڑے تجارتی مرکزوں میں تاجروں نے اپنی مجالس بنا رکھی تھیں۔ جن کا مقصد یہ تھا۔ کہ تجارت کو ترقی دی جائے۔ اور جعل سازی کی روک تھام کی جائے۔ اِن مجالس کے ارکان امین کہلاتے تھے۔ اور اُن کے صدر کو

Marfat.com

رئیس التجّار کہتے تھے ۔

زراعت۔ تجارت۔ اور صنعت وحرفت۔ زراعت پر بڑی توجہ صَرف کی جاتی تھی۔ خاص طور پر عراق زراعت کا بڑا مرکز تھا۔ دجلہ اور فرات سے بہت سی نہریں نکالی گئی تھیں۔ سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھی نہروں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ دَلدلی علاقوں کو خشک کر کے قابل زراعت بنانے کے لئے بھی خاص انتظام کیا گیا تھا۔ کسانوں کو جو مال گزاری اَدا کرنی پڑتی تھی۔ وہ بھی زیادہ نہیں تھی۔ مال گزاری کی تشخیص کے تین طریقے رائج تھے۔ یا تو زرعی پیداوار پر یا اراضی کے رقبہ کے حساب سے مال گزاری وصُول کی جاتی تھی۔ اور یا پھر حکومت کسان سے سمجھوتہ کر کے کوئی خاص رقم مقرر کر دیتی تھی۔ اِن انتظامات کی وجہ سے زراعت کی حالت بہت اچھی تھی۔ مُلک میں گیہوں، جَو، چاول، گنّا، کپاس اور ہر قسم کے پھل کثرت سے پیدا ہوتے تھے ۔

اِس دَور میں تجارت، صنعت وحرفت نے بڑا فروغ پایا۔ کان کنی کے پیشہ نے بھی ترقی کی۔ خراسان سے لوہا نکلتا تھا۔ کرمان سے چاندی اور سِیسہ۔ تبریز سے سنگ مرمر اور شمالی ایران سے نمک اور سنگ مرمر۔ بصرہ میں شیشہ اور صابون کے کارخانے کثرت سے تھے۔ معتصم کے زمانے میں بصرہ کے کاری گروں نے بغداد، سامرہ اور کئی دوسرے شہروں میں بھی کارخانے کھولے۔ اسی زمانے میں جا بجا کاغذ کے کارخانے قائم ہوئے۔ فارس اور اہواز میں گنّے کی کثرت تھی۔ اِس لئے وہاں شکّر بنانے اور اُسے صاف کرنے کے فن نے عروج پایا۔ یہ شکّر یورپ بھی بھیجی جاتی تھی۔ ایران، عراق اور شام پارچہ بافی کی صنعت کے لئے شہرت رکھتے تھے۔ خوزستان میں سُوتی کپڑا بُنا جاتا تھا۔ کوفہ ریشمی کپڑوں کے لئے مشہور تھا۔ ایران کے اکثر شہروں میں قالینوں اور طرح طرح کے ریشمی کپڑوں یعنی دیبا، حریر، اطلس، زربفت اور کمخواب کے کارخانے قائم تھے۔ خراسان قالینوں اور ریشمی کپڑوں کے علاوہ اُونی کپڑوں کے لئے بھی شہرت رکھتا تھا ۔

اُس زمانے میں تجارت کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ سلطنت عبّاسی کے مختلف حصّوں سے گیہوں، چاول، شکّر، پھل، دھات کی چیزیں، شیشہ، اُونی اور ریشمی کپڑے، تیل، عطر، صابون وغیرہ دوسرے مُلکوں کو جاتے تھے۔ اور باہر سے مسالہ، جڑی بُوٹیاں، صندل، جواہرات، بانس، آبنوس اور ہاتھی دانت وغیرہ منگوائے جاتے تھے ۔

Marfat.com

بصرہ کے مسلمان شیشہ گر

فوج ۔عبّاسیوں کی فوج کے دو حصّے ہوتے تھے۔ایک تو باقاعدہ فوج جسے تنخواہ ملتی تھی۔اور دوسرے رضاکار، جو جنگ کے زمانے میں صرف جہاد کے شوق سے فوج میں شامل ہوجاتے تھے۔ان کی غیر حاضری کے زمانے میں حکومت اُن کے بیوی بچّوں کی خبر گیری کرتی تھی۔باقاعدہ فوج میں مختلف قوموں کے لوگ شامل تھے۔ جنہیں باقاعدگی سے تنخواہیں ملتی تھیں۔قوم اور نسل کے لحاظ سے پانچ الگ الگ فوجیں تھیں۔شمالی عرب کی فوج الگ تھی۔اور جنوبی عرب کی الگ۔اس کے علاوہ خراسانیوں، بربریوں اور تُرکوں کے علیٰحدہ علیٰحدہ لشکر تھے۔اِن فوجوں کو کئی حصّوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔پیادوں، سواروں اور تیر اندازوں کے علاوہ فوج میں آتشبازوں کا ایک دستہ بھی ہوتا تھا۔یہ لوگ پچکاریوں میں روغن نفت بھر کر پھینکتے تھے۔جرنیل امیر کہلاتا تھا۔اور اُس کی ماتحتی میں دس ہزار سپاہی ہوتے تھے۔سلطنت کے مختلف حصّوں میں دارالصّناعہ یعنی سامانِ جنگ کے کارخانے موجود تھے۔اِن میں

Marfat.com

تیروں، تلواروں وغیرہ کے علاوہ منجنیقیں اور بعض دوسرے آلات بھی تیار ہوتے تھے۔ جن سے محاصرہ میں کام لیا جاتا تھا۔ فوج جہاں جاتی تھی۔ اُس کے ساتھ طبیب جرّاح اور مرہم پٹّی کا سارا سامان موجود ہوتا تھا +

مُسلمان فوج کے انتظام اور جنگی چالوں میں دوسری قوموں سے آگے نظر آتے تھے۔ جنگ کے وقت سپہ سالار کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر حکم احکام جاری کرتا تھا۔ اور اُسی کے اشارے سے ساری فوج بڑھتی ہٹتی۔ اور دھاوے کرتی تھی۔ پیدل فوج عام طور پر آگے ہوتی تھی۔ اُس کے پیچھے تیر انداز سواروں کو فوج کے پہلوؤں پر جمایا جاتا تھا۔ دُشمن حملہ کرتا تھا۔ تو پیدل فوج مربع سا بنا کے دُشمن کو نیزوں پر روکتی۔ اِتنے میں تیر انداز دُشمن پر تیروں کا مینہ برسا دیتے۔ ساتھ ہی سوار گھوڑے ڈپٹ کے جا پڑتے۔ اور ہر طرف کھلبلی ڈال دیتے تھے +

عبّاسیوں کی بحری فوج بھی بڑی طاقت ور تھی۔ اُس کا افسر اعلیٰ امیر البحر کہلاتا تھا۔ جنگی جہازوں کے علاوہ تجارتی جہاز بھی کثرت سے تھے۔ جن کی وجہ سے تجارت نے بڑا فروغ پایا تھا +

معاشرت

عبّاسیوں کے عہدِ حکومت میں مُسلمانوں کی معاشرت بہت کچھ بدل گئی تھی۔ خُلفائے بنی عبّاس جانتے تھے۔ کہ اکثر امراء اُن کے مخالف ہیں۔ اِس لئے محض مُلکی مصلحتوں کی بنا پر عربوں کے مقابلے میں

Marfat.com

Marfat.com

ایرانیوں اور ترکوں کو بڑھایا گیا۔ اس کا اثر معاشرت پر بھی پڑا۔ اور ترکوں اور ایرانیوں کی بہت سی رسمیں اختیار کر لی گئیں ؛

عبّاسیوں کے زمانے کی فراغت اور خوش حالی کی بدولت شہروں نے بڑی رونق پائی۔ یا تو قلعہ نما محلّے اور قلعہ بند شہر تھے۔ یا اُن میں مسجدیں، محل، حویلیاں، کوشک اور کارواں سرائیں تعمیر ہوئیں۔ بازاروں کا یہ عالم، کہ قافلے مُلک مُلک کا سامان لیے چلے آرہے ہیں۔ دوکانوں پر سونے چاندی کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں۔ مکتبوں اور مدرسوں کی یہ کیفیت کہ تقریریں کی جارہی ہیں بحث مباحثے ہو رہے ہیں۔ علمی تحقیق و تدقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ پھر ہر طرف باغوں اور سیرگاہوں کی فراوانی ہے۔ سرسبز میدان، درختوں کے جھنڈ، خوشنما روشیں، فوّارے چھوٹ رہے ہیں۔ پانی کی چادر گر رہی ہے۔ اور لوگ ہشّاش بشّاش زرق برق لباس پہنے اِس کیفیت کا لُطف اُٹھا رہے ہیں ؛

بغداد۔ دارالخلافہ یعنی بغداد کا شہر مسلمانوں کے علم و فن، تہذیب و شائستگی اور شوکت و تجمّل کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ گویا مسلمانوں کا سارا کمال، ساری ہنرمندی اور قابلیت اِس شہر میں سمٹ آئی تھی۔ یہ شہر دائرہ نما تھا۔ اس کے گرداگرد اینٹوں کی دُہری دیوار اور ایک گہری خندق تھی۔ دیوار میں چار دروازے تھے۔ جن سے چار بڑی بڑی سڑکیں نکل کے اسلامی سلطنت کے مختلف حصّوں میں جا پہنچی تھیں۔ شہر کے وسط میں قصرِ خلافت تھا جس کا پھاٹک سُنہری تھا۔ اُس کے گرد جامع مسجد، اُمرا اور شہزادوں کے محل، دارالصّناعہ، بیت المال اور دُوسرے سرکاری دفتر تھے۔ منصور نے یہ شہر دجلہ کے مغربی کنارے پر بسایا تھا۔ مہدی نے مشرقی کنارے پر ایک اور شہر بسایا۔ جو اس سے بھی زیادہ شاندار تھا۔ اور بغداد ہی کا ایک حصّہ سمجھا جاتا تھا۔ شہر کا قطر بارہ میل تھا، اور آبادی بیس لاکھ سے زیادہ۔ دونوں کناروں پر شہر سے آگے مضافات پھیلتے چلے گئے تھے۔ جن میں باغوں، فوّاروں، حوضوں سیرگاہوں، بازاروں، مسجدوں اور حماموں کی کثرت تھی ؛

بغداد میں سنگ مرمر کے محل کثرت سے تھے۔ جو انداز تعمیر کے لحاظ سے امویوں کے عہد کی عمارتوں سے بہت ملتے جلتے تھے۔ البتّہ ایرانیوں کے اثر سے انہیں نقش و نگار سے آراستہ کرنے میں بڑا اہتمام کیا جاتا تھا۔ شروع شروع میں یک منزلہ عمارتیں بنتی تھیں۔ پھر کئی کئی منزلوں کے مکان بننے لگے۔ جا بجا سونے کا رنگ

← بغداد کے ایک حمام کا اندرونی حصّہ

Marfat.com

ری کا ایک سکّہ

خلیفہ المتوکّل ۸۵۵ءکی تصویر ہے۔
آثار آسٹریا کے عجائب گھر
میں محفوظ ہے۔

En Ahmed & Aftab Zafar.

متوکل باللہ کے عہد میں پہلی مرتبہ ایسے سکّے ڈھلنے لگے جن پر خلیفہ کی تصویر ہوتی تھی۔ یہ چاندی کا ایک سکّہ ہے

پھیرتے۔ پچّی کاری کرتے۔ دیواروں پر اطلس، مخمل، اور زربفت کے پردے لٹکاتے۔ قصرِ خلافت کی دیواریں اور چھتیں جواہرات سے مرصّع تھیں۔ چھت میں شمعدان لٹکتے تھے۔ یہ شمع دان بھی نیلم، پکھراج، یاقوت، زمرّد وغیرہ کے ہوتے تھے۔ ایوانوں میں سنہری قالینوں کا فرش جن پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ محل کے گرداگرد باغوں اور باغیچوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ اُن میں جابجا درختوں کی قطاریں تھیں۔ جن پر پرندے زمزمہ سرائی کرتے تھے۔ پھر جابجا حوض، ان حوضوں میں کہیں پانی آبشار بنا بنا کے گرتا تھا۔ کہیں فوّارے اُچھلتے تھے۔ محل کے سامنے ایک وسیع میدان تھا۔ جہاں خاص خاص موقعوں پر فوج سلامی اُتارتی۔ یا کھیل تماشے ہوتے تھے ✣

دریا کے کنارے آمنے سامنے دُور تک باغ اور باغیچے، خوشنما حویلیاں اور محل پھیلتے چلے گئے تھے۔ جگہ جگہ سنگ مرمر کے گھاٹ بنے ہوئے تھے۔ رات دن دریا میں کشتیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا خصوصاً شام کو لوگ کشتیوں

Marfat.com

پر بیٹھ کر ہوا خوری کے لئے نکلتے۔ اور عجیب کیفیت نظر آتی تھی۔ دجلہ میں جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ بھی موجود رہتا تھا +

شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کشادہ سڑکیں بنی ہوئی تھیں۔ جو ایک دوسرے کو کاٹتی چلی جاتی تھیں۔ اس طرح شہر بہت سے حصّوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ہر حصّے میں ایک افسر مقرّر تھا جو اس کی صفائی کا خیال رکھتا تھا۔ رات کو سڑکوں پر روشنی کی جاتی تھی۔ جا بجا پہرے دار اور سنتری مقرر تھے۔ سڑکوں پر باقاعدگی سے جھاڑو دی جاتی۔ اور پانی چھڑکا جاتا تھا۔ شہر میں جا بجا بڑے بڑے حوض تھے۔ جن سے ہر گھر میں پانی پہنچتا تھا +

جامع مسجد کی عمارت بڑی شان دار تھی۔ اس کے علاوہ ہر محلّے میں مسجدیں موجود تھیں۔ جو ہمیشہ نمازیوں سے بھری رہتی تھیں صرف بغداد ہی میں نہیں ہر شہر میں جامع مسجد تھی۔ جس میں شہر کی ساری آبادی نماز پڑھ سکتی تھی۔ بغداد میں کثرت سے کالج تھے۔ جن میں سے مدرسۂ نظامیہ اور مدرسۂ مستنصریہ بڑی شہرت رکھتے تھے۔ مدرسۂ نظامیہ کی شاخیں نیشاپور، اور ہرات میں بھی تھیں۔ دمشق، موصل، یروشلم وغیرہ شہروں میں بھی بڑے بڑے مدرسے موجود تھے +

بغداد میں کئی دارالعلوم اور عظیم الشان کتب خانے تھے۔ اور صرف بغداد کا یہ حال نہ تھا۔ بلکہ سلطنت عبّاسی کے دوسرے حصّوں میں بھی بڑے بڑے کتب خانے قائم تھے (مثلاً) رے کے کتب خانے میں جو کتابیں تھیں انہیں چار سو اونٹ بمشکل اٹھا سکتے تھے۔ اور ان کتابوں کی فہرست دس ضخیم جلدوں میں آئی تھی۔ اسی سے اندازہ کر لو۔ کہ دارالخلافہ کے کتب خانوں کا کیا حال ہوگا۔ سلطنت کے مختلف حصّوں میں ایسے شفاخانے بھی کثرت سے تھے۔ جن کے مصارف حکومت کے خزانے سے ادا کئے جاتے تھے۔ ان شفاخانوں میں باکمال طبیب اور جرّاح علاج کے لئے مقرّر تھے۔ بغداد میں اس قسم کے جو شفاخانے تھے۔ اُن کا منتظم دبیرِ اعلےٰ کہلاتا تھا۔ خلیفہ مکتفی کے عہد حکومت میں مشہور طبیب ذکریا رازی اس عہدے پر مقرّر تھا +

لباس ۔ خلیفہ سیاہ یا ارغوانی رنگ کی ایک قبا پہنتا۔ جو گھٹنوں کے نیچے پہنچتی تھی، اُس کے نیچے خفتان۔ کمر کے گرد ایک شال یا جڑاؤ پیٹی ہوتی تھی۔ ٹانگوں میں ڈھیلا ڈھالا پاجامہ، سر پر ایک لمبی نکیلی ٹوپی ہوتی تھی۔ کندھوں پر ایک لبادہ پڑا رہتا تھا۔ گلے میں سونے کی ایک زنجیر جس میں بیش قیمت جواہرات جڑے ہوتے تھے۔ ٹوپی بھی جواہر نگار ہوتی تھی، جبّہ بھی مرصّع اس کے علاوہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا عصا، اور مُہر ہمیشہ خلیفہ کے پاس رہتی تھی +

Marfat.com

امراء بھی لباس کے معاملہ میں خلیفہ کی پیروی کرتے تھے۔ لیکن علماء کے سروں پر ٹوپی کی جگہ عمامہ ہوتا تھا۔ کندھوں پر ایک کپڑا پڑا رہتا تھا۔ جسے طیلسان کہتے تھے۔ شرفاء عام طور پر ڈھیلا ڈھالا پاجامہ پہنتے تھے۔ اس پر قمیص، خفتان اور قبا۔ قبا پر عبا یا جبّہ۔ سر پر لمبی ٹوپی۔ بعد کے زمانے میں طربوش یعنی فیض کا رواج ہوا۔ جو ہمارے مُلک میں تُرکی ٹوپی کہلاتی ہے۔ دولت مند لوگوں میں ریشمی۔ اونی اور چمڑے کے موزے پہننے کا بھی رواج تھا۔ مرد بوٹ بھی پہنتے تھے، اور جُوتے بھی +

زنانہ لباس میں بھی بڑی تراش خراش ہوئی۔ ہارون الرشید کی بیگم زبیدہ خاتون، مامون کی بیگم بوران، اور خلیفہ مہدی کی بیٹی علیہ کے سلیقے اور سُگھڑاپے نے لباس میں نئی نئی ایجادیں کیں۔ علیہ نے ایک قبّہ نما جڑاؤ ٹوپی ایجاد کی۔ موباف جن میں موتی ٹانکے جاتے تھے۔ اساور یعنی کنگن اور خلخال یعنی پازیبیں بھی اُسی زمانے کی ایجادات ہیں +

گھر کی آرائش کا سامان۔ کرسیوں کا استعمال تو بنی اُمیّہ ہی کے زمانے میں شروع ہو گیا تھا بنو عباس کے عہدِ حکومت میں ایک قسم کے صوفوں نے رواج پایا۔ مہمان کھانا کھانے بیٹھتے۔ تو ان صوفوں کے سامنے لکڑی کی میزیں رکھ دی جاتی تھیں۔ جن پر سیپ یا آبنوس کے نقش و نگار بنے ہوتے تھے۔ چاندی اور پیتل کی طشتریوں اور سینیوں میں چاندی اور چینی کی قابیں رکھی جاتی تھیں۔ چھری کانٹے بھی استعمال کیے جاتے تھے۔ طرح طرح کی شربتوں سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی تھی۔ قہوہ بھی استعمال ہوتا تھا، لیکن بہت کم۔ شیشے کے گلاسوں کا رواج عام تھا۔ دیواروں پر خوبصورت پردے لٹکائے جاتے تھے۔ خوشحال لوگوں کے ہاں عموماً قالینوں کا فرش ہوتا تھا +

عورتوں کی حیثیت۔ عبّاسی خلافت کے ابتدائی زمانے میں عورتوں کو بڑی آزادی حاصل تھی۔ چنانچہ عورتیں ملکی معاملات میں بھی حصّہ لیتی تھیں۔ لڑائیوں میں بھی شریک ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے جھگڑے چُکانے کا کام بھی ان کے سپُرد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ مہدی کی بیگم خیزران، زبیدہ، بوران، اور علیہ اس عہد کی اُن خواتین میں سے ہیں۔ جنہوں نے اپنی قابلیت، عقل و دانش اور سلیقہ شعاری کی وجہ سے بڑی شہرت پائی ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ عورتوں کا زندگی کے مختلف شعبوں میں حصّہ لینا معیوب سمجھا جانے لگا۔ اور دسویں صدی کے اخیر تک یہ حال ہو گیا۔ کہ عورتیں اپنے اپنے گھروں میں جا بیٹھیں۔ اور امورِ خانہ داری کے سوا کسی چیز سے ان کا سروکار نہ رہا +

اِس زمانے میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی جانب بڑی توجّہ کی جاتی تھی۔ شوہر کی خدمت، بچوں کی دیکھ بھال اور امورِ خانہ داری کی نگرانی بیوی کے سب سے بڑے فرائض سمجھے جاتے تھے۔ عورتوں کو گھر کے کام کاج سے

Marfat.com

جو وقت ملتا تھا۔ وہ چرخہ کاتنے، اور کاڑھنے بُننے پر صَرف کر دیتی تھیں۔

علم و فن

علمی کارنامے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ عربوں نے جن مُلکوں کو فتح کیا تھا۔ وہاں انہیں یونانی، سریانی، قبطی، فارسی، لاطینی، اور سنسکرت وغیرہ زبانوں کی بہت سی کتابیں ہاتھ آئی تھیں۔ عبّاسیوں کے عہد میں اِن کتابوں نے عربی کا لباس پہنا۔ بعض مُسلمان عالموں نے علم کے شوق میں دُور دُراز مُلکوں کا سفر کیا۔ اور علم و حکمت کے جو نگینے منوں مٹی تلے دبے پڑے تھے۔ انہیں کھود کر نکال لائے۔ یورپ والوں بلکہ ساری دُنیا نے اِن ترجموں سے فائدہ اُٹھایا۔ پُرانے زمانے کے بہت سے علوم و فنون جو بالکل بے نشان ہو چکے تھے۔ ان ترجموں کی بدولت پھر زندہ ہو گئے۔ لیکن عربوں نے اِن کتابوں کے ترجمے کرنے اور انہیں رٹ لینے پر قناعت نہیں کی۔ بلکہ طبیعت کے زور سے اُن پر جدید معلومات کے حاشیے چڑھائے۔ اور علم و حکمت کی مختلف شاخوں میں ایجاد کے پھُول کھِلائے۔ یونانیوں نے طب میں بڑی ترقی کی تھی۔ مسلمانوں نے اُن کی تحقیقات پر بڑے اضافے کیے۔ بہت سی بیماریوں کے اسباب کا سُراغ لگایا۔ اُن کے علاج کے طریقے معلوم کیے۔ کیمیا کا علم پرانے زمانے میں بھی موجود تھا۔ لیکن عربوں نے اُسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اس کی مدد سے کپڑے اور چمڑے کو رنگنے کے طریقے معلوم کیے۔ تبخیر، کشید وغیرہ کے طریقوں کی اصلاح کی۔ گندھک، اور شورے کا تیزاب بنایا۔ پھر ایک ایسا مرکب تیار کیا۔ جس میں سونا حل ہو جاتا تھا۔

Marfat.com

جن دنوں یورپ کے لوگوں میں یہ خیال عام تھا۔ کہ زمین چپٹی ہے۔ مسلمان اہلِ علم اس کے گول ہونے کے قائل تھے انہوں نے زمین کی پیمائش کی۔ اس کے محیط کا حساب لگایا۔ رصد گاہیں تعمیر کیں۔ اور ستاروں کی گردش، چاند گرہن، سورج گرہن وغیرہ کے متعلق بہت سی مفید باتیں معلوم کیں۔ انہوں نے ریاضی میں بڑی ترقی کی۔ چنانچہ جبر و مقابلہ اور ہندسہ کے متعلق سب سے پہلے جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے بعض مسلمان اہلِ علم ہی کے قلم سے نکلی تھیں ؀

اس زمانے میں سینکڑوں عالم پیدا ہوئے جنہوں نے علم و حکمت کی ہر شاخ میں بڑے اہم اضافے ہوئے۔ انہوں نے حدیث، فقہ، بلاغت، صرف و نحو، علم کلام، شاعری، علم اللسان، جغرافیہ، فلسفہ، مابعد الطبیعیات، کیمیا، طب، ہیئت، لغت، تاریخ، سوانح، جرِ ثقیل، علم مناظر و مرایا، موسیقی، ریاضی، ہندسہ، جبر و مقابلہ وغیرہ علوم پر ضخیم کتابیں لکھیں۔ قدرت کے بھیدوں کا سراغ لگایا۔ طرح طرح کے آلات ایجاد کیے۔ اکثر علوم کے نئے اصول اور قاعدے باندھے۔ اور علم و فن کو اس مقام پر پہنچا دیا۔ جو اس سے پہلے اسے نصیب نہیں ہوا تھا ؀

طب ۔ اسلام نے طب کی اہمیت پر بڑا زور دیا ہے۔ چنانچہ مسلمان علما نے اپنے دوسرے علمی مشاغل کے ساتھ ساتھ طب اور جراحت میں بھی کمال پیدا کیا۔ اور دواسازی کے فن میں نئے نئے راستے نکالے (بغداد اور دوسرے شہروں میں ایسے باغ موجود تھے۔ جہاں ہر قسم کی نباتات جمع کر دی گئی تھی۔ یہاں جڑی بوٹیوں کی خاصیتوں کے متعلق تجربے ہوتے تھے۔ تقریریں کی جاتی تھیں۔ اگر کوئی شخص طبابت، دواسازی یا عطاری کا پیشہ اختیار کرنا چاہتا تھا۔ تو اسے امتحان دے کر سند حاصل کرنی پڑتی تھی۔ مامون کے عہدِ حکومت میں بغداد کے طبیبوں کی تعداد آٹھ سو سے زیادہ تھی۔ اس میں جراح، دواساز، اور عطار شامل نہیں ؀

ذکریا رازی ۔ (۸۶۵ء تا ۹۲۵ء) ۔ اس عہد کا سب سے بڑا معالج ہے۔ جس سے یورپ نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ وہ جراحی میں بھی کمال رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے پٹی باندھنے کا ایک نیا طریقہ نکالا۔ سب سے پہلے چیچک پر بھی اسی نے ایک رسالہ لکھا۔ اس کی سب سے اہم تصنیف الحاوی ہے۔ جس میں طب کے متعلق ہر قسم کی معلومات جمع کر دی گئی ہے۔ اس کی ایک اور کتاب کتاب الاسرار ہے۔ جو کیمیا سے تعلق رکھتی ہے۔ لاطینی اور یورپ کی کئی اور زبانوں میں ان کتابوں کا ترجمہ ہوا۔ اور ان سے یورپ کے طبیبوں نے بڑا فائدہ اٹھایا ؀

(عباسی عہد کا ایک اور نامور طبیب شیخ بوعلی سینا (۹۸۰ء تا ۱۰۳۷ء) ہے۔ جو دنیا کے بڑے بڑے

Marfat.com

طبیبوں اور فلسفیوں میں شمار ہوتا ہے۔ اُس نے طب کے علاوہ فلسفہ، ہندسہ، ہیئت، علم اللسان، اور فنون لطیفہ پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ اور ہر کتاب میں اپنے فضل و کمال کے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اُس کی تصنیفات میں کتاب الشفاء اور قانون الطب سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ قانون بڑی جامع کتاب ہے۔ اور پانچ سو برس تک یورپ کے طبیب اس سے فائدہ اُٹھاتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کتاب مدت تک یورپ کی درس گاہوں کے نصاب میں شامل رہی ہے)۔ ابن سینا غالباً پہلا شخص ہے۔ جس نے زلزلہ کے اسباب معلوم کیے۔ لیکن اس سلسلے میں اُس نے جو تحقیقات کی ہے۔ اُس میں آج تک فرق نہیں آنے پایا +

جغرافیہ۔ عربوں کو تجارت کا بڑا شوق تھا۔ عرب تاجر جس ملک میں پہنچتے تھے۔ مالِ تجارت کے ساتھ علم کے خزانے بھی سمیٹتے جاتے تھے۔ چنانچہ کئی عرب تاجروں نے اپنی سیاحت کے حالات لکھے ہیں۔ جن سے بہت سی کارآمد باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ دراصل عربوں کو جہاز رانی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اور پُرانے وقتوں سے اُن کے جہاز سمندروں کو کھنگالتے پھرتے تھے۔ پھر انہوں نے قطب نما ایجاد کی۔ جس کی وجہ سے سمت کا پتہ لگانا، اور دُور دُور کے علاقوں تک پہنچنا آسان ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے افریقہ، ہندوستان کے ساحلی علاقوں، جزیرہ نمائے ملایا، بحرالکاہل کے جزیروں، اور چین میں اپنی بستیاں بسائیں۔ ایزدر کے جزیروں کا سراغ لگایا۔ بلکہ بعض لوگ تو کہتے ہیں۔ کہ عرب جہاز ران تحقیق و جستجو کے شوق میں امریکہ تک جا پہنچے تھے۔ رُوس اور سویڈن میں بھی عباسیوں کے زمانے کے کچھ سِکّے ملے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عربوں نے ان ملکوں سے بھی تجارتی تعلقات قائم رکھے تھے +

عرب تاجروں کی زبانی دُور دُور کے ملکوں کے حالات سُن کر مسلمان اہلِ علم میں مختلف ملکوں کے حالات معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ جغرافیہ کے اصول اور قاعدے مرتّب ہوئے۔ خلیفہ مامون الرشید کے حکم سے ستّر عالموں نے جو ہیئت اور ریاضی میں مہارت رکھتے تھے۔ اور جن میں اس زمانے کا مشہور ہیئت دان خوارزمی بھی شامل تھا۔ زمین کا نقشہ تیار کیا۔ جس کا نام صُورۃ الارض رکھا گیا +

اس کے بعد مسلمانوں نے جغرافیہ طبعی کے متعلق متعدد کتابیں لکھیں کئی نقشے بھی مرتّب ہوئے۔ دُنیا کے مختلف ملکوں کی آب و ہوا، پیداوار اور باشندوں کے متعلق معلومات فراہم کی گئیں۔ مسلمان جغرافیہ دانوں میں ابن خرداذبہ، یعقوبی، ادریسی، ابن حوقل، مسعودی، بیرونی اور ابوالفدا بڑی شہرت رکھتے ہیں +

Marfat.com

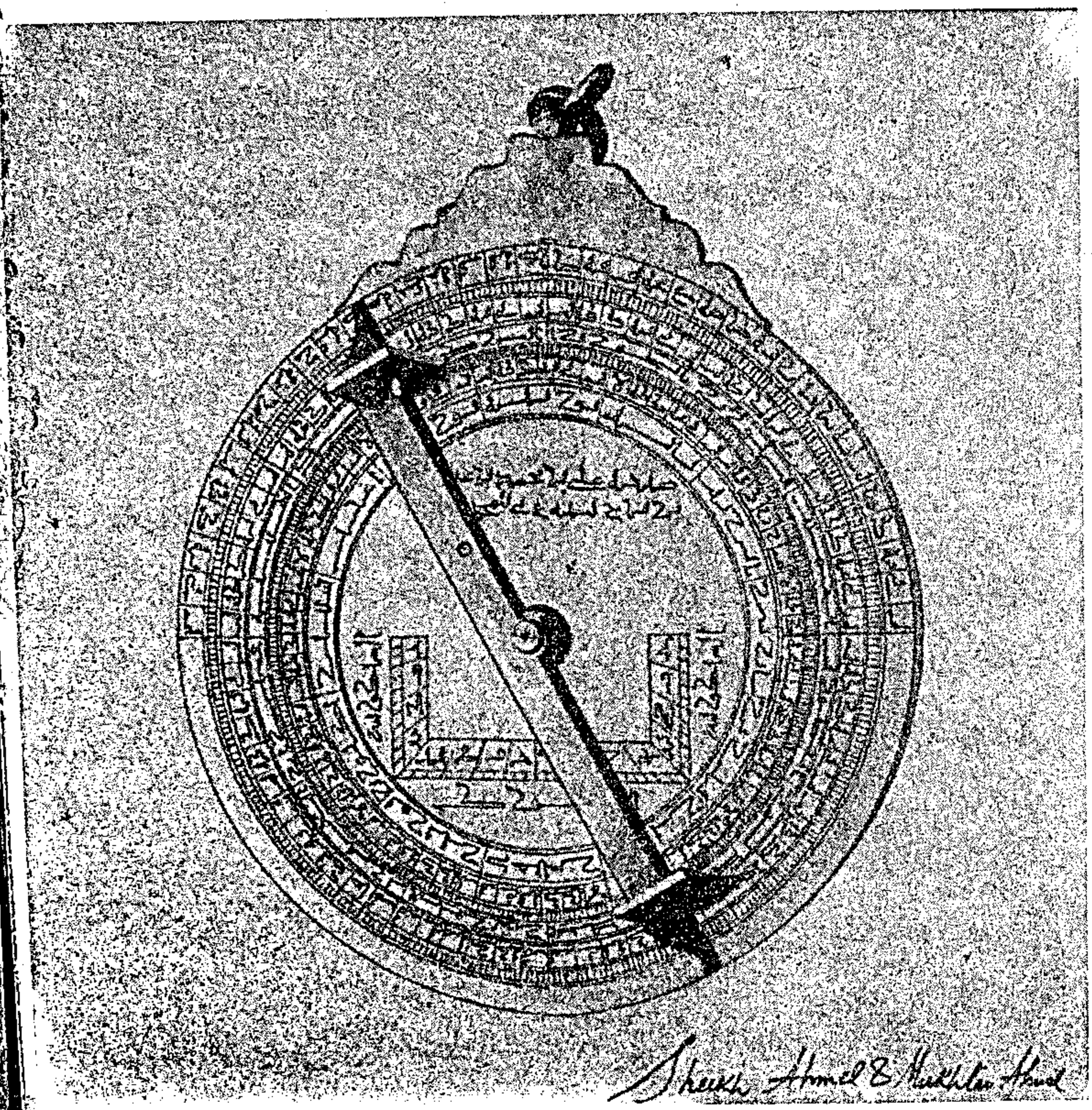

پُرانے زمانے کا ایک اصطرلاب۔ اصطرلاب سے جہازرانی میں بھی کام لیا جاتا تھا

ہیئت اور ریاضی۔ یونان اور ہندوستان کے لوگ علمِ ہیئت میں بڑی مہارت رکھتے تھے لیکن عربوں نے اِس علم کو بڑی ترقی دی۔ مدوجزر، اعتدال صیفی، اور اعتدال شتوی، کسوف وخسوف، ذنبالہ دار ستاروں اور اس قسم کے کئی دوسرے مسائل کے متعلق یونانیوں اور ہندوؤں نے بڑی ٹھوکریں کھائی تھیں۔ عربوں نے اُن کی غلطیوں کی اصلاح کی۔ یورپ کے عالموں نے مسلمانوں کی تحقیقات سے بڑا فائدہ اُٹھایا ہے۔

(خلیفہ مامُون الرشید کے زمانے میں علمِ ہیئت نے بڑی ترقی کی۔ بغداد کا ایک دروازہ شماسیہ کہلاتا تھا۔ اُس کے

پاس ہی ایک رصدگاہ تعمیر ہوئی۔جس میں دُھوپ گھڑی، زاویہ ناپنے کا آلہ، دُوربین، اصطرلاب وغیرہ آلات سے کام لیا جاتا تھا۔زمین کے محیط اور قطر کی پیمائش کی گئی۔سورج کی حرکت، چاند کے گھٹنے بڑھنے کے اسباب کے علاوہ دُوسرے سیاروں کے متعلق بھی بڑی اہم معلُومات فراہم کی گئیں۔عبّاسی عہد کے ہیئت دانوں میں خوارزمی، ابراہیم الفزاری، ابومعشر فلکی، موسےٰ بن شاکر، بیرونی، کوہی، ابوالوفا، اور عمرخیام نے بڑا نام پایا ہے۔

خوارزمی صرف ہیئت دان ہی نہیں تھا۔بلکہ ریاضی، ہندسہ، اور جبر و مقابلہ میں بھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔اُس کی کتابیں لاطینی میں ترجمہ ہوئیں۔اور سولھویں صدی تک یورپ کے لوگ اُس سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔یورپ والوں نے اعداد عربوں سے سیکھے تھے۔اِس لئے وہ انہیں عربی اعداد کہتے تھے۔خوارزمی کی نسبت سے مدّت تک اعداد کو "الگورزم" بھی کہا جاتا رہا ہے۔کیونکہ ریاضی کی جو کتابیں یورپ میں پہنچیں۔وہ اسی کی لکھی ہوئی تھیں۔یورپ نے جبر و مقابلہ بھی اُسی کی تصانیف کے ذریعے سیکھا۔

ابوالفدا اس دَور کا ایک اور نامور ریاضی داں ہے جس نے ریاضی کی ایک شاخ علمِ مثلّث میں بعض نئی اختراعات کیں۔علمِ ہیئت پر بھی اس کے بڑے احسانات ہیں۔عمرخیام یورپ میں صرف شاعر کی حیثیت سے مشہور ہے۔

کُرہ ارض کا یہ نقشہ مشہور جغرافیہ داں اور سیّاح ابن حوقل کی ایک کتاب کے پُرانے نسخے سے لیا گیا ہے

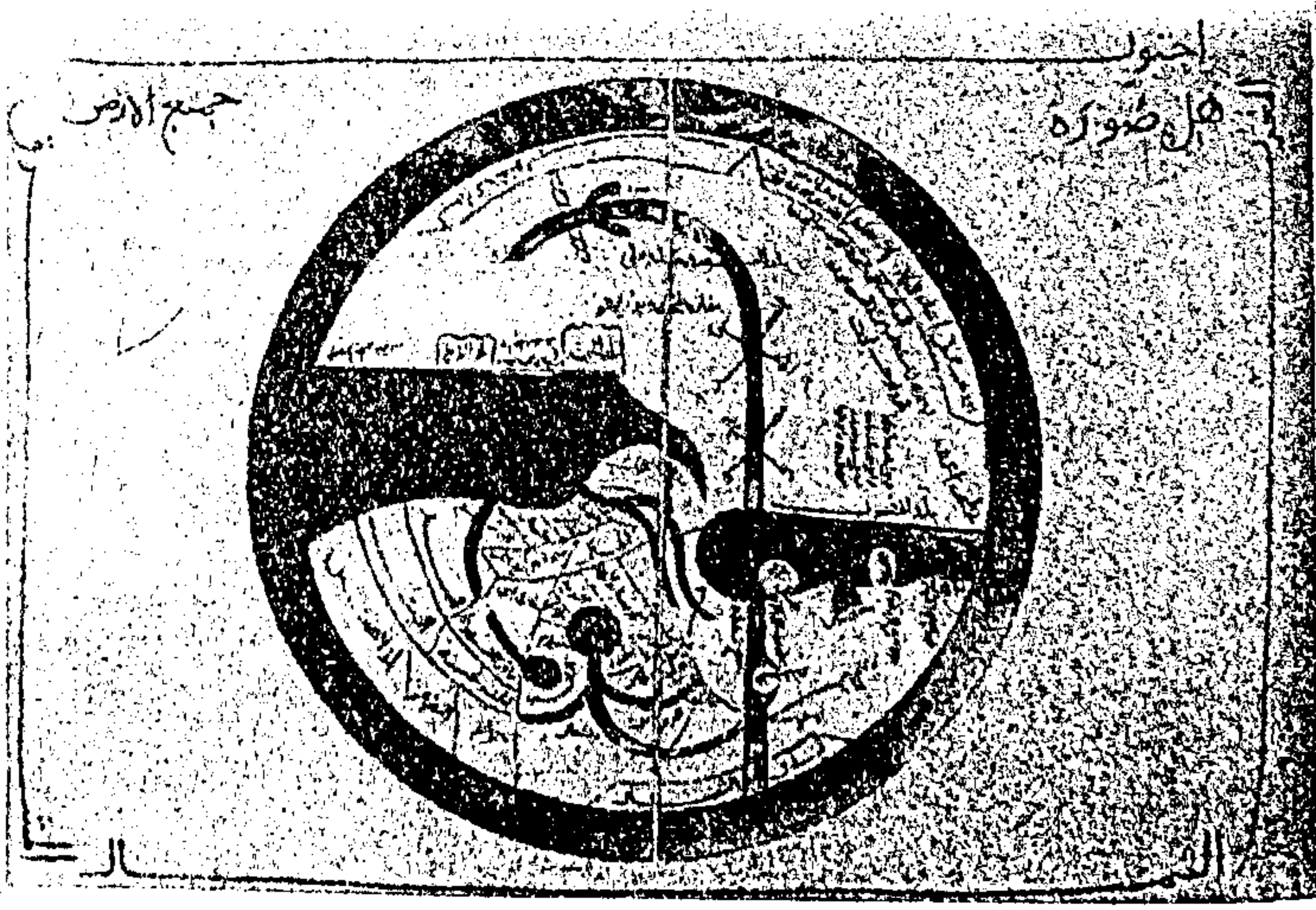

Marfat.com

لیکن وہ ہیئت اور ریاضی میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ جبر و مقابلہ اور ہندسہ میں اُس نے نئے راستے نکالے۔ جن کی وجہ سے اِن علوم نے بڑی ترقّی پائی۔ ابن ہیثم کا حال تم پڑھ چکے ہو۔ اُس نے علم مناظر و مرایا کو ترقّی دے کر اہلِ علم پر مزید تحقیقات کے راستے کھول دیئے۔ وہ ریاضی اور ہیئت دونوں پر بڑی دسترس رکھتا تھا ٭

کیمیا۔ کیمیا کو فروغ دینے میں عربوں کا بڑا حصّہ ہے۔ یونانیوں نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا تھا۔ اُس میں قیاس کا بڑا دخل تھا۔ عربوں نے تجربے کو اپنا رہنما بنایا۔ مسلمانوں میں جابر ابن حیّان جو یورپ میں "جبر" کے نام سے مشہور ہے۔ اس علم کا سب سے بڑا ماہر سمجھا جاتا ہے۔ شورے اور گندھک کا تیزاب سب سے پہلے اُسی نے تیار کیا تھا۔ اِس کے علاوہ اُس نے کیمیا کے متعلق بہت سی نئی باتیں معلوم کیں۔ اور بہت سے اصُول اور قاعدے باندھے چنانچہ اُس کا شمار جدید علمِ کیمیا کے بانیوں میں سے ہوتا ہے۔ جابر نے بنو امیّہ اور بنو عبّاس دونوں کا زمانہ پایا تھا۔ اُس کے بعد جن لوگوں نے اِس علم میں کمال پیدا کیا۔ اُن میں ذکریا رازی سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے ٭

فلسفہ۔ ارسطو اور افلاطون یونان کے مشہور فلسفی تھے۔ مسلمانوں نے اُن کی کتابوں کے ترجمے کیئے۔ اُن پر حاشیے لکھے۔ اور اُن کے خیالات کو اسلامی عقائد سے تطبیق دینے کی کوشش کی۔ جن لوگوں نے یونان کے فلسفہ کو غور سے پڑھا۔ اور اُس پر اضافے کیئے۔ ان میں کندی، فارابی اور ابن سینا بہت مشہور ہے۔ کندی فلسفے پر اپنی دسترس کی وجہ سے حکیم عرب کہلاتا تھا۔ فارابی نے معلّم ثانی کے لقب سے شہرت پائی۔ السیاسۃ المدنیّۃ اُس کی مشہور تصنیف ہے۔ ارسطو نے سیاست اور افلاطون نے جمہوریت کے نام سے اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ فارابی کی یہ تصنیف ان دونوں کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے ٭

فلسفہ سے مسلمان علماء کو جو دلچسپی تھی۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آہستہ آہستہ مذہبی خیالات پر بھی فلسفہ کا اثر پڑنے لگا۔ اور بعض لوگوں نے جو فلسفہ سے بہت متاثر تھے۔ عقائد کے معاملے میں فلسفیانہ موشگافیوں سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس طرح کئی گروہ پیدا ہو گئے۔ جو اپنے اپنے خیال کے مطابق قرآن کی تفسیر کرنے لگے ٭

حدیث۔ فقہ۔ کلام۔ مسلمانوں کے نزدیک قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ عبّاسیوں کے عہد میں احادیث کے بہت سے مجموعے مرتّب ہوئے۔ جن میں سے چھ مجموعے بڑے صحیح اور مستند سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں سے بھی صحیح

مسلمانوں نے علمِ کیمیا میں بڑا کمال حاصل کر لیا تھا ←

بُخاری کو جسے امام محمد اسمٰعیل بخاری نے مرتّب کیا تھا۔ سب سے زیادہ مُستند خیال کیا جاتا ہے۔

اِس زمانے میں فِقہ اِسلامی نے بھی بڑی ترقی کی۔ اہل سنت فِقہ میں چار اماموں یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ چاروں اسی زمانے سے تعلّق رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے بنُوامیّہ اور بنُوعبّاس دونوں کا زمانہ دیکھا تھا۔ امام شافعیؒ منصُور عبّاسی کے زمانے میں پیدا ہوئے۔ امام احمد حنبلؒ کا زمانہ بعد کا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے معتزلہ کی مخالفت کرنے کی پاداش میں جو مصیبتیں اُٹھائیں۔ اُن کا حال تم پڑھ چکے ہو۔

عبّاسیوں کے عہد میں بہت سے نئے فرقے بھی پیدا ہوئے۔ فرقۂ معتزلہ اگرچہ بنی اُمیّہ کے عہد میں پیدا ہو چکا تھا۔ لیکن مامون الرشید اور اس کے دو جانشینوں معتصم اور واثق کے زمانے میں اُسے بڑا اقتدار نصیب ہوا۔ معتزلہ کا زور توڑنے میں امام ابوالحسنؒ اشعری کا بڑا حصّہ ہے۔ امام اشعریؒ جو علمِ کلام کے بانیوں میں سے ہیں۔ شروع میں خود معتزلی تھے۔ لیکن بعد میں اس گروہ سے الگ ہو گئے۔ اور ساری عمر معتزلہ کے عقائد کی تردید میں صَرف کر دی۔ اِس دَور کی ایک اور نامور شخصیت امام ابوحامد غزالیؒ ہیں۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ مُسلمانوں میں آج تک اِتنا بڑا عالمِ دین اور فلسفی پیدا نہیں ہوا۔ اُنہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں احیاء العلوم سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اُن کے خیالات نے صِرف مُسلمانوں ہی کو متاثّر نہیں کیا۔ بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علمِ کلام پر بھی بڑا اثر ڈالا ہے۔

تاریخ ۔ تاریخ مُسلمانوں کا خاص فن ہے۔ عبّاسیوں کے عہدِ حکومت میں بڑے بڑے نامور مورّخ پیدا ہوئے۔ جن میں بلاذری، یعقوبی، مسعُودی، طبری، ابن اثیر، ابن ہشّام، اور ابن خلکان بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں۔ جو یورپ کے مورخوں کی تصنیفات کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔

اَدب اور شاعری ۔ عربی اِنشا پردازی دسویں اور گیارھویں صدی میں بڑے عروج پر جا پہنچی تھی لیکن اِس زمانے کی عربی نثر کو دیکھو۔ تو اُس میں بڑا تکلّف اور تصنّع نظر آتا ہے۔ نہ اُس میں شروع کے زمانے کی سادگی اور بے تکلّفی ہے نہ ویسا اختصار۔ لمبے لمبے فقرے ہیں، مقفّےٰ عبارتیں۔ پھر ان میں جا بجا اِستعارے اور تشبیہیں، دسویں صدی کے اخیر میں بدیع الزّمان ہمدانی نے ایک خاص قسم کی پُر تکلّف اور مقفّےٰ نثر کو رواج دیا۔ جسے اِنشا پردازی کا کمال سمجھا جانے لگا۔ پھر حریری نے جو بصرے کا رہنے والا تھا۔ ایک کتاب لکھی۔ جو مقامات حریری کہلاتی ہے۔ اس

کتاب کی تصنیف کو آٹھ سو برس ہو گئے ہیں۔ لیکن آج بھی لوگ اُسے عربی نثر کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھ کر سینوں سے لگائے پھرتے ہیں ٭

الف لیلہ کی کہانیاں بھی بنو عبّاس کے عہد کی یادگار ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ کہانیاں مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے لکھیں۔ اور پھر ایک جگہ جمع کر لی گئیں۔ اِن کہانیوں میں بعض تو فارسی سے لی گئی تھیں۔ بعض خالص عربی کہانیاں ہیں۔ لیکن جو کہانیاں دوسرے مُلکوں سے بھی تعلّق رکھتی ہیں۔ وہ بھی عربی زبان اور اسلامی معاشرت کے سانچے میں اس طرح ڈھلی ہوئی ہیں۔ کہ اب ان کی اصل کا سُراغ لگانا مشکل ہو گیا ہے۔ عبّاسیوں کے دَور میں مُصنّفوں کی ایک جماعت نے جو اخوان الصّفا کہلاتی تھی۔ ریاضی، ہیئت، جغرافیہ، موسیقی، اخلاق، فلسفہ، غرض قریب قریب تمام علوم پر باون رسالے لکھے۔ اِن رسالوں میں کہیں کہیں قصّہ کہانی کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ کہانیوں کی ایک اور کتاب کلیلہ دمنہ ہے۔ جو سنسکرت سے فارسی اور فارسی سے عربی میں پہنچی۔ عبداللہ بن مقفّع جس نے اسے فارسی کے قالب میں ڈھالا۔ عبّاسیوں کے ابتدائی عہد کا مشہور نثر نگار تھا ٭

ابن الندیم بغدادی نے کتاب الفہرست لکھی۔ جس سے مختلف علوم کے ماہروں، بڑے بڑے مُصنّفوں کے مختصر حالات کے ساتھ اُن کی تصانیف کی فہرست دی گئی ہے۔ آگے چل کر ابن خلکان نے اِسی موضوع پر ایک کتاب لکھی۔ جس نے بڑی شہرت پائی۔ عبّاسیوں کے عہد کا ایک اور ادبی کارنامہ کتاب الاغانی ہے۔ اُس کا نام سُن کر تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ موسیقی کی کوئی کتاب ہو گی۔ لیکن اُس میں زیادہ تر شاعروں اور گویوں کے حالات، ہر قسم کی روایات، دلچسپ حکایتیں، لطیفے، اور چٹکلے جمع کر دیئے گئے ہیں۔ موسیقی کا ذِکر بھی ہے۔ لیکن بہت کم ٭

عبّاسیوں کے زمانے میں شاعری کا پُرانا انداز بدل گیا۔ عشق و محبّت اور مدح و ستائش کے ساتھ زہد و قناعت کے مضامین نے بھی رواج پایا۔ اس کے علاوہ ایسے اشعار کو بھی جن میں دھاووں اور للکاروں، دلاوری اور شجاعت کا ذکر ہوتا تھا۔ بڑا قبول حاصل ہوا۔ اِس زمانے میں بہ کثرت شاعر پیدا ہوئے۔ جن میں ابن ایاس اور ابو نواس غزل میں، ابو العتاہیہ، متنبّی اور ابُو العلا معرّی۔ زہد و قناعت اور تصوّف میں، ثعلبی قصیدہ میں۔ اور ابو التّمام اور بحتری حماسہ یعنی شجاعت و مردانگی کے مضامین میں شہرت رکھتے ہیں۔ فارسی شاعری نے بھی اِسی زمانے میں رواج پایا۔ اور بڑے بڑے نامور شُعراء پیدا ہوئے۔ جن میں رودکی، فردوسی، سنائی، نظامی، انوری، فریدالدین عطار، جلال الدّین رومی،

عمر خیام اور سعدی پیش پیش نظر آتے ہیں ۔

دوسرے فنونِ لطیفہ ۔ اس دور میں شاعری کے علاوہ دوسرے فنونِ لطیفہ کو بھی ترقی ہوئی۔ موسیقی پر دوسری زبانوں میں جو کتابیں موجود تھیں۔ انہیں عربی کے سانچے میں ڈھالا گیا۔ خود عربی میں بھی اس فن کے متعلق بکثرت کتابیں لکھی گئیں۔ ابو نصر فارابی جیسے بلند پایہ عالم نے بھی موسیقی پر ایک کتاب لکھی۔ جو چار جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ عبّاسی عہد کے گویّوں میں مخارق، ابراہیم موصلی اور اس کے بیٹے اسحاق نے بڑی شہرت پائی۔ عبّاسی خاندان کے شہزادے بھی موسیقی کا بہت اچھا مذاق رکھتے تھے۔ ہارون کا بھائی ابراہیم جس نے کچھ عرصہ تک بغداد میں حکومت کی تھی۔ اعلےٰ درجے کا گویّا تھا ۔

چونکہ عام طور پر جانداروں کی تصویر بنانے کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور علماء اس معاملے میں بڑی سختی برتتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں نے نقش و نگار بنانے میں کمال پیدا کیا۔ مکانوں کی دیواروں اور چھتوں پر طرح طرح کے بیل بوٹے بنائے جاتے تھے۔ کتابوں کی آرائش میں بڑا اہتمام کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے اس مذاق کی بدولت خطّاطی نے بھی بڑی ترقی کی۔ اور بڑے بڑے اُستادوں نے حرفوں کی نوک پلک سنوارنے میں عمریں خرچ کر دیں۔ اقلیدسی شکلوں سے بھی آرائش کا کام لیا جانے لگا۔ مسلمان کاری گر تانبے، پیتل اور مٹّی کے برتنوں پر ایسی ایسی نازک پھول پتّیاں بناتے تھے۔ کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے تھے۔ صراحیوں، گلدانوں، پیالوں۔ اور رکابوں کو شوخ رنگوں سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ قسم قسم کے قالین اور غالیچے بنائے جاتے تھے۔ اور اُنہیں طرح طرح کے نقش و نگار، پہاڑوں، جنگلوں، اور باغوں کے مناظر سے سجایا جاتا تھا۔ منقّش اینٹوں کا رواج بھی عام تھا۔ بعد کے زمانے میں مسلمانوں نے مصوّری کی جانب بھی توجّہ کی۔ کتابیں تصویروں سے آراستہ ہونے لگیں۔ قالینوں اور غالیچوں پر بھی شکارگاہوں کے مناظر دکھائی دینے لگے ۔

اُس زمانے کی عمارتوں کے جو کھنڈر رہ گئے ہیں۔ اُنہیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگرچہ عرب مفتوحہ ممالک کے لوگوں کے فنِ تعمیر سے ضرور متاثّر ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے محض نقّالی ہی پر اکتفا نہیں کی۔ بلکہ اپنی طبیعت کے زور سے اس فن میں بھی نئے نئے راستے نکالے۔ اور اُسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اس لئے ان کی بنائی ہوئی عمارتیں اپنے ستونوں کی خوش نمائی، چھتوں کے نقش و نگار، استرکاری کی نزاکت، گنبدوں اور میناروں کے تجمّل و شوکت، محرابوں کی رعنائی، جالیوں کی میناکاری، حاشیوں اور مرغولوں کی نفاست کی وجہ سے اور ہی عالم رکھتی ہیں۔ مرصّع

ستونوں پر مغرق محرابیں، مینا کاری کی چھتیں، جنہیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ کہ ان نازک ستونوں نے چھت کے بوجھ کو کیسے سنبھال لیا۔ اور اس کے عہد کے اکثر ایوانوں میں تو ستونوں کا جنگل سا دکھائی دیتا ہے۔ اکثر محلوں میں اس ترکیب سے رنگارنگ شیشے لگائے گئے ہیں۔ کہ روشنی سمٹ آئی ہے۔ اور اس کی تجلی سے در و دیوار نورانی ہو گئے ہیں۔ جگہ جگہ خط کوفی اور خط نسخ کی عبارتیں ہیں۔ جنہوں نے اِن عمارتوں کے حُسن و دل کشی کو دوبالا کر دیا ہے۔ مسجدوں اور محلوں میں روشنی کا بڑا اہتمام ہوتا اور انہیں رنگارنگ قندیلوں اور فانوسوں سے سجایا جاتا تھا۔ اکثر جھاڑ اتنے بڑے بڑے ہوتے تھے۔ کہ اُن میں سینکڑوں کافوری شمعیں روشن کی جاتی تھیں۔ مسجدوں میں بیسیوں خادم صرف انگیٹھیوں میں عُود اور عنبر سُلگانے پر مامور ہوتے تھے +

Marfat.com

عرب یورپ میں

یورپ میں عربوں کی فاتحانہ یلغاروں کا کچھ حال تم پڑھ چکے ہو۔ انہوں نے سسلی، کریٹ، سارڈینیا، قبرص، مالٹا اور بحیرۂ رُوم کے کئی جزیروں کو ایک ایک کر کے فتح کر ڈالا۔ ہسپانیہ پر حکمرانی کا پرچم لہرایا۔ پیرینیز کے پہاڑوں سے اُتر کے فرانس میں پہنچے۔ اور اُس کے ایک حصّے کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ پھر اٹلی میں جا گھُسے۔ اور روما تک بڑھتے چلے گئے۔ پراوانس اور ڈلفنی میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ پیڈمانٹ اور لیگوریا میں فتح کے جھنڈے گاڑے۔ بلکہ سوئٹزرلینڈ کے ایک حصّے پر بھی قبضہ کر لیا۔ نیس کا ساحلی شہر جو یورپ کی مشہور سیرگاہ ہے۔ اُس پر بھی خاصی مدّت مسلمانوں کا قبضہ رہ چکا ہے۔

لیکن عربوں نے یورپ کے جن علاقوں پر اپنا تسلّط قائم کیا تھا۔ وہ سب ایک ایک کر کے اُن سے چھِن گئے۔ اِن میں سے بعض علاقوں یعنی جنوبی فرانس اور جنوبی اٹلی وغیرہ پر تو عربوں کی حکومت بہت تھوڑی مدّت قائم رہی۔ اور بعض علاقوں یعنی ہسپانیہ اور سسلی وغیرہ میں وُہ مدّتوں حکومت کرتے رہے۔ یورپ کے جن علاقوں پر عربوں نے قبضہ کیا۔ ان میں اسپین اور پرتگال سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اُن سے دوسرے درجے پر سسلی ہے۔ اس باب میں ہم تمہیں اِن علاقوں کی اسلامی حکومت کا کچھ حال بتائیں گے۔ ان علاقوں کی اِسلامی حکومت کے حالات سے واقف ہونا اِس لئے بھی بہت ضروری ہے۔ کہ یہاں جو عرب آباد ہو گئے تھے۔ اُنہوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں۔

ہسپانیہ پر بنواُمیّہ کی حکومت۔ زاب کے معرکے نے دمشق کی اموی حکومت کا نام و نشان مٹا دیا۔ اور اموی خاندان کے لوگ چُن چُن کر قتل کر ڈالے گئے۔ جو اموی کسی طرح بچ نکلے۔ اُن میں خلیفہ ہشام کا پوتا عبدالرحمٰن بھی تھا۔ اُس کا دمشق سے جان بچا کر بھاگنا، مدّتوں افریقہ میں مارے مارے پھرنا، اور پھر ہسپانیہ پہنچ بغاوت کا نشان لہرانا جُرأت اور مردانگی کی ایک دلچسپ داستان ہے۔ جسے پڑھ کر دل میں شجاعت اور دلاوری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اُس کا ہسپانیہ میں پہنچنا تھا۔ کہ عربوں کے مختلف قبیلے جو رات دن آپس میں

Marfat.com

لڑتے رہتے تھے۔ جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اُن دنوں یوسف فہری ہسپانیہ کا والی تھا۔ اُس نے بڑی بہادری سے عبد الرحمٰن کا مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھائی۔ چنانچہ ۷۵۶ء میں ہسپانیہ کا خاصا بڑا علاقہ عبد الرحمٰن کے قبضے میں آ گیا۔ اور کچھ عرصے کے بعد اُس نے سارے جزیرہ نما کو فتح کر کے اس سرزمین میں اپنے قدم اچھی طرح جما لئے ❖

عبد الرحمٰن کے خلاف برابر شورشیں ہوتی رہیں۔ لیکن اُس نے بڑی سختی سے انہیں دبا دیا۔ کچھ دشمن ایسے تھے۔ جو برابر اُس کے مقابلے پر اَڑے رہے۔ لیکن آخر اُنہیں بھی ہسپانیہ سے نکلنا پڑا۔ کچھ عرصے کے بعد یہ لوگ فرانس کے بادشاہ شارلیمین کے دربار میں پہنچے۔ جو اُس زمانے میں یورپ کا سب سے طاقتور فرماں رَوا سمجھا جاتا تھا۔ اور اُسے اپنے ساتھ مِلا کر ہسپانیہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن عبد الرحمٰن ایسا تھُڑدِلا نہیں تھا۔ کہ شارلیمین سے دب جاتا۔ یہ مہم بے نتیجہ ثابت ہوئی۔ اور ۷۷۸ء میں فرانس کے بادشاہ کو سارا گوسا سے پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد مُلک میں خاصا امن ہو گیا۔ اور عبد الرحمٰن کو انتظامی معاملات کی طرف توجّہ کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اُس نے ۳۲ برس حکومت کی۔ اور اگرچہ زندگی کے آخری چند برسوں کے سوا یہ سارا زمانہ لڑنے بھِڑنے ہی میں گزر گیا۔ لیکن جب وہ مُلکی نظم و نسق کی طرف متوجّہ ہوا۔ تو اپنی خوش انتظامی کی بدولت یہ ثابت کر دکھایا۔ کہ وہ جیسا تلوار کا دھنی ہے۔ ویسا ہی تدبیر کا مردِ میدان بھی ہے۔ مشہور مورّخ ابن اثیر لکھتا ہے۔ کہ عبد الرحمٰن بڑا عالم و فاضل اور باکمال شخص تھا۔ اور دوسرے علوم و فنون کے علاوہ شاعری میں بھی دسترس رکھتا تھا۔ اور بلند ہمتی میں تو وہ اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ پھر وہ بڑا تیز فہم، بیدار مغز، دُوراندیش، عالی حوصلہ اور فیّاض حکمران تھا۔ اور بڑی محنت سے اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ چنانچہ جفاکشی اور انتظامی قابلیت میں وہ خلیفہ منصور عبّاسی کا مدِّمقابل سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے قرطبہ اور ہسپانیہ کے دوسرے شہروں میں شان دار عمارتیں بنوائیں۔ نہریں کُھدوائیں۔ باغ اور چمن لگوائے۔ قرطبہ کی مسجد جامع بھی اِسی عالی مرتبہ حکمران کی یادگار ہے۔ کچھ عرصہ تک اندلس میں بھی عبّاسیوں کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا رہا۔ لیکن ۷۷۳ء میں عبد الرحمٰن نے خطبہ سے عبّاسی خلیفہ کا نام نکال دیا۔ البتّہ اُس نے خود خلیفہ کا لقب اختیار نہیں کیا۔ بلکہ زندگی بھر امیر ہی کہلاتا رہا۔ عبد الرحمٰن نے ۷۸۸ء میں وفات پائی ❖

شورشیں ۔ اِن دنوں ہسپانیہ کی آبادی چار گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ عرب، بربری، ہسپانوی عیسائی

Marfat.com

اور ہسپانوی نومسلم۔ اِن چاروں گروہوں کی باہمی رقابتوں اور دشمنیوں کی وجہ سے آئے دن نئے نئے پیچیدہ مسائل پیدا ہوتے رہتے تھے۔ عبدالرحمٰن کے جانشینوں کی عمریں انہیں گتھیوں کو سلجھانے میں گزر گئیں۔ ایک مشکل یہ تھی۔ کہ فرانسیسی برابر سازشوں میں مصروف تھے۔ اور جب موقع پاتے تھے مسلمانوں کے علاقے میں گھس آتے تھے۔ عبدالرحمٰن کے جانشین ہشام اول (۷۸۸ء تا ۷۹۶ء) نے تو اندرونی شورشوں کو آسانی سے دبا دیا۔ فرانسیسیوں کو بھی بڑھنے کا موقع نہ دیا۔ بلکہ فرانس پر چڑھائی کرنے کے لئے ایک فوج بھیجی۔ جو دُور تک بڑھتی چلی گئی۔ لیکن اُس کے بیٹے حکم (۷۹۶ء تا ۸۲۲ء) کے عہدِ حکومت میں جا بجا شورشوں نے سر اُٹھایا۔ فرانسیسیوں نے بھی بڑے زور سے حملے شروع کر دیئے۔ حکم نے فرانسیسیوں کو بڑی بہادری سے روکا۔ بلکہ پیرینیز کے پہاڑوں سے اُتر کر فرانس میں جا گھسا۔ مُلک کے اندر جو شورشیں برپا تھیں۔ ان کا بھی قلع قمع کیا۔ سب سے بڑی بغاوت تو فقہا کی تھی۔ ان لوگوں نے جو بڑے دیندار مُسلمان اور امام مالکؒ کے پیرو تھے۔ دینداری کے جوش میں ہسپانوی نومسلموں اور بربریوں کو اُبھار کے حکم کے مقابلے پر کھڑا کر دیا۔ اگرچہ اُس نے اِس شورش کو دبانے میں بڑی سختی برتی۔ پھر بھی اُس کے پورے عہدِ حکومت میں یہ آگ برابر سُلگتی رہی ٭

حکم کے بعد اُس کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی (۸۲۲ء تا ۸۵۲ء) جو الاوسط بھی کہلاتا ہے۔ مسندِ حکومت پر بیٹھا۔ اِس زمانے میں ہسپانیہ کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی بہت سی عادتیں اختیار کر لی تھیں۔ یہ باتیں بعض پُرانے خیال کے عیسائیوں کو جو ابھی تک لکیر کے فقیر چلے آتے تھے۔ ناگوار گزرتی تھیں۔ چنانچہ بعض جوشیلے عیسائیوں نے دین اسلام اور مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کو کھلم کھلا گالیاں دینی شروع کر دیں۔ یہ شورش عبدالرحمٰن کے بیٹے امیر محمد کے زمانے تک جاری رہی۔ اور جب تک اِس شورش کا بانی مارا نہ گیا۔ فساد نہ تھما ٭

اِس شورش کو چھوڑ کے عبدالرحمٰن ثانی کا زمانہ بڑے امن و امان میں گزرا۔ اور مُلک کی خوش حالی کے ساتھ سلطنت کے شوکت و تجمّل اور شان و شکوہ نے بھی بڑی ترقی کی۔ عبدالرحمٰن علم و ادب کے علاوہ شاعری اور موسیقی کا بھی قدردان تھا۔ دربار قرطبہ کی فیاضیوں نے اُس زمانے کے مشہور ماہر موسیقی زریاب کو جو خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں بھی رہ چکا تھا۔ قرطبہ پہنچایا۔ زریاب صرف ماہر موسیقی ہی نہیں تھا۔ بلکہ اُس زمانے میں جو علوم و فنون مدرسوں میں پڑھائے جاتے تھے۔ اُن سب پر عبور رکھتا تھا۔ اُس نے اپنی طبیعت کے زور سے لباس کی تراش خراش

Marfat.com

کھانے پینے اور اُٹھنے بیٹھنے کے آداب، اور رہنے سہنے کے طریقوں میں ایسی تبدیلیاں کیں۔ جن کا اثر سارے یورپ پر پڑا۔ ننگے سر رہنا، چھری کانٹے سے کھانا کھانا، ٹیڑھی مانگ نکالنا اسی کی ایجاد ہے۔ اُس نے لباس کے نئے نئے فیشن نکالے۔ ہر موسم کے لئے الگ رنگ کا لباس مقرر کیا۔ سنگار کے لئے طرح طرح کے عطر اور عرق ایجاد کیے۔ حفظانِ صحت کے اصُول باندھے۔ بدر روؤں اور نالیوں کا انتظام کیا۔ نئے پودوں کا سُراغ لگایا۔ جڑی بوٹیوں کے خواص معلوم کیئے۔ غرض زریاب بڑا جامعِ کمالات شخص تھا۔ اور اس کی سدا بہار طبیعت ہمیشہ ایجاد و اختراع کے پھُول کھلاتی رہتی تھی۔ اس زمانے کے عرب بڑے مہذّب، شائستہ، نستعلیق اور وضعدار لوگ تھے۔ وہ شجاعت کا ایک خاص ضابطہ رکھتے تھے۔ اور اس سے ذرہ بھر ادھر اُدھر نہیں ہوتے تھے۔ پھر ان کی چال ڈھال میں عجب قسم کی نفاست، شُستگی، دلآویزی اور بانکپن تھا۔ چنانچہ یورپ کے بانکوں نے جو نائٹ کہلاتے تھے۔ آگے چل کر اُنہیں کے آدابِ شجاعت، وضعداری اور سجیلے پن کی نقل اتارنے کی کوشش کی۔

عبدالرحمٰن ثانی کے جانشین محمد (۸۵۲ء تا ۸۸۶ء) کو اُنہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جو عبدالرحمٰن کو پیش آئی تھیں۔ ہر طرف فتنوں نے سر اُٹھایا۔ چھوٹی چھوٹی شورشوں نے خطرناک بغاوتوں کی شکل اختیار کر لی۔ اور بربری اور نومسلم ہسپانوی اپنی اپنی خود مختار حکومتیں قائم کرنے کی تجویزیں سوچنے لگے۔ باغی سرداروں میں ایک نومسلم ہسپانوی عمر بن حفصون سب سے زیادہ طاقت ور تھا۔ جنوبی ہسپانیہ کے کوہستانی علاقے میں اُس نے اپنے قدم اچھی طرح جما لیئے تھے۔ اور اب وہ امویوں کی حکومت مٹا کے سارے ہسپانیہ میں اپنا اقتدار قائم کرنے کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ امیر محمد نے بڑے جتن کیئے۔ لیکن مُلک میں امن قائم نہ ہو سکا۔ اور اس کی حکومت کا سارا زمانہ انہیں شورشوں میں گزر گیا۔ اُس کے بعد اُس کے دو بیٹے مُنذر (۸۸۶ء تا ۸۸۸ء) اور عبداللہ (۸۸۸ء تا ۹۱۲ء) تخت پر بیٹھے۔ لیکن بغاوتوں کا یہ سیلاب اُن کے روکے بھی نہ رُک سکا۔ اور امویوں کی قوت اور شوکت بحال کرنے کی سعادت بالآخر عبدالرحمن الناصر کے حصّے میں آئی۔

عبدالرحمٰن ثالث (۹۱۲ء سے ۹۶۱ء تک) امیر عبداللہ کا پوتا عبدالرحمن ثالث تخت پر بیٹھا۔ تو اندلس کی وسیع سلطنت میں بڑی بدامنی اور افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ سلطنت کے سارے صوبے خود مختار ہو چکے تھے۔ اور امیر کی حکومت قرطبہ اور اس کے آس پاس کے علاقے تک محدود ہو کے رہ گئی

Marfat.com

تھی۔ نئے امیر کا سن تو اکیس برس کا تھا۔ لیکن قدرت نے اُسے عجب دِل و دماغ عطا کیا تھا۔ اور مستعدی شجاعت اور استقلال اُس کی طبیعت کے خاص جوہر تھے۔ ابن حفصون جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اپنے کوہستانی قلعوں میں گھر کر رہ گیا۔ عبدالرحمٰن جب اس باغی سردار کی فوجوں کو پسپا کرتا ہوا بوباسٹرو کے قلعے میں پہنچا۔ جو اس حکومت کا مرکز تھا۔ تو ابن حفصون کا انتقال ہو چکا تھا۔ اُس کے بیٹے کچھ مدّت تک اڑے رہے۔ لیکن آخر انہیں ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ ادھر سے فرصت ملی۔ تو شمالی افریقہ کی طرف توجّہ ہوئی۔ اُن دنوں اس علاقے میں فاطمیوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اُن کا سمندری بیڑا بُحیرہ رُوم کو کھنگالتا پھرتا تھا۔ اور اپنی بحری طاقت کے بھروسے پر وہ لومبارڈی تک کے علاقے کو زیر و زبر کر چکے تھے۔ عبدالرحمٰن ثالث نے ان کی بحری قوت کو نیچا دکھانے کا ارادہ کیا۔ اور اندلس کی فوجوں نے بڑھ کر شمالی افریقہ کے ساحل پر قبضہ کر لیا۔ کئی معرکے ہوئے جن میں اندلسی فوجوں کا پلّہ بھاری رہا۔

یوں تو کسٹائل اور اراگون کی عیسائی ریاستیں جو اندلس کی شمالی سرحد پر واقع تھیں۔ آئے دن مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتی رہتی تھیں۔ لیکن عبدالرحمٰن ثالث کے زمانے میں انہوں نے بڑے فتنے اُٹھائے۔ اور اُندلس کے سرحدی شہروں پر کئی مرتبہ چھاپے مارے۔ عبدالرحمٰن نے یہ کیفیت دیکھ کر اپنی فوجی طاقت کو مضبوط بنانے کی طرف توجّہ کی۔ اور سرحد پر جابجا فوجی چوکیاں قائم کر کے عیسائی سرداروں کے حملوں کا سدِّباب کر دیا۔ یورپ کا ایک مؤرّخ عبدالرحمٰن ثالث کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ کہ اُس کی قواعد دان فوج دُنیا کی بہترین فوج تھی۔ اِس با اقبال فرماں روا کی قوت و شوکت کا چرچا پھیلا۔ تو یورپ کے بڑے بڑے حکمرانوں کے سفیر اُس کے دربار میں تحفے اور ہدیے لے کر حاضر ہوئے۔ اِس زمانے تک اندلس کے فرماں رَوا امیر ہی کہلاتے تھے۔ جو دراصل صوبوں کے حاکموں کا لقب تھا۔ لیکن جب اندلس کی حکومت پُورے عروج پر جا پہنچی۔ اور عبدالرحمٰن کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہا۔ تو اُس نے امیر کی بجائے خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ اور فرمانوں میں اُسے امیر المومنین عبدالرحمٰن النّاصر لدین اللہ لکھا جانے لگا۔

عبدالرحمٰن النّاصر نے پچاس برس سلطنت کی۔ وہ ہسپانیہ کا سب سے بیدار مغز اور با اقبال حکمران تھا۔ جب اُس نے عنانِ حکومت سنبھالی تھی۔ تو امویوں کی حکومت صرف قرطبہ میں رہ گئی تھی۔ لیکن اس نے چند برس کے اندر سارے کھوئے ہوئے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ پھر مُلک کے نظم و نسق اور تمدّنی ترقی کی طرف توجّہ کی۔ اور سلطنت کا

Marfat.com

انتظام اس خوش اسلوبی سے کیا۔ کہ رعایا بڑے امن اور آسودگی کی زندگی بسر کرنے لگی۔ سارے مُلک میں سڑکوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ مسافروں کی حفاظت کے لئے جگہ جگہ پولیس کی چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ نہ رہزنوں کا کھٹکا' نہ چوروں کا ڈر۔ اکیلا مسافر ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سونا اُچھالتا چلا جاتا تھا۔ اور کسی کو اُس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔ آب پاشی کا انتظام بہت اعلیٰ تھا۔ اس لئے زراعت نے بڑی ترقی کی۔ اور جو علاقے اگلے بادشاہوں کے زمانے میں بنجر پڑے ہوئے تھے۔ اُن میں کھیت لہلہانے لگے۔ جگہ جگہ باغ اور چمن کھلے تھے پہاڑیوں کے دامن میں انگور، نارنگی، چکوترے اور زیتون کے درختوں کا ہجوم تھا۔ اشبیلیہ کے آس پاس زیتون کے باغوں کی کثرت تھی۔ اور وادِ الکبیر کے دونوں کناروں پر پینتیس میل تک باغ ہی پھیلتے چلے گئے تھے۔ شہروں میں نل لگے ہوئے تھے۔ جن میں دُور دُور سے شیریں اور مصفّا پانی لایا جاتا تھا۔ تجارت' صنعت و حرفت اور مختلف قسم کے علوم و فنون نے حکومت کی سرپرستی کی بدولت بڑی ترقی کی۔ قرطبہ، المیریا، اشبیلیہ، اور غرناطہ وغیرہ میں سے ہر شہر الگ الگ صنعتوں کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ اور تجارت کی ترقی کا اندازہ تو اسی سے کر لو۔ کہ صرف چونگی کے محصول سے حکومت کو ایک کروڑ بیس لاکھ دینار وصول ہوتے تھے ٭

ہسپانیہ کے دار الحکومت قرطبہ کے گرد ایک چوڑی فصیل کھچی تھی۔ جس میں سات دروازے بنے ہوئے تھے۔ شہر میں ساٹھ ہزار حویلیاں اور محل تھے۔ عام لوگوں کے مکانوں کا اندازہ اسی سے کر لو۔ اس کے علاوہ اسّی ہزار دکانیں تھیں۔ ۳۸۰۰ مسجدیں' ۷۰۰ حمام' کوچوں میں پتّھر کا فرش' گندے پانی کے نکاس کے لئے جا بجا موریاں بنی تھیں۔ یوں تو سارے ہسپانیہ میں نلوں کے ذریعہ پانی پہنچتا تھا۔ لیکن خلیفہ عبدالرحمٰن نے پہاڑ کاٹ کر ایک بہت بڑے نل کے ذریعے قرطبہ میں پانی پہنچانے کا انتظام کیا تھا۔ شہر کے ہر چوک میں سنگِ مرمر کے خوبصورت حوض اور فوّارے تھے۔ شہر میں روشنی کا بڑا معقول انتظام تھا۔ دس میل تک چراغوں کی قطار چلی گئی تھی۔ جن کی وجہ سے رات پر دن کا گمان ہوتا تھا۔ خلیفہ کا محل جو الزّہرا کہلاتا تھا۔ عجائبات کا نمونہ تھا۔ اس کی تعمیر ۹۳۶ء میں شروع ہوئی۔ اور پچیس برس تک دس ہزار راج مزدور کام کرتے رہے۔ پھر بھی یہ محل نامکمّل رہ گیا۔ اور عبدالرحمٰن کے جانشین کے عہد میں پندرہ سال کی محنت سے مکمّل ہوا ٭

یہ عمارت سنگ مرمر کے چار ہزار تین سو ستونوں کے سہارے کھڑی تھی۔ اور اس میں چار سو کمرے تھے۔

اس کے دالانوں میں سنگ مرمر کا فرش تھا جس پر رنگارنگ بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ دیواروں پر سنگ مرمر کی استرکاری محل کے دالانوں میں ایک ہزار فوّارے چھوٹتے۔ اور چھوٹی چھوٹی نہروں میں سے گزر کر حوضوں میں جا گرتے تھے۔ فوّاروں کے گرد سنگ مرمر کی خوب صورت سیڑھیاں تھیں۔ اُن کے اوپر چھت تھی جس میں مختلف رنگوں کے شیشے لگے تھے۔ ان شیشوں کے عکس سے فوّارے دھنک کی طرح رنگین نظر آتے تھے۔ صندل کے دروازے، جن پر آبنوس، ہاتھی دانت، اور جواہرات سے گل کاری کی گئی تھی۔ پھر جگہ جگہ باغ اور چمن اُن میں کہیں رنگارنگ حوض اور فوّارے، کہیں کُنج اور رواق جن پر سدا بہار بیلیں چڑھائی گئی تھیں۔ قرطبہ کی جامع مسجد بھی مسلمانوں کی کاری گری کا حیرت انگیز نمونہ تھی۔ یہ مسجد عبدالرحمٰن اول نے بنوائی تھی۔ لیکن اُس کے جانشین بھی برابر اُس کی آرائش میں حصّہ لیتے رہے۔ مسجد میں سنگ مرمر کے بارہ سو ترانوے ستون تھے۔ چھت فرش سے دس گز اونچی تھی۔ اُس کے وسط میں ایک جواہر نگار شمعدان تھا۔ جس کا وزن پچیس سیر کے قریب تھا۔ اس میں مومی اور کافوری شمعیں روشن ہوتی تھیں۔ تین سو خادم انگیٹھیوں میں عنبر اور عود جلاتے اور روشنی کا انتظام کرتے تھے۔ سات برس کی محنت سے منبر تیار ہوا۔ جو قیمتی لکڑی، ہاتھی دانت، سیپ کے ٹکڑوں اور بیش بہا جواہرات کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔

حکم ثانی۔ (۹۶۱ء سے ۹۷۶ء تک) عبدالرحمٰن الناصر کے بیٹے حکم ثانی کا عہدِ حکومت، ہسپانیہ کے اموی حکمرانوں کی شان و شوکت اور قرطبہ کی رونق اور چہل پہل بڑے عروج پر تھی۔ حکم کو علم و فن سے کچھ ایسا عشق تھا۔ کہ سلطنت کے کاموں سے جو وقت ملتا تھا۔ وہ لکھنے پڑھنے میں گزار دیتا تھا۔ اس کے علمی شوق کی وجہ سے مُلک میں علم کا چرچا بہت بڑھ گیا۔ چنانچہ قریب قریب ساری آبادی لکھنا پڑھنا جانتی تھی۔ قرطبہ کی یونی ورسٹی عبدالرحمٰن الناصر نے قائم کی تھی۔ حکم کے عہد حکومت میں اسے بڑی ترقی ہوئی۔ دُنیا کے مختلف حصّوں سے طلبہ کھچے چلے آتے تھے۔ یونیورسٹی میں طلبہ کی تعلیم کے لئے جو اُستاد مقرر تھے۔ وہ بھی مختلف مُلکوں سے تعلق رکھتے تھے۔

حکم کو کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ اُس نے مصر، شام، عراق، ایران وغیرہ مُلکوں میں اپنے کارندے مقرر کر رکھے تھے۔ جو ہر قسم کی کتابوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ اور جہاں کوئی کارآمد کتاب ملتی تھی۔ منہ مانگی قیمت دے کر خرید لیتے تھے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اُس کے کتب خانے میں چھ لاکھ کتابیں تھیں۔ جن کی نا تمام فہرست چوالیس جلدوں میں آئی تھی۔ حکم نے ان میں سے اکثر کتابوں کے حواشی اپنے قلم سے لکھے تھے۔ لیکن خلیفہ ادھر علم و فن کو فروغ دینے میں مصروف تھا۔

Marfat.com

اُدھر جاہ طلب سرداروں اور عہدہ داروں نے بڑا اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ اور سلطنت پر قبضہ کرنے کے لئے مناسب موقع کے انتظار میں تھے ؛

محمد ابن ابی عامر۔ حکم ثانی کی وفات کے بعد اس کا نابالغ بیٹا ہشام جس کی عمر صرف بارہ برس کی تھی۔ تخت پر بیٹھا۔ لیکن اختیارات اس کی ماں کے ہاتھ میں تھے۔ جو محل کے داروغہ محمد ابن ابی عامر کے ذریعے مُلک کا انتظام کرتی تھی۔ ملکہ کی سرپرستی کی بدولت ابن ابی عامر نے ترقی کر کے حاجب اور وزیر کے عہدوں پر قبضہ کر لیا۔ اور سارے سیاہ وسپید کا مالک بن بیٹھا۔ ہشام صرف نام کا خلیفہ اور ایک حیثیت سے ابن ابی عامر کا قیدی تھا۔ وہ بیچارا محل سرا کے اندر لونڈی غلاموں میں گھرا رہتا تھا۔ اور سلطنت کے کاموں سے اُسے کوئی سروکار نہیں تھا۔ سکّہ پر بھی خلیفہ کے نام کے ساتھ ابن ابی عامر کا نام ہوتا تھا۔ خطبہ میں بھی اُس کا نام لیا جاتا تھا۔ سنہ ۹۲۲ء کے بعد تو سارے احکام خلیفہ کی مُہر کے بجائے ابن ابی عامر کی مُہر سے جاری ہونے لگے ؛

ابن ابی عامر نے زیادہ تر اپنی فاتحانہ یلغاروں کی وجہ سے شہرت پائی ہے۔ اُس نے از سرِ نو فوج کی تنظیم کی۔ بربریوں کے کئی نئے دستے بھرتی کئے۔ پھر اس فوج کو لے کر شمال کے عیسائی سرداروں کو باون معرکوں میں پے در پے شکستیں دیں۔ لیون اور نوار پر فتح کا جھنڈا لہرایا۔ اور وہاں اپنی فوج منفر کی۔ قطالونیا اور برشلونہ سے فرانسیسیوں کو بالکل نکال دیا۔ بلکہ پیرینیز سے اُتر کر فرانس کے نوابوں کو جو لیون اور نوار کے مددگار تھے۔ گردن کشی کا مزہ چکھایا۔ افریقہ پر بھی فوجیں بھیجیں۔ اور شمال مغربی افریقہ کے ایک خاصے بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ابن ابی عامر نے عمر بھر کبھی شکست نہیں کھائی تھی۔ اس لئے لوگ اُسے منصور یعنی فتح مند کہتے تھے ؛

اموی خلافت کی تباہی۔ منصور کے انتقال کے بعد اموی خلافت میں زوال کے آثار دکھائی دینے لگے۔ ہر طرف فتنوں نے سر اُٹھایا۔ بربریوں، عربوں اور ہسپانوی مسلمانوں نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ اس زمانے میں اموی خاندان کے جو لوگ ہسپانیہ کے تخت پر بیٹھے۔ وہ سب شاہ شطرنج تھے۔ صاحب اقتدار لوگ جب چاہتے تھے۔ کسی اموی شہزادے کو تخت پر بٹھا دیتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ معزول ہو جاتا۔ یا تلوار کے گھاٹ اُتار دیا جاتا تھا۔ صوبوں کے حاکم آہستہ آہستہ خود مختار ہو گئے۔ اور قرطبہ میں ہنگامہ فساد اور قتل وغارت گری کا ایسا طوفان اُمڈا۔ کہ الزہرا کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اور مسلمانوں کی شان وشوکت، اور

Marfat.com

ہُنرمندی کی یہ بے نظیر یادگار بالکل ناپید ہوگئی۔ آخر قرطبہ کے لوگوں نے روز روز کے جھگڑوں سے تنگ آکر خلافت ہی کو مٹانے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ہشام ثالث (۱۰۲۷ء تا ۱۰۳۱ء) کو معزول کر دیا گیا۔ یہ قرطبہ کا آخری اموی فرماں روا تھا۔ اس کی معزولی کے ساتھ ہسپانیہ کی اموی حکومت بھی ختم ہوگئی۔ اور اس کے بجائے قرطبہ میں ایک جمہوری حکومت قائم کی گئی۔

ملوک الطّوائف ۔ اموی حکومت کے مٹتے ہی سارے مُلک میں افراتفری پھیل گئی۔ اور گیارھویں صدی کے پہلے پچاس برسوں کے اندر مُلک کے مختلف شہروں اور ضلعوں میں کوئی بیس چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئیں چنانچہ غرناطہ، ملاغہ، سارا گوسا، طلیطلہ اور اشبیلیہ وغیرہ شہروں میں الگ الگ سردار خود مختاری کا نقارہ بجا رہے تھے۔ اور ان میں لڑائی جھگڑے بھی ہوتے رہتے تھے۔ آگے چل کر ان ریاستوں میں سے بعض پر تو شمالی علاقے کے عیسائی سرداروں نے قبضہ کر لیا۔ اور بعض کو بربریوں کی حکومتوں یعنی مرابطین اور موحدین نے مٹا دیا۔

یہ عجیب بات ہے۔ کہ اس بدامنی کے زمانے میں بھی ادب وشعر اور علم وفن کی ترقی میں فرق نہیں آیا۔ ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمران خود بڑے عالم وفاضل تھے۔ اور علم وفن کی قدردانی میں ہمیشہ ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

بنو عباد ۔ قرطبہ کی جمہوریت چالیس برس تک قائم رہی۔ پھر اشبیلیہ کے حکمران خاندان نے جو بنو عباد کہلاتا تھا۔ قرطبہ پر قبضہ کر لیا۔ اشبیلیہ کی حکومت کو ہسپانیہ کی ریاستوں میں بڑی ممتاز اور نمایاں حیثیت حاصل ہوگئی۔ اور کوئی بیس برس تک وہ مُلک کے ایک بڑے حصّے پر چھائی رہی۔ معتمد اس خاندان کا سب سے نامور فرماں روا تھا۔ چنانچہ اُس نے غرناطہ کی ریاست کے علاوہ سارے جنوبی ہسپانیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ علمی ذوق کے لحاظ سے بھی وہ دوسرے حکمرانوں سے آگے نظر آتا تھا۔ وہ خود بہت اچھے شعر کہتا تھا۔ اور اس زمانے کے بہت سے نامور عالم، شاعر اور گویّے اس کی فیّاضی کے سایہ میں پرورش پا رہے تھے۔ لیکن اُس کی حکومت کے آخری زمانے میں لیون اور کسٹائل کے بادشاہ فرڈی نند اور اُس کے بیٹے الفانسو ششم نے ہسپانیہ کے بہت سے شہروں پر جن میں طلیطلہ بھی شامل تھا۔ قبضہ کر لیا۔ الفانسو کے حملوں نے ایسا زور باندھا۔ کہ معتمد کو مجبور ہو کر مراکش کے فرماں روا یوسف ابن تاشفین سے مدد مانگنی پڑی۔

مرابطین ۔ (**۱۰۹۰ء سے ۱۱۴۷ء تک**) یوسف کو معتمد کا پیغام ملا۔ تو وہ بارہ ہزار جاں نثار

Marfat.com

ساتھ لے کر ہسپانیہ پہنچا۔ زلاقہ کے میدان میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں عیسائیوں نے سخت شکست کھائی۔ اور کسٹائل اور لیون کا بادشاہ فرڈی نند تین سو سپاہیوں کے ساتھ بمشکل جان بچا کر بھاگ نکلا۔ اس فتح نے اسلامی حکومت کے عَلَم کو گرتے گرتے سنبھال لیا۔ اور ہسپانیہ کی سرزمین میں مسلمانوں کے اُکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ عیسائیوں کے حملے رُک گئے۔ اور مسلمانوں نے پھر کئی کھوئے ہوئے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ یوسف زلاقہ کے معرکے کے بعد واپس چلا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر آیا۔ اور غرناطہ اور اشبیلیہ وغیرہ ریاستوں کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ البتہ طلیطلہ بدستور عیسائیوں کے قبضہ میں رہا ؛

مرابطین ابتدا میں جوشیلے اور دیندار بربریوں کی ایک جماعت کا نام تھا۔ جس نے آگے چل کر شمال مغربی افریقہ میں بڑی طاقت ور حکومت قائم کر لی۔ یوسف ابن تاشفین (۱۰۶۱ء تا ۱۱۰۶ء) اس خاندان کا سب سے طاقتور حکمران تھا۔ جس کے عہد میں مرابطین کی سلطنت پورے عروج پر جا پہنچی۔ لیکن مرابطین مراکش میں بیٹھ کر ہسپانیہ پر حکومت کرتے تھے۔ بغداد کے عبّاسی خلیفہ کی جانب سے یوسف ابن تاشفین کو امیر المسلمین کا خطاب دیا گیا تھا۔ اِس لئے ہسپانیہ میں بھی ایک طرح سے عبّاسی خلیفہ کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اور خطبہ میں اُس کا نام لیا جانے لگا ؛

✓ **موحّدین۔ (۱۱۴۷ء سے ۱۲۱۲ء تک)** مرابطین نے ہسپانیہ پر ۵۷ برس حکومت کی۔ پھر بربریوں کے ایک اور خاندان نے جو موحّدین کہلاتا تھا۔ اس سے حکومت چھین لی۔ اس خاندان کا بانی محمد ابن تومرت تھا۔ جو مہدی ہونے کا دعوےٰ رکھتا تھا۔ اور اُس کے پیرو موحّدین یعنی ایک خدا کو ماننے والے کہلاتے تھے۔ محمد ابن تومرت کے جانشین عبدالمومن نے بڑا زور پکڑا۔ اور ۱۱۴۷ء میں مراکش پر قبضہ کر کے مرابطین کی حکومت ختم کر دی۔ تین برس کے اندر اندر اندلس میں بھی اُس کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اِس کام سے فارغ ہو کر اُس نے پھر افریقہ کی طرف باگیں موڑیں اور الجزائر، تونس اور طرابلس کو فتح کر کے اپنی حکومت بحر اوقیانوس کے ساحل سے مصر تک پھیلا دی۔ موحّدین عبّاسی خلیفہ کو نہیں مانتے تھے۔ اس لئے اس کا نام خطبہ سے نکال دیا گیا ؛

عبدالمومن نے ۱۱۶۳ء میں وفات پائی۔ اس کے جانشینوں میں اس کے پوتے ابو یوسف یعقوب (۱۱۸۴ء تا ۱۱۹۹ء) نے جو منصور کے لقب سے مشہور ہے۔ سب سے زیادہ نامَوری حاصل کی۔ اُس نے کسٹائل کے طاقتور حکمران الفانسو نہم کو شکست دے کر ہسپانیہ اور پرتگال کے اُن تمام شہروں پر قبضہ کر لیا۔ جو مرابطین کی حکومت کے

Marfat.com

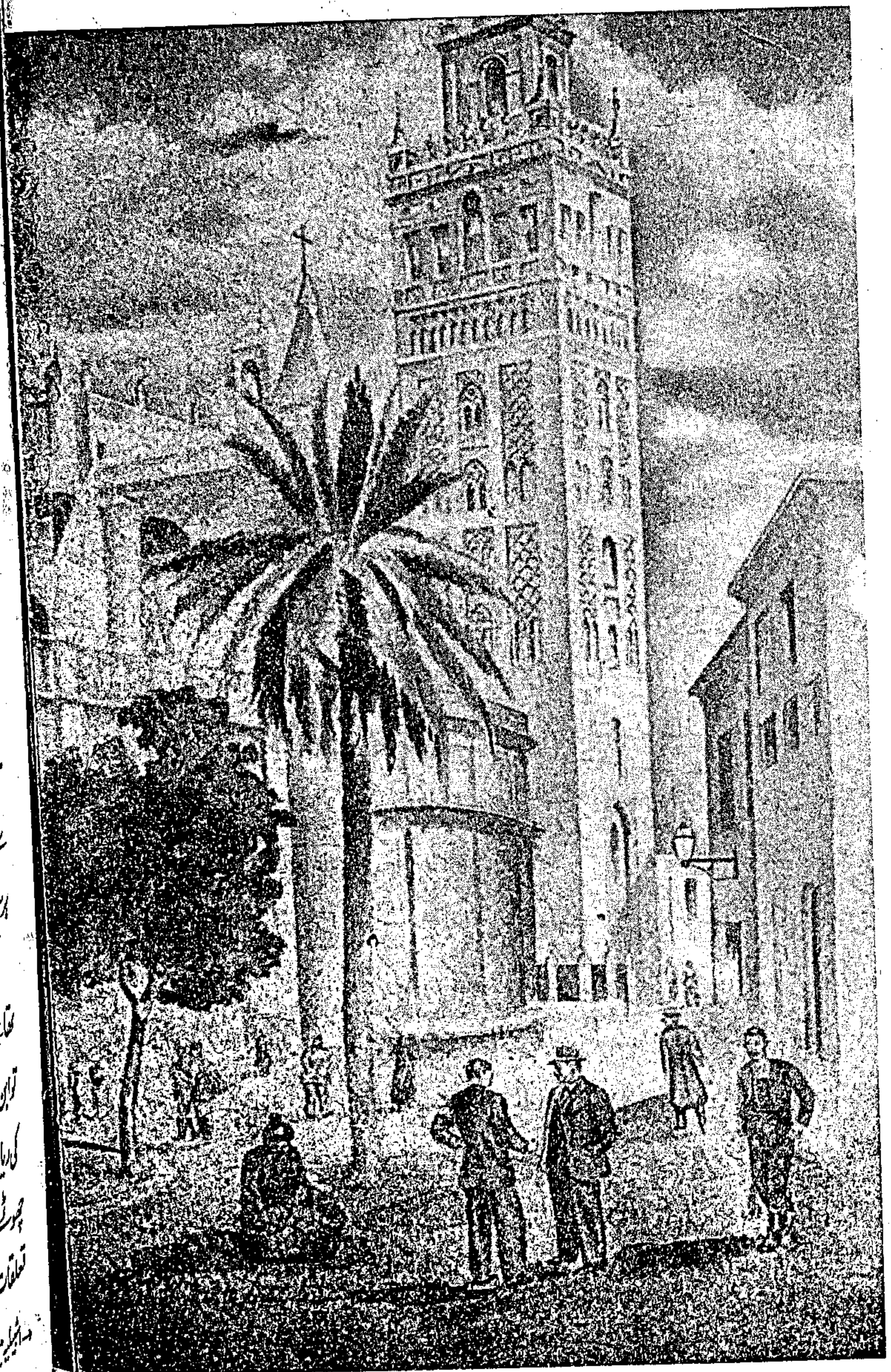

آخری زمانے میں مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے تھے۔ جن دنوں یعقوب المنصور ہسپانیہ میں عیسائیوں سے لڑ رہا تھا۔ شام میں سلطان صلاح الدین ایوبی صلیبی شہسواروں سے نبرد آزما تھا۔ صلاح الدین نے یعقوب کے دربار میں ایلچی بھیجے۔ اور یہاں سے سلطان کی امداد کے لئے ۱۸۰ جہاز بھیجے گئے +

یعقوب علم و فن کا بڑا قدردان تھا۔ اور اس کے دربار میں طبیعیات کے ماہر، نامور فلسفی، شاعر اور ادیب جمع ہو گئے تھے۔ ہسپانیہ کا مشہور فلسفی ابن رشد اس کے عہد میں قرطبہ کا قاضی تھا۔ ابن زہر اور ابن باجہ بھی اسی زمانہ کے لوگ ہیں۔ ابن زہر بڑا نامور طبیب تھا۔ ابن باجہ طب کے علاوہ ریاضی، ہیئت اور فلسفہ میں بھی بڑا کمال رکھتا تھا۔ یعقوب نے مراکش میں رباط کا شہر آباد کیا۔ سلطنت کے مختلف حصّوں میں نہریں بنوائیں۔ شفاخانے کھولے اس کے زمانے کی سب سے مشہور عمارت سرخ اینٹوں کا ایک مینار ہے۔ جو اب تک اشبیلیہ میں موجود ہے۔ اسے جیرالڈا کہتے ہیں +

یعقوب کی وفات کے بعد اندلس کی اسلامی حکومت پر پھر زوال آیا۔ اور کئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں افریقہ میں بھی موحّدین کی حکومت مٹ گئی۔ یعنی ۱۲۵۹ء میں ایک بربری قبیلے نے موحّدین کا اقتدار ختم کر کے شمالی افریقہ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ عیسائیوں نے اس موقع سے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ یعنی موحّدین کے زوال کے بعد ہسپانیہ میں مسلمانوں کی جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئی تھیں۔ اُن سب پر قبضہ کر لیا۔ اب جنوبی ہسپانیہ کے ایک چھوٹے سے علاقے یعنی غرناطہ کے صوبے کے سوا سارے مُلک پر عیسائیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ غرناطہ میں مسلمان کوئی ڈھائی سو برس تک قدم جمائے عیسائیوں کا مقابلہ کرتے رہے +

۷ غرناطہ کی حکومت ۔ غرناطہ کی اسلامی حکومت کا بانی بنو نصر کا سردار محمد بن یوسف (۱۲۵۳ء تا ۱۲۷۳ء) تھا۔ جو ابن الاحمر کے لقب سے مشہور ہے۔ موحّدین کے زوال کے زمانے میں جب مختلف صوبوں کے حاکم خود مختار ہو گئے۔ تو ابن الاحمر نے غرناطہ کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ پھر اُس میں آس پاس کا علاقہ شامل کر کے اچھی خاصی حکومت قائم کر لی۔ غرناطہ کی ریاست کا طول کوئی ۲۱۰ میل تھا، اور عرض ۵۰ میل۔ لیکن مسلمانوں کی ساری بچی کھچی دولت اور قوت سمٹ کر اس چھوٹے سے علاقے میں جمع ہو گئی تھی۔ ابن الاحمر بڑا لائق اور ہوش مند شخص تھا۔ اس نے مراکش کے سلاطین سے تعلقات قائم کیے۔ اور ان کی مدد سے کسٹائل اور پرتگال کے بادشاہوں کو کئی معرکوں میں نیچا دکھایا +

← اشبیلیہ میں جیرالڈا کا مینار۔ یہ مینار دراصل ایک رصدگاہ تھی۔ جو موحّدین کے عہدِ حکومت میں تعمیر کی گئی تھی

Marfat.com

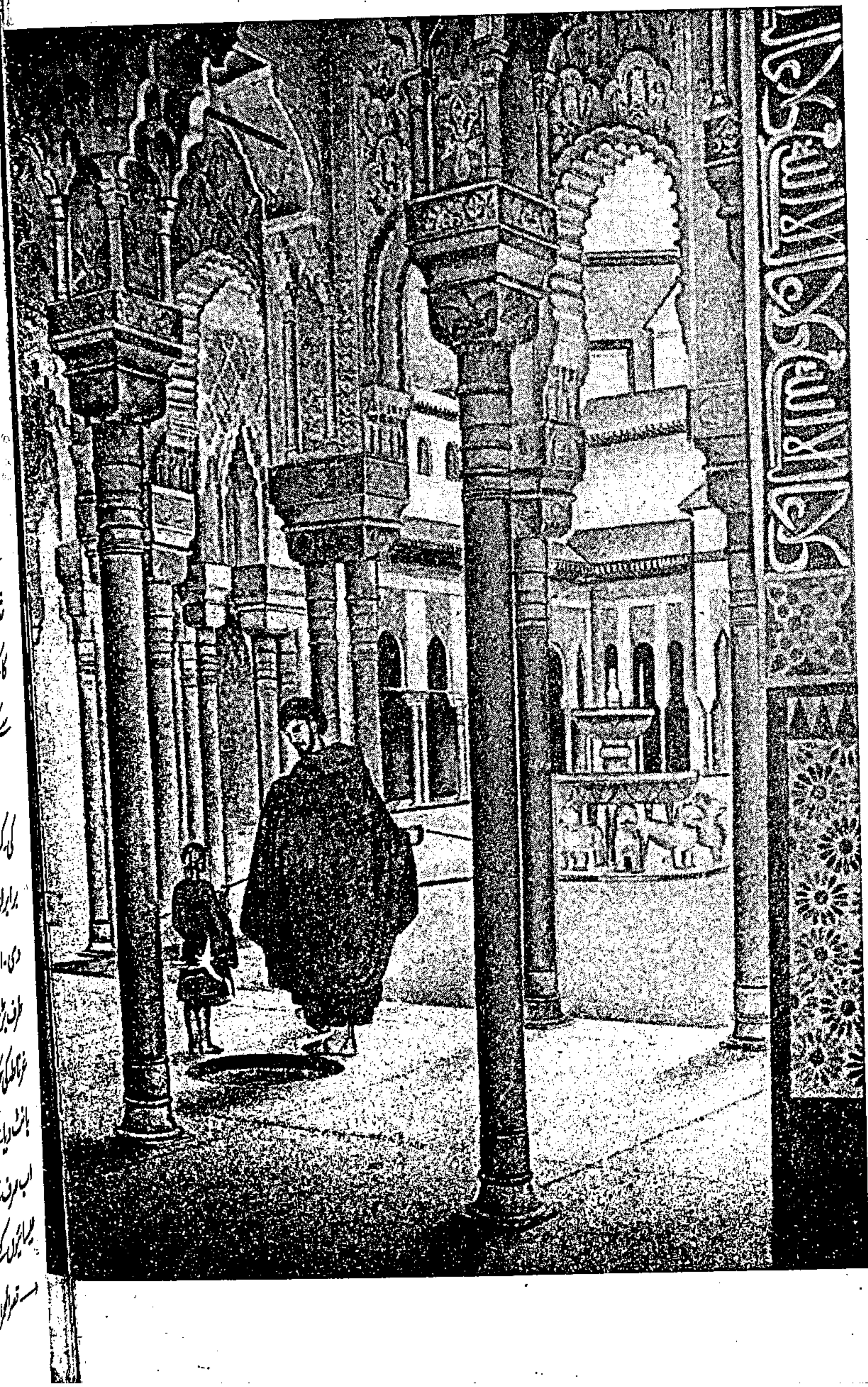

Marfat.com

ابن الاحمر کے عہد حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ الحمرا کی تعمیر ہے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ یہ محل اپنی عظمت وشوکت حسنِ تعمیر اور انسانی کاری گری اور ہنرمندی کے حیرت انگیز نمونوں کے لحاظ سے دنیا بھر کی عمارتوں میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ الحمرا ایک ٹیلے پر واقع ہے۔ جس کے اردگرد گھاٹیاں اور چٹانیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور اس کے پیچھے سیرانوادا کے کوہستانی سلسلے کی برفانی چوٹیاں ہیں۔ ٹیلے کے نیچے کھڑے ہو کر دیکھو۔ تو صرف الحمرا کے سرخ برجوں کی چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ اس کے نچلے حصے کو ایک سبزہ زار نے چھپا رکھا ہے۔ محل کے گرداگرد سنگین دیوار ہے۔ جس پر سنگ مرمر کے چونے کی استرکاری کی گئی ہے۔ الحمرا ابن الاحمر کی حکومت کے زمانے ہی میں بن چکا تھا۔ لیکن اُس کے جانشین بھی اس کی تزئین و آرائش میں حصہ لیتے رہے۔ اگرچہ اُسے بنے ہوئے تقریباً سات سو برس ہو چکے ہیں۔ اور اُس کی بہار بہت کچھ لُٹ چکی ہے۔ پھر بھی انسان اس کی چہار دیواری کے اندر قدم رکھتے ہی ششدر رہ جاتا ہے۔ اس محل میں جگہ جگہ وسیع ایوان، شہ نشینیں، غلام گردشیں، باغیچے، کنج اور کوشک موجود ہیں۔ جن کی آرائش میں غرناطہ کے کاری گروں نے اپنی ہنرمندی کا کمال دکھایا ہے۔ جابجا گچ کی جالیاں، رنگارنگ نقش ونگار، حوض اور فوارے ہیں۔ اس محل کی وسعت کا اندازہ اس سے کرلو۔ کہ کسی زمانے میں یہاں چالیس ہزار آدمی بآسانی رہ سکتے تھے +

ابن الاحمر کی وفات کے بعد اس کے خاندان کے کوئی بیس حکمرانوں نے غرناطہ میں بیٹھ کے جنوبی ہسپانیہ پر حکومت کی۔ کسٹائل کے حکمرانوں نے تو تہیہ کر رکھا تھا۔ کہ وہ مسلمانوں کی حکومت کی اس یادگار کو مٹا کے دم لیں گے۔ چنانچہ اُن سے برابر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ۱۴۶۹ء میں اراگون کے سردار نے اپنی بیٹی ازبلا کسٹائل کے شہزادہ فرڈی نند کو بیاہ دی۔ اور اس طرح یہ دونوں ریاستیں ایک ہوگئیں۔ کچھ دنوں کے بعد اراگون اور کسٹائل کی متحدہ فوجیں غرناطہ کی طرف بڑھیں۔ راستے میں اُنہیں جو بستیاں ملیں۔ اُنہیں لُوٹ کھسوٹ کے بالکل تباہ کر ڈالا۔ بدقسمتی سے انہیں دنوں غرناطہ کی حکومت کے دو دعویداروں کے درمیان جھگڑے شروع ہوگئے۔ اور ان جھگڑوں نے مسلمانوں کو دو گروہوں میں بانٹ دیا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کی اِس خانہ جنگی سے فائدہ اُٹھا کے ان کے سارے شہر ایک ایک کر کے چھین لیئے۔ اب صرف غرناطہ کا شہر باقی رہ گیا تھا۔ اُسے بھی گھیر لیا گیا۔ اگرچہ مسلمانوں نے بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ اور برسوں عیسائیوں کے حملوں کا جواب دیتے رہے۔ لیکن جب غرناطہ کے آس پاس کا سارا علاقہ دشمن کے قبضے میں آگیا۔ رسد اور

← قصر الحمرا میں "شیروں کا ایوان"

Marfat.com

ملک کے سارے راستے بند ہو گئے۔ اور لوگ بھوکوں مرنے لگے تو ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ چنانچہ ۲ر جنوری ۱۴۹۲ء کو غرناطہ کے آخری مسلمان تاجدار ابوعبداللہ نے غرناطہ کی چابیاں کسٹائل کے بادشاہ فرڈی نند کے حوالے کر دیں۔ اور اس سرزمین سے مسلمانوں کی حکومت ہمیشہ کے لئے اُٹھ گئی۔

عیسائیوں نے مسلمانوں سے آٹھ سو برس کی محکومی کا بدلہ اس طرح لیا۔ کہ اُن کے گھر بار لوٹ لئے۔ بہت سے مُسلمان عیسائی بنا لئے گئے۔ بہت سے قتل کر ڈالے گئے۔ جو مُسلمان اپنا مذہب ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اُنہیں طرح طرح کی مُصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مسجدوں کو گرجا بنا لیا گیا۔ عربی زبان کی جتنی کتابیں ملیں اُنہیں جلا دیا گیا۔ ۱۵۰۱ء میں کسٹائل اور لیون کے مسلمانوں کو جلاوطن کیا گیا۔ ۱۵۲۶ء میں اراگون کے مسلمانوں کی جلاوطنی کا حُکم صادر ہوا۔ ۱۵۵۶ء میں فلپ دوم شاہ ہسپانیہ کے حُکم سے عربی میں بات چیت کرنا، عربوں کے سے نام رکھنا اور عربی لباس پہننا بھی ممنوع قرار پایا۔ ۱۶۰۹ء میں فلپ سوم کے حکم سے کوئی پانچ لاکھ مسلمانوں کو دیس نکالا ملا۔ اس طرح سوا سو سال کی مدت میں کوئی تیس لاکھ مسلمان جلاوطن کیے گئے۔ اور اندلس کی سرزمین اس شجاع، مہذّب اور روشن خیال قوم سے خالی ہو گئی۔ جس کے دم قدم سے تہذیب و شائستگی۔ فضل و کمال اور علم و حکمت کی محفلیں گرم تھیں۔

Marfat.com

ہسپانوی مسلمانوں کی تہذیب معاشرت اور علم و فن

طرزِ حکومت۔ ہسپانیہ کا طرزِ حکومت اُس زمانے کی دوسری اسلامی حکومتوں سے چنداں مختلف نہیں تھا۔ حکومت موروثی تھی۔ اور سلطنت کے مختلف صیغے وزیروں کے سپرد تھے۔ سب سے بڑا عہدہ دار حاجب تھا۔ وزیر اس کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ وزیروں کے علاوہ کئی سیکرٹری بھی ہوتے تھے۔ جنہیں کاتب کہتے تھے۔ صوبوں کے انتظام کے لئے والی مقرر تھے۔ جگہ جگہ قاضی اور پولیس کے افسر موجود تھے۔ فوج کے انتظام کے لحاظ سے اندلس کے مسلمان حکمرانوں اور عبّاسیوں میں زیادہ فرق نظر نہیں آتا۔ اُسی طرح لشکر آراستہ ہوتے تھے۔ لڑائی کا ڈھنگ بھی وہی تھا۔ اندلس کا جنگی بیڑا بھی عبّاسیوں کے جنگی بیڑے سے مختلف نہیں تھا۔

صنعت و حرفت اور زراعت۔ عرب اپنے ساتھ چاول، گنّا، کپاس، زعفران، خوبانی، انار، ناشپاتی، کھجور، نارنگی اور کئی قسم کے پھل پھول ترکاریاں لائے تھے۔ جن سے ہسپانیہ کے لوگ ناآشنا تھے۔ پھر انہوں نے آبپاشی کا ایسا انتظام کیا۔ کہ سارے مُلک میں نہروں کا جال بچھ گیا۔ اور اس طرح زراعت نے بڑی ترقی کی۔ آج بھی ہسپانیہ میں جو غلّے اور پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر عربوں کی یادگار ہیں۔

مسلمانوں کی کوششوں سے اعلےٰ نسل کی بھیڑ بکریوں اور گائے بیلوں نے بڑی ترقی کی۔ کان کنی نے بڑا فروغ پایا۔ جگہ جگہ اعلےٰ درجے کا ریشمی، اونی، اور سوتی کپڑا بُنا جانے لگا۔ صرف قرطبہ کے شہر میں تیرہ ہزار پارچہ باف موجود تھے۔ جو طرح طرح کے کپڑے بُنتے تھے۔ یورپ کے لوگوں نے بارود اور کاغذ بنانا، ریشم کے کیڑے پالنا اور گنّے سے شکر تیار کرنا بھی عربوں سے سیکھا ہے۔ انہیں چمڑے کو رنگنے، اُسے نقش و نگار سے سجانے، سنگ مرمر پر بیل بوٹے بنانے، شیشے اور بلّور سے طرح طرح کی چیزیں تیار کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔ اِس کے علاوہ وہ لوہے کو ڈھالنا، فولاد کو آب دینا، اُس پر گل کاری کرنا اور مختلف دھاتوں سے طرح طرح کی چیزیں بنانا بھی خوب جانتے تھے۔ ان باہمّت لوگوں نے مُلک کی معدنی پیداوار سے بھی بڑا فائدہ اُٹھایا چنانچہ ملک کے مختلف حصّوں سے لعل، نیلم، سنگ مقناطیس، سونا، چاندی، لوہا، تانبا، بلّور، پارہ، ابرق اور گندھک وغیرہ نکالے جانے لگے۔ اندلس والوں کے پاس تجارتی جہاز کثرت سے تھے۔ اس لئے اِس مُلک کی پیداوار اور مصنوعات جہازوں پر لد کر دُنیا کے مختلف حصّوں میں جا پہنچتی تھیں۔

Marfat.com

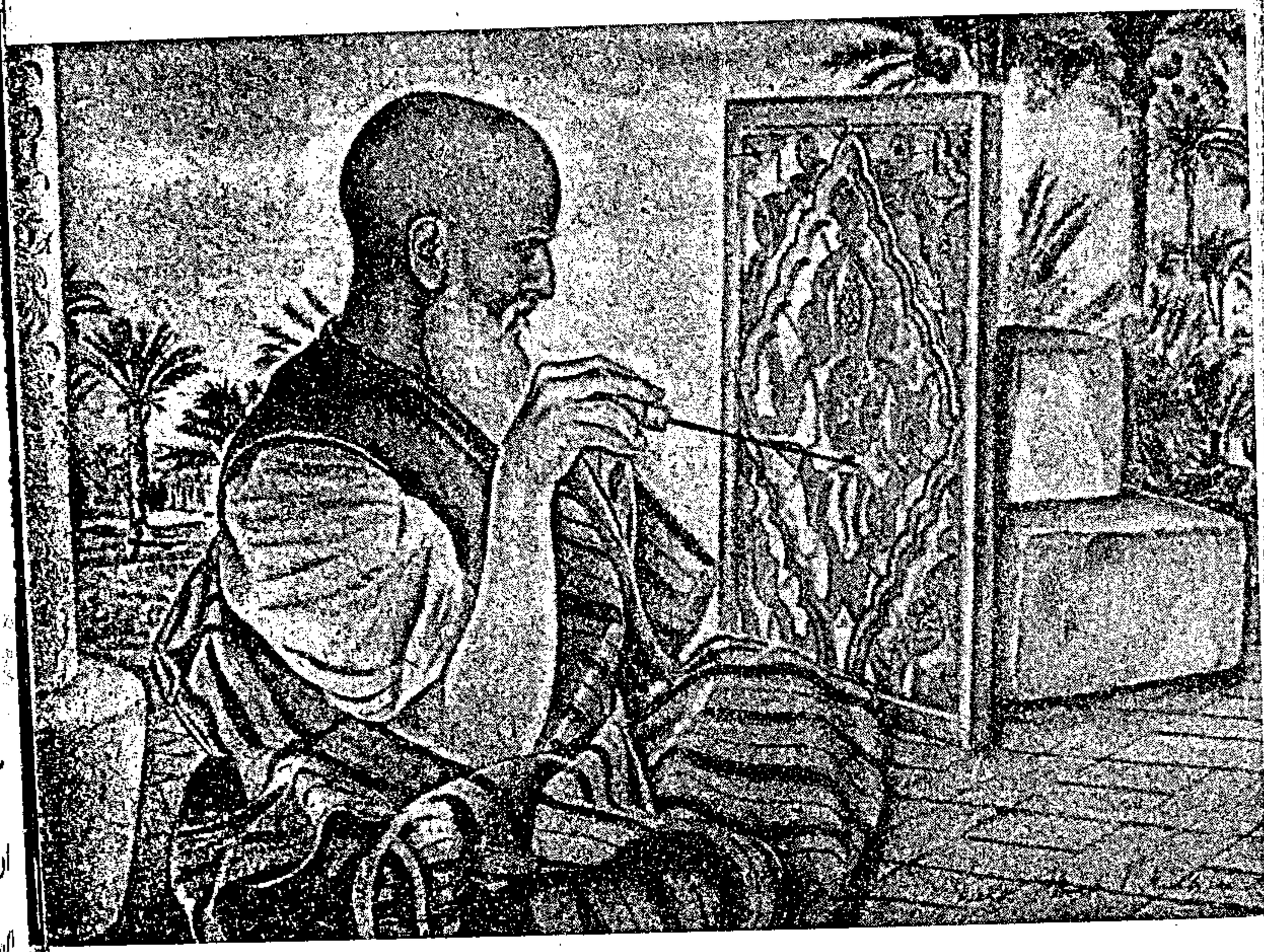

اندلس کے مسلمان کاری گروں نے استرکاری میں نئے راستے نکالے تھے۔ اور طرح طرح کے نقش و نگار بنانے میں بڑا کمال پیدا کرلیا تھا

معاشرت۔ ہسپانیہ کے مسلمان تہذیب اور شائستگی میں یورپ کی دوسری قوموں سے آگے نظر آتے تھے۔ اُن کے بسائے ہوئے شہر بڑے خوبصورت ہوتے تھے۔ صاف سُتھرے مکان، کُشادہ سڑکیں، گلی کُوچوں میں پتّھر کا فرش، گرداگرد باغ اور سبزہ زار۔ اِن شہروں میں نہروں اور نلوں کے ذریعے دُور دُور سے صاف اور شفاف پانی پہنچایا جاتا تھا۔ قرطبہ میں سیسے کے ایک نل کے ذریعے پانی پہنچانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ ہر گھر میں ایک دو حوض ضرور ہوتے تھے۔ روشنی کا بڑا معقول انتظام تھا چنانچہ رات کے وقت شہروں کے گلی کوچے بقعۂ نُور نظر آتے تھے۔

ہسپانیہ میں تعلیم عام تھی۔ ایسے لوگ بہت کم تھے۔ جو لکھنا پڑھنا نہ جانتے ہوں۔ پھر لوگوں کی خوش مذاقی کا یہ حال تھا۔ کہ غریب لوگ بھی اپنی بساط کے مطابق اپنے گھروں کو خوب سجاتے تھے۔ خوش حال لوگوں کے مکان خوب صورت قالینوں، بلّور کے گُل دانوں، خوش نما پردوں، میزوں اور کُرسیوں سے آراستہ نظر آتے تھے۔ اِن لوگوں میں مذہبی تعصّب نام کو نہیں تھا۔ وہ عیسائیوں سے بہت اچّھا سلوک کرتے تھے۔ اور اُن سے بڑی آزادی کے

Marfat.com

ساتھ ملتے جلتے تھے۔ عورتوں کو خاصی آزادی حاصل تھی۔ چنانچہ اکثر عورتوں نے اعلےٰ درجے کی تعلیم پائی۔ اور شاعری، تاریخ، فلسفہ وغیرہ میں بڑا نام پیدا کیا۔

شروع شروع میں ہسپانیہ کے مسلمانوں کا لباس بھی دوسرے عربوں جیسا تھا۔ پھر لباس میں کتر بیونت ہونے لگی۔ عماموں کا رواج کم ہوگیا۔ ان کی جگہ ٹوپیاں اوڑھی جانے لگیں۔ چنانچہ بعض قاضی اور دینیات کے بڑے بڑے عالم ٹوپیاں اوڑھنے لگے۔ اور آخر آخر میں تو ننگے سر رہنے کا رواج عام ہوگیا تھا۔ اکثر لوگ چھری کانٹے سے کھانا کھاتے تھے۔ اندلس کی عورتیں بڑا قیمتی سوتی اور ریشمی لباس پہنتی تھیں۔ اُن کے سر پر رومال ہوتا تھا، اور کمر میں پٹکا۔ سونے اور جواہرات کا قیمتی زیور پہننے اور طرح طرح کے عطر استعمال کرنے کا رواج بھی عام تھا۔

فنِ تعمیر اور موسیقی۔ ہسپانیہ کے مسلمانوں نے بڑی شان دار عمارتیں بنائیں۔ ان میں سے اکثر عمارتیں مثلاً قصر الزّہرا یا ابن ابی عامر کا محل مدینۃ الزاہرہ تباہ ہوگئیں۔ لیکن قرطبہ کی جامع مسجد جسے عیسائیوں نے گرجا بنا لیا۔ اور جو عربوں کے حُسن مذاق اور ہُنرمندی کی ایک حیرت انگیز یادگار ہے۔ ابھی تک موجود ہے۔ غرناطہ میں قصر الحمراء

ابنِ فرناس جس نے ایک قسم کا آلۂ پرواز ایجاد کیا تھا

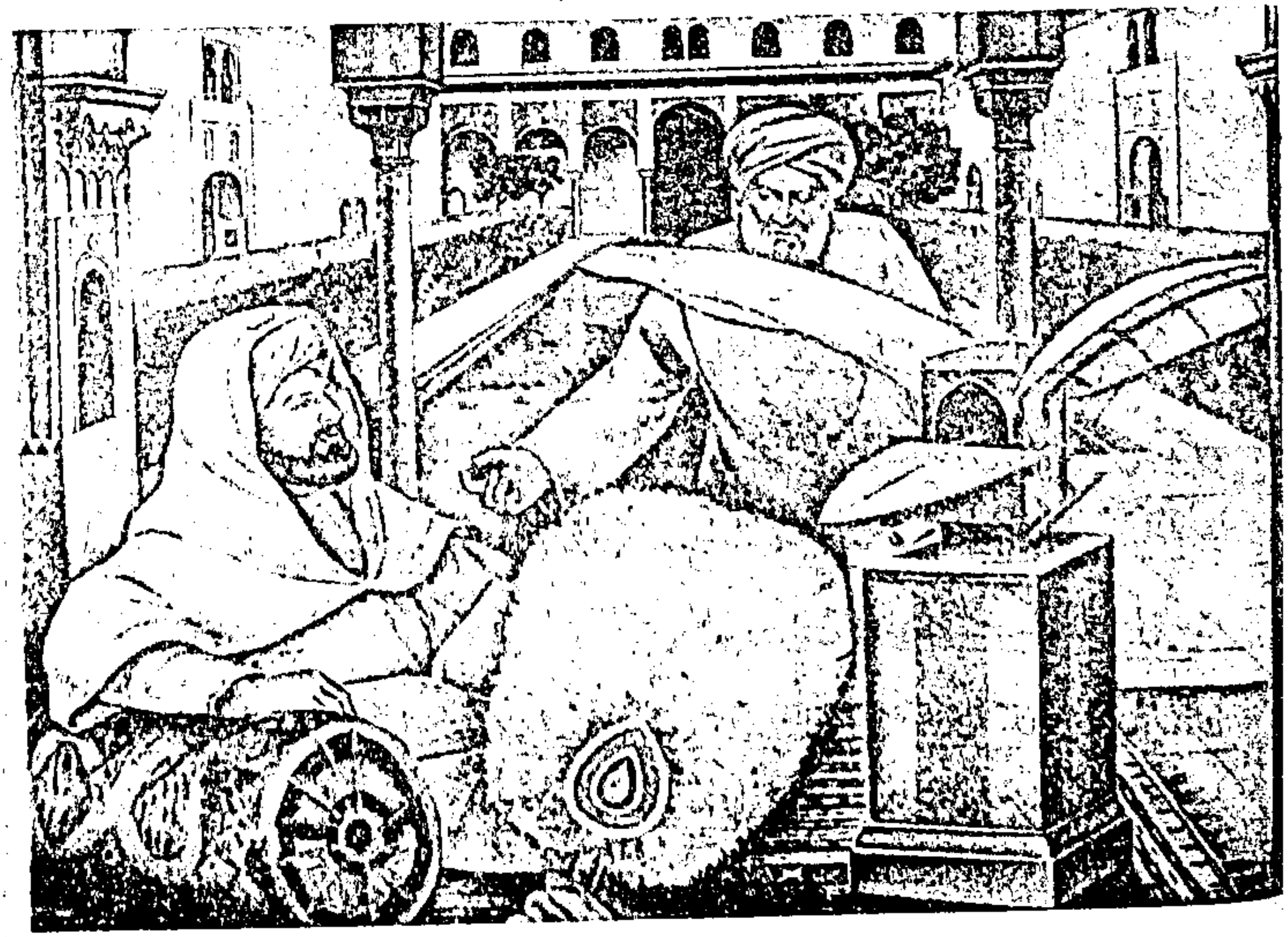

Marfat.com

ہے۔ جو اگرچہ بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ پھر بھی اس کی تزئین و آرائش میں پچّی کاری اور نقّاشی کے جو کمالات دکھائے ہیں۔ اُن کا جواب دُنیا میں کہیں نہیں ملتا۔ عرب مصوّری اور سنگ تراشی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ سلاطین اور امرآء کے محلوں کو تصویروں سے آراستہ کیا جاتا تھا۔ الحمرا کے کھنڈروں میں ان کی سنگ تراشی کے بعض نمونے بھی موجود ہیں ٭

اندلس میں موسیقی نے بھی بڑی ترقی کی۔ زریاب نے جو اس فن میں بڑا کمال رکھتا تھا۔ بہت سی خالص مشرقی دھنیں سارے ہسپانیہ میں پھیلا دیں۔ اس کے بعد اندلس میں کئی اور نامور گویّے پیدا ہوئے۔ جن میں ابوالقاسم عباس ابنِ فرناس سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ زریاب کی طرح ابنِ فرناس بھی بڑا گویّا ہی نہیں تھا۔ بلکہ طبیعیات سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس نے پرندوں کے سے مصنوعی بازو بنا کے اور اُنہیں پَر لگا کے اُڑنے کی بھی کوشش کی تھی۔ عربوں کی موسیقی نے یورپ کی موسیقی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ یورپ کی موسیقی کی اکثر دُھنیں ہیں کہ آج بھی عربی موسیقی میں سموئی ہوئی معلوم ہوتی ہیں ٭)

علم و ادب ۔ مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں ہسپانیہ علم و فن کا بہت بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ یہاں بہت سی یونی ورسٹیاں تھیں۔ جن میں اسلامی مُلکوں کے باشندوں کے علاوہ یورپ کے مختلف حصّوں کے لوگ بھی تعلیم حاصل کرنے آتے تھے۔ اندلسی مسلمانوں کو علم سے عشق تھا۔ اور علم کو ترقی دینے، اور تعلیم پھیلانے میں وُہ دُنیا کی دوسری قوموں سے آگے نظر آتے تھے۔ اُنہوں نے پُرانے علوم و فنون کو زندہ ہی نہیں رکھا۔ بلکہ ترقی دے کر کہیں سے کہیں پہنچا دیا ٭

ہسپانیہ کے مسلمان عالموں میں ابن باجہ کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ وہ فلسفہ، طِب اور طبیعیات کے علاوہ کئی دوسرے علوم پر بھی عبور رکھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے مختلف علوم کے متعلّق بکثرت کتابیں لکھی ہیں۔ ابن رشد جس نے موحّدین کا زمانہ پایا تھا۔ مُسلمان فلسفیوں میں بڑا اُونچا درجہ رکھتا ہے۔ اُس سے زیادہ کسی مُسلمان فلسفی نے یورپ کو متاثّر نہیں کیا۔ اُس نے فلسفہ پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ لیکن وہ زیادہ تر ارسطو کے فلسفے کے شارح کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہے۔ اُس نے ارسطو کی کتابوں کی جو شرحیں لکھی ہیں۔ اُن میں بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جن کی طرف ارسطو کا خیال بھی نہیں گیا تھا۔ موحّدین کے زمانے کا ایک اور نامور عالِم ابن زہر ہے۔ جس نے طِب

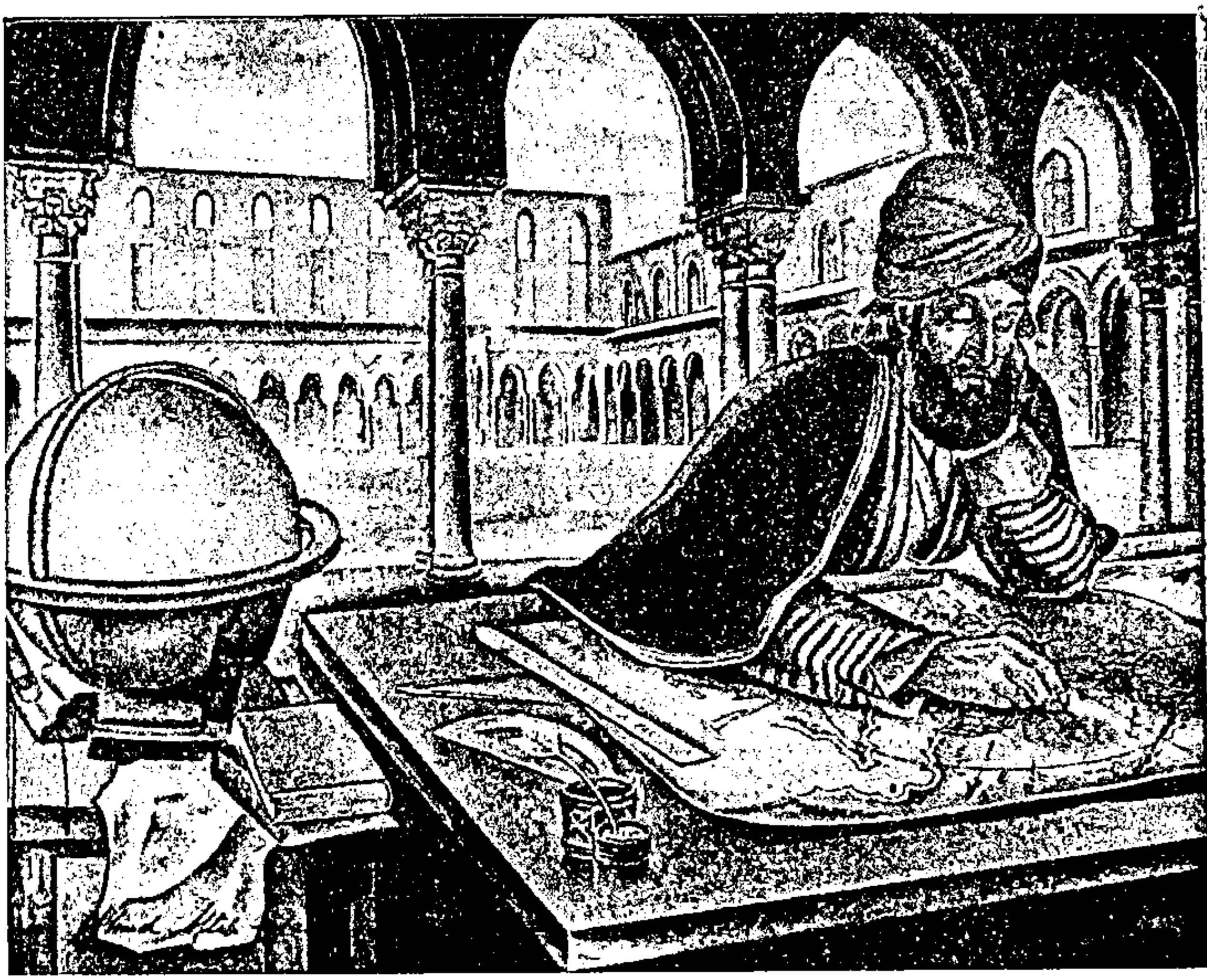

مشہور مسلمان جغرافیہ دان ادریسی اپنے کام میں منہمک ہے

کے متعلق کئی کتابیں لکھیں۔ اور علاج کے نئے طریقے دریافت کئے۔ زہراوی حکم ثانی کے عہد حکومت کا مشہور طبیب ہے۔ اس نے جرّاحی میں کمال پیدا کیا۔ چنانچہ عربوں میں وہ سب سے بڑا جرّاح سمجھا جاتا ہے۔ ابن بیطار دَوا سازی کے فن میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے بہت سی نئی جڑی بوٹیوں کا سراغ لگایا۔ اور اُن کے خواص معلوم کئے +

فلسفہ اور طب کے علاوہ اندلسی مسلمانوں نے ریاضی، ہیئت اور جغرافیہ میں بڑا نام پیدا کیا۔ چنانچہ جغرافیہ کے ماہروں میں ادریسی، البکری اور ابن جُبیر بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ مؤرخوں میں ابن خلدون کا مرتبہ بہت اُونچا ہے۔ اُس نے سب سے پہلے تاریخی ارتقا کا نظریہ پیش کیا۔ اور عمرانیات کی داغ بیل ڈالی۔ فقہ، دینیات اور شعر و ادب میں اندلسی مسلمانوں نے بڑی شہرت پائی۔ امام ابن حزم ظاہری غالباً ہسپانیہ کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ اُنہوں نے علمِ دین، حدیث، فقہ، منطق اور شاعری پر کوئی چار سو کتابیں لکھی ہیں۔ محی الدین ابن عربی بھی ہسپانیہ کے مشاہیر میں سے

Marfat.com

ہیں۔ وہ بڑے بلند پایہ صوفی اور تصوّف کے بہت بڑے مبلّغ تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے فصوص الحکم اور فتوحات مکّیہ سب سے زیادہ شہرت رکھتی ہیں ٭

ہسپانیہ کے شعراء میں ابن زیدون نے سب سے زیادہ شہرت پائی ہے۔ اکثر بادشاہ بھی شعر کہتے تھے۔ اشبیلیہ کے فرماں روا معتمد ابن عباد کا شمار اندلس کے سب سے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ ابن زیدون اسی کے دربار کا شاعر تھا ٭

یورپ پر عربوں کا اثر۔ اندلسی مسلمانوں کی تہذیب اور ان کے علوم و فنون نے یورپ پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے۔ عربوں کے اثر سے ہسپانیہ کے عیسائیوں کی زبان اور معاشرت بالکل بدل گئی تھی۔ وہ بڑی بے تکلّفی سے عربی میں گفتگو کرتے تھے۔ اکثر گھرانوں میں عربی بولی جاتی تھی۔ بلکہ رہنے سہنے کے طریقوں میں عربوں کی پیروی کی جاتی تھی۔ عیسائیوں میں ایسے لوگ بھی کثرت سے تھے۔ جو عربی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اور مسلمانوں کی حکومت مٹ جانے کے بعد بھی یہ کیفیت رہی۔ کہ اکثر ہسپانوی عیسائی لاطینی زبان عربی رسم الخط میں لکھتے تھے۔ اراگون کے ایک بادشاہ کا تو یہ حال تھا۔ کہ اپنے دستخط بھی عربی حروف میں کرتا تھا۔ عربی زبان نے ہسپانیہ، پرتگال، سسلی اور جنوبی یورپ کے بعض دوسرے حصّوں پر اتنا گہرا اثر ڈالا تھا۔ کہ سکّوں پر بھی عربی کے حروف ہوتے تھے۔ عربوں کا اثر صرف اندلس یا اُس کے آس پاس کے علاقوں ہی تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اس سرزمین سے نکل کے سارے یورپ میں پھیل گیا چنانچہ یورپ کے علم و حکمت کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس پر عربوں کا اثر نمایاں نظر نہ آتا ہو۔ مسلمان اہل علم ریاضی، طب، ہیئت اور فلسفہ کے جو اصول اور قاعدے باندھ گئے تھے۔ اُن سے یورپ کے لوگوں نے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ اور مدّتوں اُن کی تصنیفوں کو سینے سے لگائے پھرتے رہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یورپ کی مختلف زبانوں میں عربی کے الفاظ آج بھی بکثرت موجود ہیں ٭)

سسلی۔ سسلی کا جزیرہ جسے عرب صقلیہ کہتے ہیں۔ شمالی افریقہ کی اغلبی حکومت کے تیسرے فرماں روا زیادۃ اللہ کے عہد میں فتح ہوا۔ سسلی کی فتح کا سہرا قیروان کے قاضی اسد بن فرات کے سر ہے۔ قاضی صاحب نے جن کی عمر اس زمانے میں ستّر برس کی تھی۔ ۸۳۱ء میں سسلی کے ایک حصّے کو فتح کر کے وہاں اسلامی حکومت قائم کی۔ کچھ عرصے کے بعد سسلی کے باقی حصّے بھی مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ سسلی پر پوری طرح قبضہ ہو جانے کے بعد اٹلی کا ایک حصّہ فتح ہوا۔ اور مسلمان درّانہ بڑھتے ہوئے روما کی دیواروں تک جا پہنچے۔ اس کے ساتھ ساتھ مالٹا کا جزیرہ

Marfat.com

بھی قبضہ میں آیا۔ لیکن اٹلی کے جو حصے مسلمانوں نے فتح کیے تھے۔ وہ آگے چل کر اُن کے ہاتھ سے نکل گئے۔ البتہ سسلی پر مدت تک اُن کا قبضہ رہا +

کچھ مدت کے بعد فاطمیوں نے شمالی افریقہ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اور اغلبیوں کے دوسرے مقبوضات کی طرح سسلی بھی ان کے قبضے میں آیا۔ انہوں نے علی ابن ابی الحسین کلبی کو سسلی کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ اس نے سسلی میں ایک طرح کی نیم خود مختار حکومت قائم کر لی۔ کلبی امیروں کے عہدِ حکومت میں اس سرزمین کو بڑی خوش حالی نصیب ہوئی۔ صنعت و حرفت اور تجارت نے بڑی ترقی کی۔ علم و فن نے بھی فروغ پایا۔ پلرمو اس حکومت کا صدر مقام تھا۔ جو اُس زمانے کے بڑے بارونق شہروں میں سے تھا +

کلبی خاندان کی حکومت کو خانہ جنگیوں نے بڑا نقصان پہنچایا۔ چنانچہ ۱۰۹۱ء میں نارمن قوم نے سسلی پر قبضہ کر لیا۔ لیکن مسلمانوں سے ان کا سلوک بہت اچھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ ان کے علوم و فنون کی سرپرستی کی۔ بلکہ عربوں کی تہذیب سے وہ اتنے متاثر ہوئے۔ کہ انہیں کا طرزِ معاشرت اختیار کر لیا۔ سسلی کے نارمن فرماں رواؤں میں راجر دوم اپنی علم دوستی کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتا ہے۔ اس کے دربار میں کئی مسلمان اہل علم موجود تھے۔ ان میں مشہور جغرافیہ دان شریف ادریسی بھی تھا۔ اُس نے راجر کے حکم سے کرہ ارض کا ایک نقشہ تیار کیا۔ جو چاندی سے بنایا گیا تھا +

جرمنی کا شہنشاہ فریڈرک دوم اسی راجر دوم کا پوتا تھا۔ سسلی اور جرمنی کی حکومت کے علاوہ یروشلم کی بادشاہت بھی اس کے قبضے میں تھی۔ فریڈرک نے صلیبی لڑائیوں میں بھی حصہ لیا تھا۔ اس لئے اُس پر سسلی کے عربوں کے علاوہ شام اور مصر کے مسلمانوں کا بھی بڑا اثر پڑا تھا۔ طرزِ معاشرت بلکہ ملکی نظم و نسق میں بھی وہ مسلمانوں کی پیروی کرتا تھا۔ فریڈرک بڑا علم دوست حکمران تھا۔ اس کے زمانے میں عربی کی بہت سی کتابوں نے یونانی اور لاطینی کا لباس پہنا۔ اس طرح عربوں کا فلسفہ، اُن کے فنونِ لطیفہ سارے یورپ میں پھیل گئے۔ عربوں کے اثر سے اٹلی میں ادب و شعر اور موسیقی نے بڑی ترقی کی۔ اور اٹلی کے عروج کا وُہ دَور شروع ہوا۔ جو "نشاۃ ثانیہ" کہلاتا ہے۔ اور جس نے سارے یورپ پر بڑا اثر ڈالا ہے +

Marfat.com

سلطنتِ عُثمانیہ

بغداد کی تباہی کے بعد۔ تم پڑھ چکے ہو۔ کہ بغداد کی تباہی کے بعد مسلمانوں کی حالت بڑی مخدوش ہوگئی تھی۔ عراق، شام، ایران، ماوراء النہر وغیرہ مغلوں کے قبضے میں آچکے تھے۔ اور بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ مسلمانوں کی جو حکومتیں باقی رہ گئی ہیں اُنہیں بھی مُغلوں کی فتوحات کا سیلاب خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گا۔ اگرچہ مصر میں مملوکوں اور شمالی ہند میں دہلی کے تُرک فرماں رواؤں نے مُغلوں کو روک لیا تھا۔ اناطولیہ میں ابھی تک سلجوقیوں کی حکومت موجود تھی۔ بعض دوسرے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم تھیں۔ لیکن مسلمانوں کی اگلی سی شوکت و عظمت باقی نہیں رہی تھی۔ بعض بڑے بڑے علاقے اُن کے قبضے سے نکل چلے تھے اور یورپ سے تو اُن کا اقتدار قریب قریب بالکل اُٹھ چکا تھا۔ صرف غرناطہ میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی حکومت باقی رہ گئی تھی۔ جو ابھی تک قدم جمائے عیسائیوں کے پے در پے حملوں کا مقابلہ کر رہی تھی +

یکایک ہوا کا رُخ بدلا۔ مِصر کی مملوک حکومت نے جس کی عنان سلطان بیبرس بند قداری کے ہاتھوں میں تھی مُغلوں کو شکست دے کر شام کے علاوہ عراق کا ایک حصّہ بھی اُن سے خالی کرا لیا۔ وہ کئی بار بڑے لاؤ لشکر سے اُس کے مقابلے پر آئے۔ لیکن ہر بار شکست کھائی۔ اب مصر میں پھر عبّاسی خلافت قائم ہوئی۔ اگرچہ یہ خلافت برائے نام تھی۔ پھر بھی اس کی وجہ سے مملوکوں نے بڑا وقار حاصل کر لیا۔ اور ساری اسلامی دُنیا کی نظریں اُن کی طرف اُٹھنے لگیں۔ ان جواں مَردوں نے مغلوں کے علاوہ صلیبی جنگ آزماؤں کا زور بھی توڑا۔ ۱۲۶۸ء میں انطاکیہ اور ۱۲۸۹ء میں شام کا ایک شہر طرابلس اُن سے چھین لیا۔ اور ۱۲۹۱ء میں عکا پر فتح کا نشان لہرایا۔ اَب صِرف آرمینیا عیسائیوں کے قبضے میں رہ گیا تھا۔ ۱۳۷۵ء میں اُس پر بھی مملوکوں نے اپنا تسلّط قائم کر لیا۔ اس زمانے میں دہلی کی سلطنت کو بھی بڑا عروج حاصل ہوا۔ یعنی مسلمانوں نے بندھیاچل کے پہاڑوں سے اُتر کے دکن کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔

اشاعت اسلام۔ جن دنوں اِدھر سلاطین دہلی اور اُدھر مملوک بڑے زوروں پر تھے۔ مشرق بعید میں اسلام قدم جما رہا تھا۔ چین میں تو پہلے ہی تھوڑے بہت مسلمان موجود تھے۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں ملایا اور جزائر

Marfat.com

شرق الہند میں اس تیزی کے ساتھ اسلام پھیلا۔ کہ کچھ عرصہ کے اندر ان ملکوں میں ہر طرف مسلمان ہی مسلمان نظر آنے لگے۔ مشرق بعید میں اسلام پھیلانے کا سہرا مسلمان تاجروں کے سر ہے۔ جن میں سے بعض عرب اور بعض ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ اِن مسلمان مبلّغوں میں سب سے زیادہ شہرت ایک عرب حاجی ابراہیم کو حاصل ہے۔ وہ تیرھویں صدی کے شروع میں سماٹرا پہنچے۔ اور مستقل طور پر وہیں آباد ہو گئے۔ انہیں یہاں اشاعت اسلام میں بڑی کامیابی ہوئی۔ اسلام کی سیدھی سادی تعلیم دِلوں میں گھر کر گئی۔ اور بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں نے ملاکا میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اور مبلّغین اسلام سارے جزائر شرق الہند میں پھیل گئے۔ اگرچہ ملاکا کی یہ چھوٹی سی اسلامی حکومت دشمنوں میں گھری ہوئی تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ اُس نے بڑی طاقت حاصل کر لی۔ اُن دنوں جاوا میں ہندوؤں کی ایک بڑی طاقت ور سلطنت قائم تھی۔ جس نے آس پاس کے دوسرے جزیروں کے علاوہ جزیرہ نمائے ملایا کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کر رکھا تھا۔ ملاکا کی اسلامی حکومت نے اُسے پے در پے شکستیں دے کر قریب قریب اس سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ جو آج کل انڈونیشیا کہلاتا ہے۔ اور جزیرہ نمائے ملایا کے علاوہ مجمع الجزائر شرق الہند پر بھی مسلمانوں کا تسلّط قائم ہو گیا +

ہلاکو کے جانشین جو ایل خانی فرماں روا کہلاتے تھے۔ بڑے طاقتور تھے۔ اور اُن کی حکومت ہندوستان کی سرحد سے دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُن پر بھی وہی ماجرا گزرا جو انڈونیشیا کے لوگوں پر گزر چکا تھا۔ یعنی اسلام کی سادگی نے اُن کے دِلوں پر قبضہ کر لیا۔ پہلے اس خاندان کا ایک شخص نکودار مسلمان ہوا۔ اور اس نے اپنا نام احمد خاں رکھا۔ مغل امیر اس پر بہت بگڑے اور اسے قتل کر کے اُس کی جگہ ارغون خان کو تخت پر بٹھا دیا۔ لیکن ارغون خان کا بیٹا غازان خان بھی مسلمان ہو گیا۔ اور اُس کے ساتھ بہت سے تُرکوں اور مُغلوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح وسطِ ایشیا کے جو شہر اِسلامی تہذیب کے بڑے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ وہاں پھر پہلے کی طرح علمی چرچے ہونے لگے +

① **تُرکانِ عثمانی** ۔ اگرچہ اِس زمانے میں مسلمانوں نے پھر بڑی قوت و شوکت حاصل کر لی تھی۔ لیکن ابھی کوئی ایسی حکومت قائم نہیں ہو سکی تھی۔ جسے صحیح معنوں میں خلافت عبّاسیہ کا جانشین کہا جا سکتا۔ آخر کار یہ سعادت تُرکانِ عثمانی کے حصّے میں آئی +

مغلوں کے حملوں کے سیلاب میں بہت سے تُرک قبیلے بہہ نکلے تھے۔ اِن خانہ بدوشوں میں سے بعض آرمینیا میں آباد ہو گئے۔ بعض نے عراق اور شام میں ڈیرے ڈال دیئے! اور بعض آگے بڑھ کے اناطولیہ کے علاقے میں جا پہنچے۔

Marfat.com

انہیں میں سے ایک تُرک قبیلہ تھا جو وسط ایشیا سے اُٹھ کے اناطولیہ میں آباد ہو گیا تھا۔ اِس قبیلے کا سردار عثمان کا باپ ارطغرل تھا۔ اُسے اناطولیہ کے سُلطان علاؤ الدین سلجوقی نے عسکی شہر کا علاقہ جاگیر کے طور پر بخش دیا تھا یہاں خُدا نے ارطغرل کے قبیلے کو بڑی برکت دی۔ بھیڑ بکریوں کے گلّے بھی بہت پھلے پھولے۔ اور یہ پردیسی سلجوقی سلطان کی فیاضی کی بدولت بڑے امن اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے ٭

سلجوقی سردار اور شہزادے اقتدار حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ لیکن ارطغرل نے اِن لڑائی جھگڑوں میں کوئی حصّہ نہ لیا۔ اور برابر سلطان کا وفادار رہا۔ ہاں وہ اور اس کا بیٹا عثمان رُومی عیسائیوں سے ضرور لڑتے رہے چنانچہ اِن دونوں باپ بیٹوں نے رُومیوں سے بہت سے قلعے چھین لئے ٭

عُثمان (۱۲۸۸ء تا ۱۳۲۶ء) آرخان (۱۳۲۶ء تا ۱۳۵۹ء) ایشیائے کوچک کے آخری سلجوقی فرماں روا سُلطان علاؤ الدّین ثانی نے ۱۲۹۶ء میں وفات پائی۔ اور سلجوقیوں کی حکومت کئی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بٹ گئی۔ اِس زمانے میں ارطغرل کا جانشین عثمان بھی خود مختار ہو گیا۔ لیکن اس نے مسلمان ریاستوں سے لڑنے بھڑنے کے بجائے روم کی عیسائی سلطنت کی طرف توجہ کی۔ اور کئی قلعے اور شہر فتح کر لئے ٭

عُثمان کے بعد اُس کا بیٹا آرخان ۱۳۲۶ء میں مسندِ حکومت پر بیٹھا۔ اُس نے بھی اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی۔ عثمان کی زندگی کے آخری دِن تھے۔ کہ بروصہ کا شہر جو دس برس سے تُرکوں کے حملوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ آرخان کے ہاتھوں فتح ہو کر عثمانی مملکت میں شامل ہوا۔ اور بُحیرہ مارمورا کے جنوب مشرقی ساحل کا سارا علاقہ تُرکوں کے تسلّط میں آ گیا۔ عُثمان کی وفات کے بعد اور بھی کئی علاقے آرخان کے ہاتھ آئے۔ بعض قلعوں اور شہروں کو تو اس نے تلوار کے زور سے فتح کیا۔ بعض پر صرف اپنی خوش تدبیری سے قبضہ کر لیا۔ اُس نے رُومی فرماں رواؤں سے بھی تعلّقات قائم کئے۔ چنانچہ قسطنطُنیہ کے رُومی حکمران نے اُسے اپنی بیٹی بیاہ دی ٭

آرخان نے ۱۳۵۹ء میں وفات پائی۔ اُس کی موت سے پہلے ایشیائے کوچک میں عثمانی تُرکوں کی حکومت کی بُنیادیں مضبوط ہو چکی تھیں۔ بلکہ تھریس میں بھی اُن کے قدم جم چکے تھے۔ اور گیلی پولی اُن کے قبضے میں آ چکا تھا۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے بلقان کے کئی شہر فتح کر کے وہاں اپنی نو آبادیاں قائم کر لی تھیں ٭

آرخان صرف بگٹٹ دھاوے کرنا اور تلواریں مارنا ہی نہیں جانتا تھا۔ بلکہ علم و فن اور شعر و ادب کا بھی مذاق

رکھتا تھا۔ اس نے جا بجا مدرسے کھولے۔ اہلِ علم کی سرپرستی کی۔ سڑکیں اور پُل تعمیر کرائے۔ تجارت کو ترقی دی۔ اس کے عہدِ حکومت کا ایک واقعہ یہ ہے۔ کہ لڑائیوں میں جو عیسائی نوجوان قید ہوئے تھے۔ اُن کی ایک فوج بھرتی کی گئی جو ینی چری یعنی نئی فوج کہلائی۔ اس میں پہلے صرف ایک ہزار نوجوان بھرتی کئے گئے تھے۔ لیکن اس کے بعد تین سو سال تک برابر یہ قاعدہ رہا۔ کہ ہر سال ایک ہزار نوجوان اس فوج میں شامل کر لئے جاتے تھے۔ ان سپاہیوں کو اعلےٰ درجے کی فوجی تربیت دی جاتی تھی۔ انہیں تنخواہ بھی معقول ملتی تھی۔ چنانچہ ینی چری جن کے دِلوں میں عثمانی سلطنت کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ صدیوں تک آلِ عثمان کی تلوار کی باڑھ بنے رہے ٭

مُرادِ اوّل (۱۳۵۹ء سے ۱۳۸۹ء تک) آرخان کے بعد اُس کا بیٹا مراد تخت و تاج کا وارث ہوا۔ اُس نے سلطنت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی یورپ کی طرف توجّہ کی۔ اور اپنی سلطنت کی حدود ایک طرف ایڈریاٹک اور دوسری جانب ڈینیوب تک پھیلا دیں۔ اِن کی فتوحات کی وجہ سے اُس کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی ایپرس، مقدونیہ، بوسینا، اور تھریس کے شہروں سے سال کے سال جو خراج آتا تھا۔ اُس نے خزانے کو معمور کر رکھا تھا۔ اس کی فوجی طاقت کہیں سے کہیں جا پہنچی تھی۔ اور ادرنہ یعنی ایڈریانوپل کا پُرانا شہر اُس کے قبضے میں تھا۔ اپنی سلطنت کو دریائے ڈینیوب تک پھیلانے کے بعد اُس نے ایشیائے کوچک کی تُرک ریاستوں کی طرف توجّہ کی۔ لیکن اپنے باپ دادا کی طرح اس کا بھی قاعدہ تھا۔ کہ جب تک بالکل مجبُور نہیں ہوتا تھا۔ تلوار پر ہاتھ نہیں ڈالتا تھا۔ یہاں بھی اُس نے لڑائی بھڑائی کے بجائے بڑے جوڑ توڑ سے کام لیا۔ ایک تُرک امیر کی ریاست خرید لی۔ دوسرے کی بیٹی سے اپنے بیٹے بایزید کی شادی کر دی اور اِس طرح یہ ریاست بھی لڑائی بھڑائی کے بغیر اُس کے ہاتھ آ گئی ٭

بایزید یلدرم (۱۳۸۹ء سے ۱۴۰۱ء تک) ۱۳۸۹ء میں مراد کو دریائے شنتز کے کنارے سرویہ، بوسینا، بلغاریہ اور ہنگری کی متحدہ فوجوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ سلطان نے ساری رات عبادت میں گُزاری۔ اور مُسلمانوں کے لئے فتح اور اپنے لئے شہادت کی دُعا مانگی۔ صبح کو دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ اور بڑے زور کی لڑائی چھڑ گئی۔ لیکن عین اُس وقت کہ دشمن کے قدم اُکھڑ چکے تھے۔ سرویہ کا ایک سپاہی سُلطان کو پُوچھتا ہوا آیا۔ لوگ اُسے قاصد سمجھ کر سُلطان کے پاس لے گئے۔ وہ اُس کے سامنے پہنچتے ہی تیر کی طرح جھپٹا۔ اور اپنا خنجر سُلطان کے سینے میں پیوست کر دیا۔ سُلطان کے زخمی ہوتے ہی دُشمن کے حوصلے بڑھ گئے۔ لیکن اُس کے بڑے بیٹے بایزید نے جو

میدانِ جنگ میں ہمیشہ بڑھ کے لڑنے کی وجہ سے یلدرم یعنی بجلی کا کڑکا کہلاتا تھا۔ لڑائی کو سنبھالا۔ اور دشمن کی فوجیں میدان سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔

بایزید کی تخت نشینی کی رسم عین میدانِ جنگ میں ادا کی گئی۔ وہیں فوج نے سلامی اُتاری۔ اور فوجی افسر نذریں لے کر حاضر ہوئے۔ پھر یہ فوج نئے بادشاہ کی سرکردگی میں شمال کی طرف بڑھی۔ اور یوسینا اور سرویہ نے شکست کھا کر ہتھیار ڈال دیئے۔ بایزید نے کچھ عرصے کے بعد پھر بلقان پر چڑھائی کی۔ اور والیکیہ کے علاقے کو جو آج کل رومانیہ کہلاتا ہے فتح کر کے بڑھنا چاہتا تھا۔ اِتنے میں خبر آئی۔ کہ ایشیائے کوچک کی تُرک ریاستوں نے بڑا فساد مچا رکھا ہے۔ وہیں سے پلٹا۔ اور ساری تُرک ریاستوں کو فتح کر کے دم لیا۔

۱۳۹۴ء میں بایزید نے نکوپولس کے میدان میں عیسائی ریاستوں کی متحدہ فوجوں کو شکست دے کر تُرکانِ عثمانی کی بہادری کی دھاک سارے یورپ میں بٹھا دی۔ اِس موقع پر عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ نے تُرکوں کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا تھا۔ یورپ کے تمام بادشاہوں کے درباروں میں قاصد بھیجے گئے تھے۔ اس لئے ہنگری، سرویہ، بلغاریہ، والیکیہ، اور بوسنیا کے علاوہ یورپ کے دوسرے ملکوں کے شہسوار بھی مسلمانوں کے مقابلے پر موجود تھے۔ جرمنی کی ریاستوں اور فرانس نے بھی تُرکوں سے لڑنے کے لئے فوجیں بھیجی تھیں۔ لیکن ترکوں کے تابڑ توڑ حملوں نے ان فوجوں کو تہس نہس کر ڈالا۔ کئی بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ہنگری کا بادشاہ اور والیکیہ اور بوسنیا کے نواب بڑی مشکل سے جانیں بچا کے بھاگے۔ اِس فتح نے بایزید کی قوت و شوکت کو پورے عروج پر پہنچا دیا۔

نکوپولس کا معرکہ سر کر کے بایزید نے قسطنطنیہ کی طرف باگ موڑی۔ اور مدت تک اُسے گھیرے پڑا رہا۔ اب عیسائیوں کی ہمت جواب دے چکی تھی۔ اور وہ ہتھیار ڈالنے کو تھے۔ کہ وسط ایشیا سے ایک اور فاتح اٹھا۔ جس نے عثمانی مملکت کو زیر و زبر کر ڈالا۔ چنانچہ بایزید قسطنطنیہ کی فتح کو اُدھورا چھوڑ کر اس نئے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے مشرق کی طرف پلٹا۔ لیکن محاصرہ اُٹھانے سے پہلے اس نے رُومی بادشاہ سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کے رُو سے قسطنطنیہ میں ایک مسجد تعمیر ہوئی۔ بلکہ اس شہر میں تُرکوں کا ایک محلّہ بھی آباد کیا گیا۔

تیمور کا عروج۔ یہ فاتح جس نے تُرکوں اور مُغلوں کے ٹڈّی دل کے ساتھ سلطنت عثمانیہ پر حملہ کر دیا تھا۔ امیر تیمور تھا۔ جسے تمرلنگ بھی کہتے ہیں۔ یہ شخص اصل میں تُرکوں کے برلاس قبیلہ کی ایک شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔

Marfat.com

جوگورگان کے نام سے مشہور ہے۔ تیمور کا باپ اپنے قبیلے کا سردار تھا۔

تیمور ۱۳۳۶ء میں پیدا ہوا۔ ہوش سنبھالا۔ تو مُغلوں کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔ اور تُرکستان، ماوراء النہر اور خراسان میں کئی تُرک اور مُغل سرداروں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں۔ تیمور پہلے اس زمانے کے ایک طاقتور سردار امیر قزغن کے ہاں ملازم ہوا۔ پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے ماوراء النہر کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد خوارزم کا علاقہ بھی اس کے ہاتھ آ گیا۔ لیکن جیحوں اور سیحوں کی وادیوں میں اس بلند ہمّت شخص کے حوصلے کیا نکلتے۔ آخر فتحمندی کے شوق نے جو برسوں سے اس کے دِل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ ۱۳۸۰ء میں اُسے اِن میدانوں سے نکالا۔ پہلے اُس نے خراسان، سیستان، فارس اور افغانستان پر قبضہ کیا۔ پھر ۱۳۹۳ء میں دجلہ سے پار اُتر کے بغداد پر جا چڑھا۔ اسے فتح کر کے گرجستان اور آرمینیا کو پامال کرتا ہوا ۱۳۹۵ء میں دریائے والگا کی وادی کی طرف بڑھا۔ اور ماسکو کو فتح کر کے لوٹا۔ تین برس کے بعد اُس نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ اُن دنوں دہلی کی سلطنت بہت کمزور ہو چکی تھی اِس لئے دہلی خوب لُٹی اور کئی اور شہر بھی ویران ہو گئے۔

۱۴۰۰ء میں تیمور نے شام کے شمالی حصّے کو پامال کیا۔ اور مُغلوں اور تُرکوں کے ہاتھوں حلب، حماہ، حمص اور بعلبک پر بڑی تباہی آئی۔ مصر کے مملوک سُلطان نے تیمور کو روکنا چاہا۔ لیکن شکست کھائی۔ اور تیموری فوجوں نے بڑھ کے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے تیمور نے ایشیائے کوچک کی طرف باگ موڑی۔ اور تُرکانِ عُثمانی کو ریلتا دھکیلتا دو برس کے اندر اناطولیہ کے مرکز میں جا پہنچا۔ انقرہ کے میدان میں بایزید نے اس کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ بینی چری بڑی بہادری سے لڑے۔ بایزید نے بھی آخری وقت تک ہمّت نہ ہاری۔ لیکن اس کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی۔ اس لئے شکست کھا کر قید ہوا۔ اور قید ہی میں وفات پائی۔ اب میدان صاف تھا۔ تیمور نے آگے بڑھ کر بروصہ پر قبضہ کر لیا۔

بایزید ابھی زندہ تھا۔ کہ اُس کی حکومت اس کے چار بیٹوں اور تُرک امراء میں بانٹ دی گئی۔ اور ایشیائے کوچک کے تُرک سردار جن کی ریاستیں عُثمانی سلطنت میں شامل کر لی گئی تھیں۔ اپنے اپنے علاقے پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ لیکن تیمور جاتے جاتے ایک ایسی بات کر گیا جس سے آگے چل کر آلِ عُثمان کو فائدہ بھی پہنچا۔ یعنی اس نے سمرنا کو جو ایشیا میں عیسائیوں کا اہم مرکز تھا۔ تباہ کر دیا۔ سمرنا سے تیمور نے وسط ایشیا کا رُخ کیا۔ راستے میں مملوکوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اور تیمور نے انہیں شام سے بالکل نکال دیا۔

Marfat.com

تیمور نے ۱۴۰۵ء میں وفات پائی۔ اور اس کی وسیع سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ایشیائے کوچک سے تو اُسی وقت اُس کا تسلّط اُٹھ چکا تھا جب اس نے اِس علاقے سے نکل کر سمرقند کا رُخ کیا تھا۔ مملوکوں نے بھی دوبارہ شام پر قبضہ کر لیا۔ اِس کے علاوہ ماوراء النّہر اور ترکستان میں کئی سردار اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جنہوں نے تیموری سلطنت کے بعض حصّوں پر اپنا تسلّط قائم کر لیا ⁂

محمد اوّل (۱۴۱۳ء سے ۱۴۲۱ء تک) تُرکانِ عُثمانی ایسے گرے تھے۔ کہ تیمور کے جانے کے بعد کوئی دس گیارہ برس تک سنبھل نہ سکے۔ آخر بایزید کے چھوٹے بیٹے محمد کی ہمت اور تدبیر کی بدولت عثمانیوں کی تقدیر کا ستارہ پھر چمکا۔ اور اس اُجڑے ہوئے چمن میں پھر بہار آئی۔ محمد نے اپنے تینوں بھائیوں کو شکست دے کر اُن کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور ادرنہ اور بروصہ دونوں اس کے پرچمِ اقبال کے سائے میں آگئے۔ تُرک سردار اپنے اپنے علاقوں میں خود مختاری کے نشان لہرا رہے تھے۔ ان سب کو بھی محمد کی اطاعت کرنی پڑی۔ محمد نے صرف آٹھ برس حکومت کی۔ لیکن اس عرصے میں اُس نے عثمانیوں کی عزّت اور شہرت کو بحال کر دیا۔ برّی اور بحری فوج پھر بڑی مضبوط ہو گئی۔ شورشیں مِٹ گئیں۔ بغاوتوں کا سدّ باب ہو گیا۔ اور رعایا بڑی آسودگی اور خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگی ⁂

مُراد دوم۔ (۱۴۲۱ء سے ۱۴۵۱ء تک) محمد کا بیٹا مُراد ثانی اپنے باپ کی طرح بڑا باتدبیر شجاع اور نیک دِل حکمران تھا۔ اُس نے پہلے ایشیائے کوچک کی بعض ریاستوں کو جو تیمور کے حملے کے زمانے میں عُثمانیوں کے ہاتھ سے نکل گئی تھیں۔ اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ پھر قسطنطنیہ کو جا گھیرا۔ رُومی عیسائیوں اور عُثمانی ترکوں میں بڑے زور کے معرکے ہو رہے تھے۔ یکایک خبر آئی۔ کہ اناطولیہ میں بغاوت ہو گئی۔ مُراد نے مجبوراً مشرق کا رُخ کیا۔ اِس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد اُس نے پھر قسطنطنیہ پر چڑھائی کر دی۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد خراج لے کر واپس چلا گیا ⁂

اب بلقان کی عیسائی ریاستوں یعنی بوسینا، سرویا، والیکیہ اور البانیا نے متّحد ہو کر عُثمانی ترکوں سے لڑائی چھیڑ دی۔ ہنگری نے بھی اُن کا ساتھ دیا۔ مُدّتوں معرکے ہوتے رہے۔ ۱۴۴۴ء میں ورنا کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ عیسائیوں نے شکست کھائی۔ ہنگری کا بادشاہ اور کئی بڑے بڑے سردار اس معرکے میں مارے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد کوسوو کے میدان میں ایک اور لڑائی ہوئی۔ یہاں پھر تُرکوں کو فتح ہوئی۔ اور بوسینا، سرویہ، وغیرہ کو سُلطان کی اطاعت قبول کرنی پڑی ⁂

Marfat.com

محمد فاتح (۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۱ء تک) مُراد کے بعد اس کا بیٹا سلطان محمد ثانی تخت نشین ہوا۔ اگرچہ اِس زمانے میں ترکوں کی سلطنت بڑے عروج پر تھی۔ ایشیائے کوچک کے علاوہ مشرقی یورپ کا ایک بہت بڑا علاقہ عُثمانی قلمرو میں شامل ہو چکا تھا۔ لیکن قسطنطنیہ کا پُرانا شہر جو آبنائے باسفورس کے کنارے سر اُٹھائے کھڑا تھا۔ ابھی تک اُن کے قبضے میں نہیں آیا تھا۔ چنانچہ سُلطان محمد نے اس شہر کو فتح کرنے کی تیاریاں شروع کیں۔ کئی بڑی بڑی توپیں ڈھالی گئیں۔ قلعہ شکنی کے آلات بھی مہیّا کیئے گئے۔ اور ۱۴۵۳ء میں اس شہر کو گھیر لیا گیا۔ قسطنطنیہ کی شکل ایک مثلث کی سی تھی۔ اس کے دو طرف تو پانی تھا۔ اور ایک طرف دوہری فصیل۔ اس کے آگے سو فٹ چوڑی خندق۔ اِس خندق کے ساتھ ہی چٹانوں کا ایک قدرتی حصار تھا۔ جس نے شہر کو بڑا مستحکم بنا دیا تھا۔ سلطان نے بڑی عقل مندی سے محاصرہ کا ڈول ڈالا۔ چنانچہ سلطانی فوجیں تینتالیس ۴۳ دن کے محاصرہ کے بعد شہر کے اندر جا گھُسیں۔ قسطنطنیہ کا بادشاہ لڑائی میں مارا گیا۔ اور ڈیڑھ ہزار برس کی پُرانی بائزنطینی سلطنت ڈیڑھ مہینے میں ختم ہو گئی۔ تُرکوں نے قسطنطنیہ کے باشندوں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا۔ اور بائزنطینی بادشاہوں کے عہد حکومت میں انہیں جو حقوق حاصل تھے۔ وہ برقرار رکھے گئے۔

قسطنطنیہ کی فتح کے بعد جزیرہ نمائے بلقان کے بعض علاقے بھی عُثمانی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ جب سلطان محمد نے وفات پائی۔ تو تھریس، والیکیہ، بوسینا، اور مقدونیہ کے علاوہ ہنگری کا ایک حصہ بھی اُس کی حکومت میں شامل تھا۔ اور قسطنطنیہ کا تاریخی شہر اس وسیع سلطنت کا صدر مقام تھا۔ سلطان محمد جو قسطنطنیہ پر فتح کا نشان لہرانے کی وجہ سے محمد فاتح کہلاتا ہے۔ بڑا عالم فاضل شخص تھا۔ وہ تُرکی زبان کے علاوہ عربی، فارسی، عبرانی، لاطینی اور یونانی بھی جانتا تھا۔ اُس کے دربار میں تیس شاعر تھے۔ جنہیں شاہی خزانے سے وظیفے ملتے تھے۔ دوسرے مُلکوں کے عالموں اور شاعروں کو بھی گھر بیٹھے وظیفے پہنچتے تھے۔ چنانچہ فارسی زبان کے مشہور شاعر عبدالرحمٰن جامی کو سال کے سال ایک معقول رقم بھیجی جاتی تھی۔ سلطان کی وفات کے بعد اس کے دو بیٹوں بایزید اور جم میں تخت و تاج کے لئے لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ بایزید (۱۴۸۱ء تا ۱۵۱۲ء) نے ینی چری سپاہیوں کی مدد سے حکومت پر تو قبضہ کر لیا۔ لیکن اس کی زندگی کا زیادہ حصّہ اپنے بھائی سے لڑنے میں صرف ہو گیا۔

خاندان صفوی۔ جن دنوں سلطان بایزید ثانی قسطنطنیہ پر حکومت کر رہا تھا۔ ایران میں ایک بڑا

Marfat.com

انقلاب رونما ہوا۔ یعنی صَفوی خاندان نے اس سرزمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی حکومت قائم کرلی۔ شیخ صَفی الدّین ایران کے ایک صوفی بزرگ تھے جنہیں ترکمان بہت مانتے تھے۔ اُن کی اولاد میں سے ایک نوجوان نے جس کا نام اسمٰعیل تھا۔ ۱۴۹۹ء میں اپنے مُریدوں کو اکٹھا کر کے حکومت کا عَلَم لہرایا۔ اور سارے ایران میں ایک نئی رُوح پھُونک دی۔ اکثر لوگوں نے جو تُرکوں کے مخالف تھے۔ اُس کا ساتھ دیا۔ اور شاہ اسمٰعیل بوریائے فَقر سے اُٹھ کر تختِ سلطنت پر جا بیٹھا۔ اس کی سلطنت ہرات سے دیار بکر تک پھیلی ہوئی تھی۔ مملوکوں سے اُس کے تعلّقات بہت اچھے تھے۔ اور یہ دونوں خاندان یعنی صَفوی اور مملوک تُرکانِ عثمانی کے مخالف تھے۔

سلیم اول۔ (۱۵۱۲ء سے ۱۵۲۰ء تک) بایزید ثانی کا جانشین سلیم اول جو ۱۵۱۲ء میں تخت پر بیٹھا۔ اگرچہ دِل کا بڑا سخت تھا۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ ہمّت اور شجاعت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ اُسے صَفویوں کے عروج اور مملوکوں سے ان کی دوستی میں عُثمانی سلطنت کے لئے بڑا خطرہ نظر آیا۔ چنانچہ وہ ایک لاکھ چالیس ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر آرمینیا کو تہ و بالا کرتا ہوا آذربائیجان کی طرف بڑھا۔ ادھر سے شاہ اسمٰعیل بڑا بھاری لشکر لے کر آیا۔ لیکن شکست کھائی۔ سلطان سلیم نے دیار بکر اور دجلہ و فرات کے درمیان کے ایک وسیع علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد شام کا رُخ کیا۔ اور مملوکوں کو اس علاقے سے نکال کر مصر میں جا گھسا۔ اگرچہ مملوک بڑی بہادری سے لڑے لیکن شکست کھائی۔ اور مصر پر تُرکانِ عثمانی کا تسلّط ہوگیا۔

اس فتح کی بدولت سلطان سلیم کو ایک بڑا فائدہ یہ ہوا۔ کہ مصر جیسے وسیع علاقے کے علاوہ خلافت کا اعزاز بھی ہاتھ آیا۔ متوکّل عبّاسی جو برائے نام خلیفہ تھا۔ قاہرہ میں مملوکوں کے زیرِ سایہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ سُلطان سلیم کے ساتھ قسطنطنیہ چلا آیا۔ اور یہاں سُلطان کے حق میں خلافت سے دست بردار ہوگیا۔ غرض سُلطان سلیم نے اپنے ایشیائی مقبوضات میں جو آگے چل کر ایشیائی تُرکی کہلائے۔ مصر اور شام کے علاقے شامل کر لئے۔ خلافت کے تنِ بے جان میں جان آئی۔ عُثمانی سُلطان امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کہلانے لگا۔ قُسطنطنیہ میں دربارِ خلافت آراستہ ہوا۔ اور اِس شہر کو وہی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جو ایک زمانے میں بغداد اور قاہرہ کو حاصل تھی۔ لیکن مملوک جو مدّتوں اسلام کی حمایت میں سینہ سپر رہے تھے۔ ہمیشہ کے لئے مِٹ گئے۔

مملوکوں کے کارنامے۔ مملوک ڈھائی سو برس سے زیادہ عرصے تک بڑے وسیع علاقے پر حکومت

Marfat.com

کرتے رہے تھے۔ سلطان بیبرس (۱۲۶۰ء تا ۱۲۷۷ء) جسے صحیح معنوں میں مملوک سلطنت کا بانی کہنا چاہیئے۔ مملوک سلاطین میں بڑا اونچا مرتبہ رکھتا ہے۔ اس نے صرف مغل جانبازوں اور صلیبی شہسواروں ہی کو شکستیں نہیں دیں۔ بلکہ رعایا کے آرام و آسائش کے لئے بھی بہت کچھ کیا۔ یعنی نہریں کھدوائیں۔ مسجدیں تعمیر کرائیں۔ مدرسے کھولے۔ اوقاف قائم کئے۔ بیبرس کا جانشین قلاؤن بھی بڑا لائق حکمران تھا۔ اُس نے بہت سی خوبصورت عمارتیں بنوائیں۔ جن میں ایک شفاخانہ جو مارستان المنصور کہلاتا تھا۔ خاص طور پر ذکر کے لائق ہے ٭

مصر پر مملوکوں کے دو گروہوں نے حکومت کی ہے۔ پہلا گروہ تو اُن غلاموں کا تھا۔ جو کوہ قاف اور دشت قپچاق سے آئے تھے۔ دوسرے گروہ میں وہ غلام شامل تھے۔ جو جھیل بیکال کے آس پاس کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ بیبرس اور قلاؤن پہلے گروہ میں شامل تھے۔ دوسرے گروہ میں سُلطان قائت بائے سب سے زیادہ شہرت رکھتا ہے۔ اُس نے مدت تک بڑی کامیابی سے مُلک پر حکومت کی۔ مملوکوں کا زمانہ شاندار عمارتوں کی تعمیر کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ چنانچہ آج بھی مصر میں چپے چپے پر اُس عہد کی عمارتیں موجود ہیں۔ ان میں سے برقوق کا مقبرہ، قائت بائے کی مسجد اور مقبرہ اسلامی فنِ تعمیر کے بڑے اعلےٰ نمونوں میں شُمار ہوتے ہیں ٭

علمی سرگرمیوں کے لحاظ سے بھی مملوکوں کا عہدِ حکومت بڑی اہمیّت رکھتا ہے۔ اِس زمانے میں طِب، فلسفہ، تاریخ وغیرہ پر بکثرت کتابیں لکھی گئیں۔ خاص طور پر آنکھوں کے امراض کے متعلق مزید تحقیقات ہوئی۔ اور اُن کے عِلاج کے نئے طریقے معلوم کئے گئے (ابن ابی اصیبعہ جس نے طِب کی تاریخ لکھی ہے۔ اس زمانے کا نامور عالم ہے۔) اِس عہد کے مؤرخوں میں ابن خلّکان، ابوالفدا، مقریزی اور سیوطی بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے جو مدّت تک قاہرہ کے قاضی رہے۔ محدّث کی حیثیت سے ناموری حاصل کی۔ امام ابن تیمیہؒ بھی جو دینی علوم پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ اِسی دَور کے علماء میں سے ہیں ٭

علمی ترقی کا دَور۔ سچ پُوچھو۔ تو یہ پُورا دور علمی سرگرمیوں کے لحاظ سے اسلامی تاریخ میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ چنگیز اور ہلاکو کے حملوں نے مُسلمانوں کی قوت و شوکت کو مٹا دیا۔ بغداد، نیشاپور، سمرقند اور بخارا جیسے شہر جو مسلمانوں کے علم و تہذیب کے سب سے بڑے مرکز سمجھے جاتے تھے۔ بالکل تباہ ہو گئے۔ پھر بھی مسلمانوں کی علمی سرگرمیاں جاری رہیں۔ خود ہلاکو کے دربار میں نصیر الدین محقق طوسی جیسا شخص موجود تھا۔ جس نے مراغہ میں رصد گاہ قائم کی۔ عربی

Marfat.com

اور فارسی میں ہیئت، منطق، فلسفہ اور اخلاق پر کئی کتابیں لکھیں۔ مولانا جلال الدین رُومی بھی جن کی مثنوی بہت شہرت رکھتی ہے۔ اسی زمانے کے شاعر ہیں۔ ہلاکو کے جانشینوں کے زمانے میں فارسی اَدب اور شاعری نے بڑی ترقی کی۔ ایل خانی حکومت کے مِٹنے کے بعد جو چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوئیں۔ انہوں نے بھی علم و فن کی سرپرستی میں بڑا حصّہ لیا۔ خواجہ حافظ جو سعدی کے بعد فارسی غزل کے سب سے بڑے اُستاد سمجھے جاتے ہیں۔ اِسی عہد میں ہوئے ہیں ٭

تیمور کا دامن اگرچہ لاکھوں انسانوں کے خون سے داغ دار ہے۔ لیکن اُسے بھی عمارتیں بنوانے اور ترقی دینے کا بڑا شوق تھا۔ اُس کے جانشینوں کا زمانہ علم و فن کی ترقی کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ اُن کی قدردانی کی وجہ سے فارسی زبان نے بھی بڑی ترقی کی۔ اور اس میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ بڑی بڑی درسگاہیں قائم ہوئیں۔ موسیقی اور مصوّری کی جانب بھی توجّہ کی گئی۔ اور سمرقند اور ہرات میں اُس زمانے کے مشہور عالِم، شاعر، باکمال مصوّر اور گویّے ہر طرف سے کھچ کر جمع ہو گئے۔ تیمور کے ایک پوتے الغ بیگ کو ہیئت سے بڑی دلچسپی تھی۔ چنانچہ اُس نے لاکھوں روپے کے خرچ سے ایک رصدگاہ تعمیر کرائی۔ امیر علی شیر نوائی جو ترکی زبان کا بلند پایہ شاعر اور عالموں اور شاعروں کا بڑا قدردان تھا۔ اسی زمانے میں ہوا ہے۔ صَفَویوں نے جو تیمُوریوں کے جانشین تھے۔ اپنے ملک کی سرسبزی اور خوش حالی کے لئے بہت کچھ کیا۔ اُن کی سرپرستی کی وجہ سے علم و فن نے بھی بڑی ترقی کی۔ اور مُلک کے گوشے گوشے میں شعر و ادب کی محفلیں گرم نظر آنے لگیں ٭

تُرکانِ عثمانی اگرچہ اکھڑ سپاہی تھے۔ لیکن شعر و ادب کا شوق انہیں بھی تھا۔ چنانچہ عُثمانی خاندان کے چھتّیس فرماں رواؤں میں سے اکّیس شاعر تھے۔ اُن میں سُلطان سلیم سب سے بڑا شاعر ہوا ہے۔ اس نے یُوں تو ترکی میں بھی شعر کہے ہیں۔ لیکن اُس کے کلام کا زیادہ حصّہ فارسی میں ہے۔ اِس کے علاوہ اُسے عمارتیں بنوانے اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے کا بھی بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اُس نے تبریز کو فتح کیا۔ تو وہاں سے چلتے وقت ایک ہزار کاری گروں کو جن میں ہر فن کے ماہر شامل ہیں۔ اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا ٭

سلیمانِ اعظم۔ (۱۵۲۲ء سے ۱۵۶۶ء تک) سُلطان سلیم کے جانشین سُلیمان کا طویل عہد حکومت عروج و اقبال اور شوکت و تجمّل کے لحاظ سے تُرکانِ عُثمانی کی پُوری تاریخ میں بے نظیر سمجھا جاتا ہے۔

سلیمان اعظم بوڈاپسٹ میں ←

Marfat.com

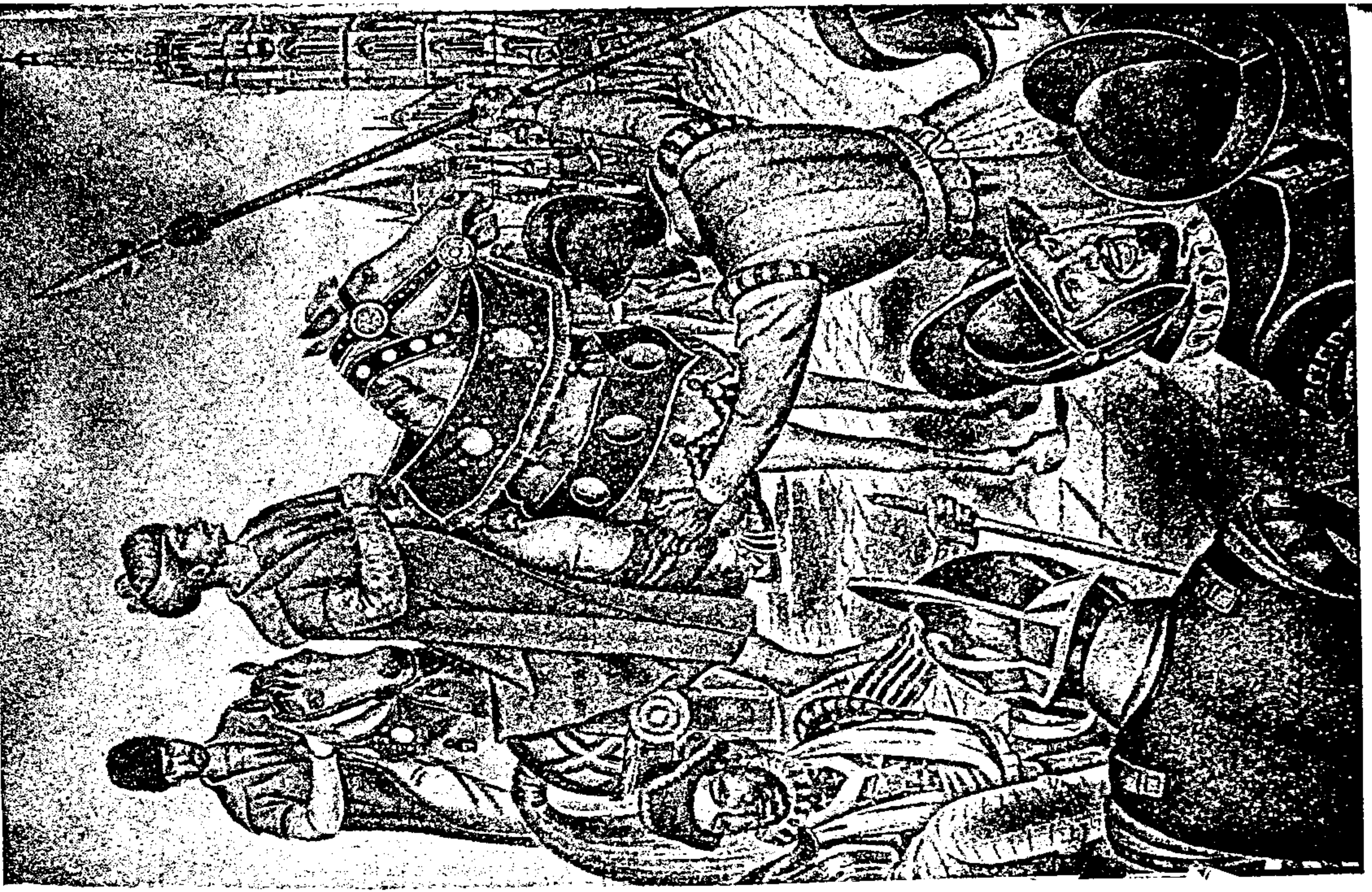

Marfat.com

عثمانی سلطنت کو اس مرتبہ پر پہنچانے میں سلیمان کی ذاتی خوبیوں کا بڑا دخل ہے۔ سچ پوچھو تو یہ با اقبال فرمانروا عظمت و وقار، جوانمردی اور فیاضی، شجاعت و دلاوری اور اپنے سپاہیانہ اوصاف کے علاوہ دانش مندی اور تدبیر دانی میں بھی تمام عثمانی فرماں رواؤں سے آگے نظر آتا ہے۔ وہ مُلک کا نظم و نسق قائم رکھنے اور سلطنت کے انتظام کے آئین اور قاعدے باندھنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ اِسی لئے لوگ اُسے سلیمان قانونی کہتے تھے ٭

سلطان سلیمان کے عہد حکومت میں عثمانی سلطنت نے بڑی ترقی کی۔ بلگریڈ، روڈس، قریب قریب پورا ہنگری جزیرہ نمائے کریمیا، موصل، بغداد اور بصرہ کے علاقے سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوئے۔ عرب میں عدن اور یمن، افریقہ میں طرابلس اور الجزائر کے علاوہ شمالی افریقہ کا ایک بڑا علاقہ تُرکوں کے ہاتھ آیا۔ اور مِصر کے صوبے کی حدُود پھیلتی ہوئی نوبیہ تک جا پہنچیں۔ آسٹریا پر بھی چڑھائی ہوئی۔ اور سُلطانی فوجوں نے اس مُلک کے پایۂ تخت وی آنا کو گھیر لیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جاڑے کی شدّت کی وجہ سے سلطان کو وی آنا کا محاصرہ اُٹھانا پڑا۔ چند برس کے بعد پھر آسٹریا پر چڑھائی ہوئی۔ اِس دفعہ آسٹریا والوں نے مجبُور ہو کر صُلح کی درخواست کی۔ اور خراج دینا منظور کیا ٭

اِس زمانے میں عثمانیوں کی بحری قوت کو بھی بڑا عروج نصیب ہوا۔ اور بحیرہ قُلزم، بحیرہ رُوم اور بحرِ ہند پر اُن کا اقتدار قائم ہو گیا۔ تُرکانِ عثمانی کی بحری طاقت کو مضبوط کرنے میں اُن مسلمان جہاز رانوں کا بڑا حصہ ہے۔ جن کی تُرکتاز نے بحیرہ رُوم میں تہلکہ ڈال رکھا تھا۔ سلطان سلیمان نے جو وقت کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو خوب سمجھتا تھا۔ ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اُنہیں اُونچے منصب اور عُہدے بخشے۔ اور خلعت و انعام سے سرفراز کیا چنانچہ ان کی کوششوں سے تُرکوں کے جنگی بیڑے نے ایسی طاقت حاصل کی۔ کہ اس کا کوئی حریف نہ رہا۔ انہیں میں باربروسہ خاندان کے لوگ بھی تھے۔ جو اپنی سُرخ ڈاڑھیوں کی وجہ سے باربروسہ یعنی "سُرخ ریش" کہلاتے تھے۔ اس خاندان میں سب سے زیادہ شہرت اور ناموری امیر البحر خیر الدین باربروسہ کو حاصل ہوئی۔ جو سلطان سلیمان کی بحری فوج کا سالار اعظم تھا۔ اس نے تُونس اور الجزائر کو سلطان کی قلمرو میں شامل کیا۔ اور یورپ کی بعض حکُومتوں کو سمندری لڑائیوں میں نیچا دکھایا۔ اُن دِنوں ہسپانیہ کی بحری طاقت بڑے عروج پر تھی۔ وینس کی ریاست بھی جہاز رانی میں بڑی شہرت رکھتی تھی۔ ۱۵۳۸ء میں پری ویسا کے مقام پر ہسپانیہ اور وینس کے متحدہ جنگی بیڑے سے تُرکوں کے جنگی بیڑے کا مقابلہ ہوا۔ پوپ نے بھی ہسپانیہ کی مدد کے لئے جنگی جہاز بھیجے تھے۔ لیکن باربروسہ نے اس معرکے میں دشمن کے متحدہ جنگی بیڑے کو ایسی شکست

Marfat.com

Marfat.com

دی۔ جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی +

سلیمان اعظم کی شہرت و عظمت کا دار و مدار صرف مُلکی فتوحات اور جنگی کارناموں ہی پر نہیں۔ اُس نے جس خوش اسلوبی سے اپنی وسیع سلطنت کا انتظام کیا۔ اور رعایا کو اُس کی خوش انتظامی کی بدولت جو فراغت اور آسودگی نصیب ہوئی۔ اُس کی نظیر عثمانی سلطنت کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ چنانچہ اُس نے سلطنت کے انتظام کے جو آئین اور قاعدے باندھے۔ اُن کی وجہ سے اُس کا شمار دُنیا کے بڑے بڑے قانون سازوں میں ہوتا ہے۔ مُلّا ابراہیم حلبی نے اس کے بنائے ہوئے قوانین کتابی صورت میں جمع کر دیئے تھے۔ جن پر عثمانی فرماں روا صدیوں تک عمل کرتے رہے +

252-266

سلطنتِ عثمانی کے زوال کا زمانہ

زوال کے اسباب۔ سولھویں صدی کے وسط میں سلطنت عثمانی پورے عروج پر تھی۔ کہ سلیمان اعظم نے انتقال کیا۔ اور اس کی جگہ سلیم ثانی تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اگرچہ اس کے زمانہ میں بعض نئے علاقے فتح ہوئے۔ تاہم عثمانیوں کے شجرِ اقبال کو گھُن لگنا شروع ہو گیا تھا۔ عثمانی سلطنت کے زوال کے بعض اسباب داخلی ہیں، بعض خارجی۔ سلطان سلیمان کے بعد جو لوگ تُرکی کے تخت پر بیٹھے۔ اُن میں سے چند فرماں رواؤں کو چھوڑ کر کسی میں اتنی وسیع سلطنت سنبھالنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ سلطنت کا انتظام وزراء چلاتے تھے۔ خواتینِ حرم کو بھی

(کاروبار سلطنت میں بڑا دخل تھا۔ فوج جس پر سلطنت کے استحکام کا دارومدار تھا۔ خودسر ہوگئی تھی۔ عثمانی فرماں رواؤں کا رعب اُس کے دِل سے اُٹھ گیا تھا۔ وہ جسے چاہتی تھی۔ تختِ سلطنت پر بٹھا دیتی تھی +)

اس کے علاوہ اِن دنوں یورپ کی قومیں نہایت تیزی سے ترقی اور کامرانی کے راستوں پر قدم مار رہی تھیں۔ امریکہ دریافت ہو چکا تھا۔ پرتگال کے ایک جہازران نے ہندوستان کا راستہ بھی معلوم کر لیا تھا۔ اب امریکہ، ہندوستان اور جزائر شرق الہند کی زرخیزی سے فائدہ اُٹھانے کے لئے یورپ کی مختلف سلطنتوں میں کشمکش شروع ہوئی۔ اس طرح اُن کی بحری طاقت بہت مضبوط ہوگئی۔ فوجوں کو تربیت دینے اور انہیں نئے اسلحہ سے آراستہ کرنے کی طرف بھی توجہ ہوئی۔ تُرکانِ عثمانی اِن قضیوں سے بالکل الگ تھلگ رہے تھے۔ اِس لئے ترقی کی دَوڑ میں یورپ کی اکثر سلطنتوں سے پیچھے رہ گئے +

یورپ کی جن قوموں کو امریکہ، جزائر شرق الہند اور ہندوستان کی اِس لُوٹ میں حصّہ نہیں ملا تھا۔ اُن میں بھی ترقی اور بیداری کے آثار نظر آرہے تھے۔ رُوس جس سے سلطنتِ عُثمانیہ کے ڈانڈے ملے ہوئے تھے۔ بڑا طاقت ور مُلک بن گیا۔ اور اس کی حریص نظریں اپنے ہمسایہ مُلکوں خصوصاً تُرکی پر پڑنے لگیں۔ آسٹریا اور ہنگری متّحد ہو گئے۔ اس اتّحاد نے تُرکانِ عُثمانی کو بڑا نقصان پہنچایا۔ چنانچہ اِس سلطنت نے آہستہ آہستہ تُرکی کا بہت سا علاقہ دبا لیا۔ ایران نے اِس موقع سے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ اور تُرکی نے جو علاقے اس سے چھین لیے تھے۔ اُن پر پھر قبضہ کر لیا +

سلیمان کا جانشین سلیم دوم سلطنت کا انتظام وزیرِ اعظم کے سپرد کر کے خود محل میں جا بیٹھا۔ اُس کی حکومت کا آغاز بظاہر بڑا شان دار نظر آتا تھا۔ ۱۵۷۰ء میں پورے عرب پر عُثمانیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اور مکّہ معظّمہ میں سُلطان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وینس سے قبرص کا جزیرہ بھی چھین لیا گیا۔ اور تُونس پر پوری طرح تُرکانِ عُثمانی کا اقتدار قائم ہوگیا۔ لیکن ۱۵۷۱ء میں وینس، ہسپانیہ اور مالٹا نے ایکا کر کے لیپنٹو کے پاس تُرکوں کو سمندری لڑائی میں سخت شکست دی۔ جس نے ان کی بحری طاقت کو بڑا نقصان پہنچایا۔ سلیم ثانی کے زمانے میں سویز کی نہر کھود کر بحیرہ قلزم اور بحیرہ رُوم کو ملانے کا ارادہ کیا گیا۔ یہ تجویز بھی ہوئی۔ کہ دریائے ڈان اور والگا کو ایک نہر کے ذریعے آپس میں مِلا دیا جائے۔ لیکن یہ دونوں تجویزیں پَروان نہ چڑھ سکیں +

بدنظمی ۱۵۷۴ء سے لے کر ۱۶۵۶ء تک سلطنت عثمانی میں بڑی ہل چل برپا رہی۔ لیکن اس مدّت میں سے سلطان مراد چہارم کی حکومت کے پندرہ برسوں کو منہا کر دینا چاہئے۔ یوں سمجھو۔ کہ ۸۷ برس کی اِس مدّت میں سے پورے

Marfat.com

۶۳ برس تک بدامنی اور شورش کی آندھیاں بڑے زور سے چلتی رہیں۔ جنہوں نے سلطنت عُثمانیہ کی بُنیادوں کو ہلا دیا۔ اس زمانے میں فوج خود سر ہو گئی تھی۔ خاص طور پر ینی چریوں نے جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بڑی شورش برپا کر رکھی تھی۔ ایران نے اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کر بغداد اور کئی اور شہروں پر قبضہ کر لیا۔ شمالی افریقہ کی تین ریاستیں الجزائر، تونس، اور طرابلس عملی طور پر خود مختار ہو گئیں۔ آسٹریا اور ہنگری نے بھی موقع پا کر تُرکوں سے جنگ چھیڑ دی۔ ۱۵۹۶ء میں ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ جس میں دشمن نے بڑی سخت شکست کھائی۔ لیکن ۱۶۰۶ء میں آسٹریا، ہنگری سے جو معاہدہ ہوا۔ اس کے رو سے آسٹریا نے خراج ادا کرنا بند کر دیا۔ اور ہنگری کا بھی صرف آدھا حصّہ تُرکوں کے قبضے میں رہ گیا۔ دراصل یورپ والوں کے دِلوں پر تُرکوں کا اگلا سا رعب اور دبدبہ نہیں رہا تھا۔

مُراد چہارم۔ (۱۶۲۳ء سے ۱۶۴۰ء تک) جب مُراد کے سر پر تاجِ سلطانی رکھا گیا۔ تو اُس کی حکومت بارہ برس کی تھی۔ کچھ دنوں اس کی ماں جو بڑی عقل مند خاتون تھی۔ حکومت کا کاروبار چلاتی رہی۔ پھر نوجوان سلطان خود سلطنت کا اِنتظام کرنے لگا۔ لیکن فوج بگڑ کھڑی ہوئی۔ اور سلطان کے سامنے وزیرِ اعظم کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر مُراد میں ضبط کی طاقت نہ رہی۔ تھوڑے سے جاں نثاروں کو سمیٹ کر فوج پر حملہ کر دیا۔ سلطان کو ننگی تلوار ہاتھ میں لیے دیکھ کر بہت سے لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ باغی سپاہیوں نے شکست کھائی۔ اور ان میں سے اکثر مارے گئے۔

جب ہر طرف امن و امان ہو گیا۔ تو مُراد نے پہلے حکومت کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ پھر ایشیائے کوچک کا رُخ کیا۔ اس علاقے کے سرکشوں کو زیر کر کے بغداد کی طرف بڑھا۔ اور ایرانیوں کو شکست دے کر اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ مُراد اِس فتح کے بعد یورپ پر لشکر کشی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہ موت کا پیغام آ گیا۔ اور اُس نے عین شباب میں وفات پائی۔ سچ پوچھو۔ تو عثمانی فرماں رواؤں کی سپاہیانہ شان مُراد ہی پر ختم ہو گئی۔ اُس کے کارناموں پر غور کرو۔ تو آرخان اور مُراد اوّل کے دھاوے اور یلغاریں یاد آتی ہیں۔ جن دِنوں وہ بغداد کو گھیرے پڑا تھا۔ پُرانے زمانے کے دستور کے مطابق ہر روز ایرانی سپاہی ایک ایک کر کے شہر سے نِکلتے۔ اور تُرکوں کو اپنے مقابلے پر للکارتے تھے۔ ایک دفعہ ایرانیوں نے ایک نامی شہسوار کو بھیجا۔ جو بڑے قد و قامت کا جوان تھا۔ ادھر سے خود مراد اس کے مقابلے پر نکلا۔ اور ایسی دو دستی تلوار ماری جو سر کو چیر کر ٹھوڑی تک اُتر آئی۔

ستر ہویں صدی کا ایک تُرک سپاہی ←

Marfat.com

وزیروں کا اِقتدار۔ (سنہ ۱۶۵۶ء سے سنہ ۱۷۵۷ء تک) مُراد کی وفات کے بعد کوئی سولہ برس تک پھر فتنہ وفساد کا سیلاب اُمڈا رہا۔ اِس زمانے میں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ سلطنت عثمانیہ صرف تھوڑے دنوں کی مہمان ہے۔ سنہ ۱۶۵۶ء میں محمد پاشا کپریلی، جو اصل میں البانیہ کا رہنے والا تھا۔ وزیر اعظم مقرر ہوا۔ اگرچہ اُس وقت اُس کی عُمر ستّر برس تھی۔ لیکن اِس بُڑھاپے میں بھی جوانوں کی سی ہِمّت رکھتا تھا۔ اُس نے وزیر مقرر ہوتے ہی فوج میں پھر شجاعت کی رُوح پُھونک دی۔ اور عُثمانی پرچم پھر دریائے ڈینیوب کے کنارے لہراتا نظر آنے لگا۔ اِس زمانے میں مُراد چہارم کا بھتیجا محمد چہارم تُرکی کا سلطان تھا۔ لیکن اُسے سلطنت کے کاموں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اُمورِ ملکی محمد پاشا کے ہاتھ میں تھے۔ وہ جو چاہتا تھا۔ کرتا تھا۔ محمد پاشا نے صرف پانچ برس وزارت کی۔ لیکن اس مُدّت میں اُس نے اندرونی بدنظمی کو مٹا کر سلطنت کا اِنتظام بالکل درست کر دیا۔ اس کا بیٹا احمد پاشا (سنہ ۱۶۶۱ء تا سنہ ۱۶۷۶ء) اپنے باپ سے بھی زیادہ لائق تھا۔ چنانچہ اُسے تُرکی کا سب سے بڑا مدبّر سمجھا جاتا ہے۔ اُس نے عُثمانیوں کی عظمت و شوکت کو بحال کرنے کے لئے دن رات ایک کر دیئے۔ آسٹریا والے سیلاب کی طرح بڑھے چلے آتے تھے۔ احمد پاشا نے اُنہیں مار ہٹایا۔ وینس کی جمہوری حکومت سے کریٹ کا جزیرہ چھینا۔ پولینڈ کے بادشاہ کو شکست دے کر یوکرین کا علاقہ سلطنت عثمانی میں شامل کر لیا۔

(احمد کے بعد قرہ مصطفےٰ وزیر مقرّر ہوا۔ سنہ ۱۶۸۳ء میں اُس نے آسٹریا پر چڑھائی کی۔ اور اس مُلک کے پایۂ تخت وی آنا کو جا گھیرا۔ لیکن عیسائی سلطنتوں کی متّحدہ فوج نے وی آنا کو ترکوں کے قبضے میں نہ آنے دیا۔ وی آنا سے پسپا ہونے کے بعد کئی علاقے عثمانی تُرکوں کے قبضے سے نکل گئے۔ ہنگری، یونان اور ڈیلماشا کے ساحل پر جو آج کل یوگوسلافیہ میں شامل ہے۔ عیسائیوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔)

(2) کچھ عرصے کے بعد سلطان سلیمان دوم نے احمد پاشا کے بھائی کپریلی زادہ مصطفےٰ کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ اس نے مقدونیہ اور ٹرانسلوینیا پر قبضہ کیا۔ بلگریڈ کے شہر پر فتح کا پرچم لہرایا۔ لیکن اُسے زیادہ مدّت تک اپنی شجاعت اور تدبیر کے جوہر دکھانے کا موقع نہ ملا۔ یعنی سنہ ۱۶۹۱ء میں وہ آسٹریا والوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

(3) **رُوس اور آسٹریا سے تُرکوں کے معرکے۔** (سنہ ۱۶۹۶ء تا سنہ ۱۸۳۲ء) اٹھارویں صدی میں بھی آسٹریا سے عثمانی تُرکوں کے معرکے ہوتے رہے۔ جن کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یورپ کا جو علاقہ تُرکوں کے پاس تھا۔ اُس

Marfat.com

میں سے آدھا اُن کے ہاتھ سے نکل گیا +

۱۸ رُوس کا ملک ابتدا میں بہت کمزور اور کئی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ لیکن زار پیٹر نے جو پیٹر اعظم کہلاتا ہے۔ ان ریاستوں کو ملا کر ایک وسیع سلطنت قائم کر لی۔ پیٹر چاہتا تھا۔ کہ کسی طرح بحیرہ اسود اور بحیرہ رُوم پر اُس کا اقتدار قائم ہو جائے۔ اور روسی جہاز بحیرہ اسود سے ہو کر بحیرہ رُوم میں پہنچنے لگیں۔ چنانچہ اُس نے ۱۶۹۶ء میں ایزوف کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصے کے بعد تُرکی اور رُوس میں بڑے زور کی جنگ چھڑ گئی۔ اور پیٹر نے بہت بڑی فوج لے کر عثمانی سلطنت پر چڑھائی کر دی۔ لیکن دریائے پرتھ کے کنارے اس طرح عثمانی فوجوں میں گھر گیا۔ کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ آخر بڑی مشکل سے جان بچائی۔ ۱۷۱۱ء میں اُس نے ایزوف کی بندرگاہ سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اور تُرکوں سے صلح کر لی +

کچھ عرصے کے بعد پیٹر نے تُرکی سے ایک اور معاہدہ کیا جس کے رُو سے یہ قرار پایا۔ کہ ایران کو فتح کر کے اُس کے حصے بخرے کر لیے جائیں۔ اِن دنوں صفویوں کی شمعِ اقبال جھلملا رہی تھی۔ لیکن نادر افشار نے جو بڑا لائق سپہ سالار تھا اور جس نے ایک طرح سے ایران کی حکومت پر قبضہ کر رکھا تھا۔ رُوسیوں اور عثمانی تُرکوں کی کوئی پیش نہ چلنے دی رُوس اور تُرکی کی یہ دوستی بھی عارضی ثابت ہوئی۔ دریائے پرتھ کے کنارے پیٹر نے جو شکست کھائی تھی۔ اُس کی پھانس رُوسیوں کے دِلوں میں برابر کھٹک رہی تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے آسٹریا سے اتحاد کر کے بدنامی کے اس داغ کو دھونا چاہا۔ اور ان دونوں مُلکوں کی فوجیں بڑے زور شور سے یہ ارادہ لے کر بڑھیں۔ کہ بس اب وہ قسطنطنیہ پر نشانِ ظفر گاڑ کر ہی دَم لیں گی۔ تُرکانِ عثمانی نے بڑی بہادری سے حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ اور اٹھارویں صدی کے خاتمے تک بڑے زور کے معرکے ہوتے رہے۔ ان لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ جزیرہ نمائے بلقان پر تُرکی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اِس کے علاوہ سلطنت کے انتظام میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئیں +

سلیم سوم کی اصلاحات۔ (۱۷۸۹ء سے ۱۸۰۷ء تک)

سُلطان سلیم سوم جو ۱۷۸۹ء میں تختِ حکومت پر بیٹھا۔ بڑا عقل مند اور دُور اندیش حکمران تھا۔ سلطنت کے نظم و نسق میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اُنہیں دُور کرنے کے لئے اُس نے بڑی اہم اصلاحات نافذ کیں۔ فوجی خدمت کے عوض جاگیریں دینے کا جو قاعدہ چلا آتا تھا۔ وہ بہت سی خرابیوں کا ذمہ دار تھا۔ سلیم نے نظامِ جاگیرداری کو بالکل منسوخ کر دیا۔ صوبوں کا انتظام نئے سرے سے کیا۔ یورپ کے اکثر مُلکوں میں حکومت کے نظم و نسق اور فوج کے انتظام کے سلسلے میں جو تجربے ہوئے تھے۔ اُن

Marfat.com

سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی۔ آئینی اصولوں کو سامنے رکھ کر مرکزی حکومت میں تبدیلیاں کی گئیں۔ بری اور بحری فوج کی تنظیم از سرِ نو ہوئی۔ فوجی مدرسے کھولے گئے۔ اور اُن میں یورپین معلّم مقرر کئے گئے۔ اس بات پر علماء اور فوجی سردار جو پرانے قاعدوں اور طریقوں میں کسی قسم کے اَدل بَدل کے روادار نہیں تھے۔ بہت ناراض ہوئے۔ اور ینی چری تو کھلّم کھلا بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔

نپولین بوناپارٹ۔ جن دنوں سلطان سلیم مُلکی اصلاح کے کاموں میں مصروف تھا۔ فرانس کے ایک جرنیل نپولین بوناپارٹ نے سارے یورپ میں ہل چل ڈال رکھی تھی۔ ۱۷۹۶ء میں اس نے مصر پر حملہ کر کے قاہرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کا ارادہ تھا۔ کہ مصر اور شام پر پوری طرح قبضہ کرنے کے بعد ہندوستان کی طرف بڑھے۔ اور اس سرزمین سے انگریزوں کو بالکل نکال دے۔ لیکن ایک بحری جنگ میں انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔ اور اُس کی آرزو پوری نہ ہونے پائی۔ اس طرح ہندوستان میں انگریزوں کا اقتدار بحال رہا۔ اور ترکوں کو یہ فائدہ ہوا۔ کہ مصر اور شام، فرانسیسیوں کے قبضے میں جانے سے بچ گئے۔ اس سے کچھ عرصے کے بعد ینی چری بالکل بے قابو ہو گئے۔ اور اُنہوں نے سلطان سلیم کو تخت سے اُتار دیا۔

سلطان محمود مصلح۔ (۱۸۰۸ء سے ۱۸۳۹ء تک) سلطان محمود دوم جو اپنے اصلاحی کارناموں کی وجہ سے سلطان محمود مصلح کہلاتا ہے۔ بڑا مستعد اور باہمّت فرماں روا تھا۔ اِس زمانے میں ینی چری بڑے خودسر ہو چکے تھے۔ بادشاہوں کو تخت پر بٹھانا۔ اور معزول کرنا ان کے لئے روز کا کھیل تھا۔ سلطان محمود کے زمانے میں بھی انہوں نے بغاوت کی۔ وہ اِن سرکشوں کو سزا دینے کے لئے مدّت سے تیاریاں کر رہا تھا۔ فوراً انہیں گھیر کر ان کی بارکیں توپوں سے اُڑا دیں۔ اور اس طرح ینی چریوں کا نام و نشان مِٹ گیا۔ اب سلطان نے ان کی جگہ نئی فوج بھرتی کی۔ جس کا انتظام یورپ کے دوسرے مُلکوں کی فوجوں کے انداز پر کیا گیا تھا۔

۱۸۲۱ء میں یونان نے بغاوت کر دی۔ یورپ کی تمام سلطنتوں نے کھلّم کھلا ان کی حمایت کی۔ چنانچہ ۱۸۲۷ء میں یونان کو آزاد کر دیا گیا۔ رُوس کو دردانیال تک پہنچنے کا راستہ مل گیا۔ الجزائر پر فرانس نے قبضہ کر لیا۔ سلطنت کے اندرونی جھگڑے اور شورشیں ابھی ختم ہونے میں نہیں آئی تھیں۔ کہ مصر کے حاکم محمد علی پاشا نے بغاوت کر دی۔ اور مصری فوجیں شام میں گھس آئیں۔ اِس بغاوت کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مصر پر محمد علی پاشا کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ اور اس علاقے کی حکومت اُس کے خاندان میں رہی۔ اگرچہ مصر اب بھی سلطان ترکی کے زیرِ اقتدار سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس مُلک پر اُس کا اقتدار محض برائے نام تھا۔

Marfat.com

جنگ کریمیا: محمود مصلح کے بعد اس کا بیٹا عبدالمجید (۱۸۳۹ء تا ۱۸۶۱ء) اٹھارہ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ نوجوان سلطان محمود مصلح کا صحیح جانشین تھا۔ اُس نے بہت سی اصلاحات نافذ کیں۔ اور اپنی غیر مسلم رعایا کو بہت سے حقوق عطا کئے۔ روسیوں کو یہ کب گوارا تھا۔ کہ عثمانی سلطنت پھر مضبوط ہو جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے ۱۸۵۴ء میں ترکوں سے جنگ چھیڑ دی۔ برطانیہ اور فرانس نے بحیرہ رُوم میں اپنا اقتدار رکھنے کے لئے ترکوں کا ساتھ دیا۔ یہ جنگ جو جنگ کریمیا کہلاتی ہے۔ ۱۸۵۶ء میں ختم ہوئی۔ اگرچہ اس لڑائی میں روس کو شکست ہوئی تھی۔ لیکن جب صلح کی گفتگو ہوئی۔ تو رُوس نے اپنے ڈھب کی بہت سی شرطیں منوالیں۔

جنگ کریمیا کے بعد یہ کیفیت ہو گئی۔ کہ یورپ کی ساری سلطنتوں کی نگاہیں ترکی پر لگی تھیں۔ اور ہر سلطنت اس فکر میں تھی۔ کہ موقع ملے۔ تو سلطنتِ عثمانیہ کے کسی نہ کسی حصّے پر قبضہ کر لے۔

آئینی حکومت: ۱۸۷۶ء میں نوجوان ترکوں نے مدحت پاشا کی سرکردگی میں ایک نئی سیاسی جماعت قائم کی۔ یہ لوگ پرانے طرزِ حکومت سے بیزار تھے۔ اور چاہتے تھے۔ کہ آئینی حکومت قائم کر کے سلطنت عثمانیہ کے مختلف حصّوں کو پھر پوری طرح متحد کر دیا جائے۔ سلطان عبدالحمید (۱۸۷۶ء تا ۱۹۰۸ء) کو مجبوراً ان لوگوں کے مطالبات تسلیم کرنے پڑے۔ نیا آئین مرتب ہوا۔ اور ترکی میں پہلی مرتبہ پارلیمنٹ قائم کی گئی۔

جن دنوں ادھر آئینی حکومت کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی۔ بلقان میں آگ سی لگی ہوئی تھی۔ ہرزی گونیا نے تو سلطان عبدالحمید کی تخت نشینی سے پہلے ہی عَلَمِ بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ اب رُوس کے اشارے سے بلقان کی دوسری ریاستوں نے بھی سر اٹھایا۔ ابھی ان آفتوں سے نجات نہیں ہوئی تھی۔ کہ خود رُوس میدانِ جنگ میں آ کُودا۔ اگرچہ اِدھر سے تُرکی بہ تُرکی جواب دیا گیا۔ یعنی عثمانی فوجیں روسیوں کو قارص کے شہر سے نکال کر آگے بڑھیں۔ لیکن ایک دشمن ہوتا۔ تو تُرک اُس سے نمٹ لیتے۔ چاروں طرف سے فوجیں بڑھ رہی تھیں۔ کس کس کو جواب دیتے۔ آخر سلطان عبدالحمید نے پارلیمنٹ توڑ ڈالی۔ نیا آئین فسوخ کر دیا۔ اور اپنی ساری توجّہ جنگ پر مرکوز کر دی۔ لیکن شکست کھائی۔ پھر بھی پلونا کے معرکے میں عثمان پاشا نے جو بہادری دکھائی۔ وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گی۔ پہلے اُس نے دو معرکوں میں روس اور رومانیہ کی فوجوں کو شکست دے کر بھگا دیا۔ پھر پانچ مہینے تک پلونا کے قلعے کو بچائے رکھا۔ جب کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں۔ اور کمک اور رسد پہنچنے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ تو قلعے سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ دشمن نے قلعے کے چاروں طرف فوجیں پھیلا رکھی تھیں۔ زار

Marfat.com

روس خود فوج کی کمان کر رہا تھا۔ اگرچہ ترکوں کو کئی دن کا فاقہ تھا۔ ہونٹ سوکھے ہوئے تھے، اور چہرے زرد۔ لیکن اس عالم میں بھی نہ تو ہمت کے بازو سست ہونے پائے تھے۔ نہ تلوار کی کاٹ میں فرق آیا تھا۔ وہ روسیوں کی صفوں کو توڑتے ہوئے بڑھتے چلے گئے۔ لیکن جب فتح کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ تو مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے ۔

برلن کانگریس۔ ترکوں کی شکست کے بعد برلن میں عہدنامہ لکھا گیا۔ اس موقع پر روس، ترکی، اور بلقانی ریاستوں کے نمائندوں کے علاوہ برطانیہ، جرمنی اور آسٹریا کے نمائندے بھی موجود تھے۔ اس عہدنامے کے رو سے سرویا، رومانیہ اور مانٹی نیگرو آزاد ہو گئے۔ بلغاریہ کے دو حصے کر دیئے گئے۔ ایک حصہ ترکوں کے قبضے میں رہا۔ دوسرے کو آزادی مل گئی۔ تھسلی اور اپیرس یونان کے ہاتھ آئے۔ بوسینا اور ہرزی گونیا کا انتظام آسٹریا کے حوالے کر دیا گیا۔ قارص، اردہان اور باطوم کے شہر روس کو ملے۔ اس کے علاوہ اُسے ایک بہت بڑی رقم تاوانِ جنگ کے طور پر دی گئی۔ اس لوٹ میں برطانیہ کو بھی حصہ ملا۔ یعنی قبرص کا جزیرہ اُس کے ہاتھ آ گیا ۔

انجمن اتحاد و ترقی۔ سلطان عبدالحمید بڑا ہوشمند سیاست دان تھا۔ کوئی تیس برس تک یورپ کے مدبّروں سے جوڑ توڑ کرتا، اور سیاسی چالیں چلتا رہا۔ لیکن زمانہ بدل چکا تھا۔ مدحت پاشا نے جن خیالات کو ہوا دی تھی۔ وہ مُلک میں عام ہو رہے تھے۔ اُس کے ہم خیالوں نے مل کے انجمن اتحاد و ترقی کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ اِس انجمن کا مقصد یہ تھا۔ کہ سلطان کی مطلق العنانی کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور اختیارات عوام کے نمائندوں کے ہاتھ میں آ جائیں۔ لیکن سلطنتِ عثمانیہ برابر کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ ۱۸۸۰ء میں برطانوی فوجوں نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ اور تونس پر فرانس کا تسلّط ہو گیا ۔

۱۹۰۸ء میں نوجوان ترکوں نے انور پاشا کی سرکردگی میں انقلاب کا عَلم بلند کیا۔ اور ایسی طاقت پکڑی۔ کہ قسطنطنیہ پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ اب سلطان عبدالحمید خان کو معزول کر کے اُس کی جگہ محمد خامس کو تخت پر بٹھایا گیا۔ نئے سلطان کو مُلکی معاملات میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اور وہ انور پاشا اور اُس کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں بالکل کٹ پُتلی بنا ہُوا تھا۔ بلغاریہ تُرکوں کے اندرونی اختلافات سے فائدہ اُٹھا کے بالکل خود مختار ہو گیا۔ اور آسٹریا نے بوسینا اور ہرزی گونیا کو پوری طرح اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے تُرکی سے جنگ چھیڑ دی۔ اور بڑے زور کے معرکوں کے بعد طرابلس پر اُس کا قبضہ ہو گیا۔ ابھی یہ زخم تازہ تھا۔ کہ بلقان کی ریاستوں نے یورپ کی بڑی بڑی سلطنتوں کی شہ پا کر تُرکی پر چڑھائی کر دی۔ تُرکوں نے شکست کھائی۔ اور قسطنطنیہ اور اس کے آس پاس کے چھوٹے سے علاقے کے سوا یورپ کا کوئی حصّہ ان کے قبضے میں نہ رہا ۔

Marfat.com

۲۶ پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) ترکانِ عثمانی اپنی سلطنت کا بہت بڑا حصہ چھنوا بیٹھے تھے۔ لیکن ابھی اُن کی مصیبتیں ختم نہیں ہونے پائی تھیں کہ ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم چھڑ گئی۔ اس لڑائی میں برطانیہ، فرانس اور روس ایک طرف تھے، اور جرمنی اور آسٹریا دوسری طرف۔ ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دیا۔ اور اُن کی تباہی میں جو تھوڑی بہت کسر باقی رہ گئی تھی۔ وہ اس جنگ کی وجہ سے پوری ہو گئی۔ برطانیہ نے عربوں کو اُبھار کر ترکوں کے مقابلہ پر کھڑا کر دیا اور ان کی مدد سے فلسطین اور عراق پر قبضہ کر لیا۔ غرض جنگِ عظیم ختم ہوئی۔ تو حجاز، عراق، شام اور فلسطین ترکوں کے قبضے سے نکل چکے تھے۔ قسطنطنیہ اور تھریس میں اتحادی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اور تو اور ایشیائے کوچک میں بھی یونانی بڑھے چلے آرہے تھے۔

انہیں دنوں نوجوان ترکوں کی ایک جماعت نے مصطفےٰ کمال پاشا کی سرکردگی میں غیر ملکی اقتدار کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ اور اناطولیہ کے پہاڑی علاقے میں خاصی جمعیت فراہم کر لی۔ یہ خبر پھیلی۔ تو جانباز ترک ہر طرف سے سمٹ کر اس علاقے میں جمع ہو گئے۔ اور دشمنوں کو شکست دے کر ایشیائے کوچک کے علاوہ قسطنطنیہ اور اس کے آس پاس کا علاقہ ان سے خالی کرا لیا۔

جمہوری حکومت۔ مصطفےٰ کمال نے اناطولیہ کے ایک شہر انقرہ کو اپنا صدر مقام قرار دیا تھا۔ اور ۱۹۱۹ء میں وہاں عارضی طور پر ایک آئینی حکومت قائم کر لی تھی۔ اُن دنوں قسطنطنیہ پر اتحادی فوجوں کا قبضہ تھا۔ اور سلطان اتحادیوں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنا ہوا تھا۔ اُس نے آئینی حکومت کی مخالفت کی۔ چنانچہ جب قسطنطنیہ پر مصطفےٰ کمال کا قبضہ ہوا۔ تو محمد خامس کو معزول کر کے جمہوری انداز پر نئی حکومت کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اور ایک عثمانی شہزادے عبدالمجید کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ مناسب معلوم ہوا۔ کہ خلافت کو مٹا کے مکمل طور پر جمہوری حکومت قائم کر دی جائے۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں ترکی کی مجلسِ ملّی نے خلافت کو مٹانے کا فیصلہ کیا۔ ترکی میں جمہوریت قائم ہوئی۔ اور مصطفےٰ کمال پاشا اس کا پہلا صدر مقرر ہوا۔ عثمانی خلیفہ اور اس کے خاندان کے لوگ جلا وطن کر دیئے گئے۔ اس طرح عثمانی خلافت مٹ گئی۔ اور جمہوریہ ترکی نے اس کی جگہ لے لی۔

۲۷ عثمانی سلطنت کا طرزِ حکومت۔ عثمانی خاندان نے ساڑھے چھ سو سال سے اوپر حکومت کی۔ ابتدا میں وہ صرف سلطان کہلاتے تھے۔ پھر جب سلطان سلیم اول نے آخری عبّاسی خلیفہ متوکّل سے خلافت کی سند حاصل کر لی۔ تو عثمانی سلاطین کو خلیفۃ المسلمین کہا جانے لگا۔ عثمانی خلفاء عبّاسیوں کے صحیح جانشین تھے۔ ترکستان اور ایران کو

Marfat.com

چھوڑ کر وہ سارا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ جو ایک زمانے میں عبّاسیوں کے ماتحت رہا تھا۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے یورپ میں بھی بڑے وسیع علاقے پر قبضہ کر رکھا تھا +

عثمانی خلفاء وزیر اعظم اور شیخ الاسلام کی مدد سے سلطنت کا انتظام کرتے تھے۔ وزیر اعظم کے ماتحت جو عُہدہ دار تھے۔ وہ دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک گروہ اصحاب سیف کا تھا' دوسرا اہلِ قلم کا۔ اہلِ قلم کے گروہ میں سلطنت کے مختلف محکموں کے وزیر اور اُن کے نائب شامل تھے۔ صوبوں کے والی' فوجی افسر' اور امراء اصحاب سیف کہلاتے تھے +

سلطنت عثمانی بہت سے صوبوں میں بٹی ہوئی تھی۔ صوبہ کو "ایالت" یا "ولایت" کہتے تھے۔ ہر صوبہ کئی ضلعوں میں منقسم تھا۔ جنہیں سنجق یا لِوا کہتے تھے۔ صوبوں کے حاکم پاشا یا بیلربے کہلاتے تھے اور رُتبہ کے اعتبار سے وزیر کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ وہ صرف صوبے کا انتظام ہی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ فوج بھی انہیں کے ماتحت ہوتی تھی۔ ہر صوبے میں اضلاع کے نمائندوں کی ایک مجلس بھی قائم تھی۔ جو صُوبے کے حاکم کو اہم معاملات کے متعلق مشورہ دیتی تھی۔ ضلع کا حاکم میر لوا یا سنجق بے کہلاتا تھا +

ان دونوں گروہوں کے علاوہ ارباب شریعت کا ایک گروہ بھی تھا۔ جس میں قاضی اور مفتی شامل تھے۔ یہ لوگ مقدمات کے فیصلے بھی کرتے تھے۔ فقہی مسائل کے متعلق اپنی رائے بھی دیتے تھے۔ اِس محکمہ کا افسر اعلےٰ جو شیخ الاسلام کہلاتا تھا۔ رُتبے کے اعتبار سے وزیر اعظم سے دوسرے درجے پر سمجھا جاتا تھا۔ لیکن ایک لحاظ سے دیکھا جائے۔ تو وہ اثر و اقتدار کے اعتبار سے سلطان پر بھی فوقیت رکھتا تھا۔ کیونکہ اگر سلطان کا کوئی حکم شریعت اسلامی کے خلاف ہوتا تھا۔ تو شیخ الاسلام اسے منسوخ کر دیتا تھا۔ شیخ الاسلام کے ماتحت دو بڑے افسر تھے۔ ایک قاضی عسکر رومیلیا جو گویا سلطان کے یورپی مقبوضات کا قاضی القضاۃ تھا۔ دوسرا قاضی عسکر اناطولیہ' جسے عثمانیوں کے ایشیائی مقبوضات کا قاضی القضاۃ سمجھنا چاہیئے مختلف علاقوں میں جو قاضی مقرر تھے۔ وہ دونوں افسروں کے ماتحت سمجھے جاتے تھے +

عثمانی سلاطین ایک مجلس کے ذریعے اپنی وسیع سلطنت پر حکومت کرتے تھے۔ جو دیوان کہلاتی تھی۔ شروع شروع میں تو اس مجلس میں صرف تین وزراء شامل تھے۔ آگے چل کر محکموں کے افسروں کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ دیوان کے اجلاس وزیر اعظم کی صدارت میں منعقد ہوتے تھے۔ دیوان کے سامنے اہم مُلکی معاملات بھی پیش ہوتے تھے۔ اِس کے علاوہ اُسے عدالت عالیہ کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ اور اُس کے سامنے اپیلیں بھی پیش کی جاتی تھیں۔ دیوان کے

Marfat.com

ارکان میں شیخ الاسلام کے علاوہ روملیا اور اناطولیہ کے قاضی العسکر بھی شامل تھے ٭

فوج ۔ تُرکانِ عثمانی کی فوج بڑی طاقت ور منظّم اور اسلحہ سے پوری طرح آراستہ تھی چنانچہ اسی فوج کی بدولت مشرقی یورپ کے ایک بہت بڑے حصّوں پر تُرکوں کا تسلّط تین سو برس سے زیادہ عرصے تک قائم رہا۔ باقاعدہ فوج جو ینی چری کہلاتی تھی۔ اپنی بہادری اور شجاعت کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتی تھی۔ اور اُس کی وجہ سے عثمانی سلطنت کو بڑی تقویت حاصل تھی۔ لیکن آگے چل کے اُس کی سرکشی نے تُرکوں کے اقتدار کو بڑا نقصان پہنچایا۔ سترھویں صدی میں ینی چریوں کی تعداد ستر ہزار سے زیادہ تھی۔ ۱۸۲۶ء میں سلطان محمود مصلح نے اُنہیں بالکل نیست و نابود کر دیا ٭

اس کے علاوہ سوار فوج بھی تھی جس کی فراہمی امراء کے ذمّے تھی۔ یہ سپاہیوں کی فوج کہلاتی تھی۔ اور اس کی تعداد ایک زمانے میں دو لاکھ سے اوپر تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ینی چریوں میں سے بھی سواروں کی ایک فوج بھرتی کی گئی تھی۔ تُرکوں کا توپ خانہ بھی بڑا زبردست تھا۔ دراصل مسلمانوں میں سب سے پہلے تُرکوں نے آتشیں اسلحہ سے کام لینا سیکھا۔ اِس لئے انہیں توپیں ڈھالنے اور اُن سے کام لینے میں بڑی مہارت حاصل ہو گئی تھی۔ ہندوستان بابر کے ذریعے توپ اور بندوق سے آشنا ہوا۔ اور وہ بھی نسل کے لحاظ سے تُرک تھا۔ اکثر آتشیں اسلحہ کے نام جو اُردو میں استعمال ہوتے ہیں۔ تُرکی ہی سے لئے گئے ہیں ٭

بحری فوج کی طرح تُرکوں کی بحری فوج بھی بڑی طاقت ور تھی۔ اور ایک زمانے میں تو انہوں نے بحیرہ رُوم پر پوری طرح اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا۔ قبرص، کریٹ، روڈس، مالٹا اور سسلی کے جزیروں کے علاوہ الجزائر تک شمالی افریقہ کا سارا ساحلی علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ بحری فوج کا افسر اعلےٰ قابودان پاشا کہلاتا تھا جس کا شمار سلطنت عثمانیہ کے بڑے بڑے عہدہ داروں میں ہوتا تھا۔ قسطنطنیہ کا شہر جہاز سازی کی صنعت میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ یہاں اعلیٰ درجے کے جنگی جہاز بنائے جاتے تھے۔ جن پر دُور دُور تک مار کرنے والی توپیں نصب ہوتی تھیں ٭

معاشرت ۔ تُرکانِ عثمانی شروع شروع میں لمبے کُرتے اور شلواریں پہنتے تھے۔ اور اُن کے سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں ہوتی تھیں۔ سلطان محمود مصلح کے عہد حکومت میں لمبے کُرتے کی جگہ قمیص، اور شلوار کی جگہ پتلون نے رواج پایا۔ اور پگڑی کی بجائے اونچی دیوار کی ٹوپی جو ہمارے مُلک میں تُرکی ٹوپی کہلاتی ہے۔ اختیار کر لی گئی۔ اس زمانے میں بھی پردے کی پابندی کی جاتی تھی۔ لیکن عورتوں میں تعلیم عام ہو گئی تھی۔ اور پردہ بھی اِس قسم کا تھا۔ جو عورتوں کے آزادانہ

Marfat.com

Marfat.com

چلنے پھرنے اور کام کاج کرنے میں رُکاوٹ ثابت نہیں ہوتا تھا۔ یعنی عورتوں کا چہرہ ناک سے ٹھوڑی تک ایک رومال سے ڈھکا رہتا تھا۔ لیکن آنکھیں کھُلی رہتی تھیں ٭

تُرک سلاطین بڑی شان و شوکت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے محل چھوٹے موٹے شہر ہوتے تھے۔ جن میں تقریباً بارہ ہزار لونڈی غلام اور چھوٹے موٹے عُہدہ دار موجود تھے۔ شاہی محل کی بڑی ڈیوڑھی کو باب ہمایوں یا باب عالی کہا جاتا تھا اور اسی ڈیوڑھی کے نام پر تُرکی کی حکومت بھی باب عالی کہلاتی تھی۔ انیسویں صدی میں بہت سے اخراجات اڑا دیئے گئے تھے۔ پھر بھی سلطان کے ذاتی اخراجات بیس لاکھ پونڈ سالانہ کے قریب تھے۔ تُرک سلاطین نے کئی شان دار محل اور عالیشان مسجدیں نئی نئی جگہ جگہ مدرسے اور شفا خانے کھولے۔ سرائیں اور حمّام تعمیر کرائے۔ اِس عہد کی عمارتوں کا انداز تعمیر بہت اعلےٰ ہے۔ قسطنطنیہ میں جو دُنیا کے بڑے خوبصورت شہروں میں سے ہے۔ اُس عہد کی اکثر یادگاریں موجود ہیں مسجد سلیمانیہ جو سلیمان اعظم کے عہد میں تعمیر ہوئی تھی۔ تُرکانِ عثمانی کے طرزِ تعمیر کا سب سے اعلےٰ نمونہ ہے ٭

تُرکوں کے تمدّن پر عربوں اور ایرانیوں کی تہذیب نے بڑا اثر ڈالا ہے لیکن اِس کے ساتھ ساتھ اُس میں اناطولیہ کے سلجوقیوں اور وسطِ ایشیا کے خانہ بدوش قبیلوں کی خصوصیات بھی جھلکتی نظر آتی ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں وہ ایران کے پیرو ہیں۔ انہوں نے بعض سیاسی خیالات بھی ایران سے لیئے ہیں۔ اناطولیہ کے سلجوقی سلاطین نے بھی اُن پر اثر ڈالا ہے۔ کیونکہ سلجوقیوں کے زمانے میں جو محکمے قائم ہوئے تھے اُن میں سے بعض تُرکانِ عثمانی کے زمانے میں بھی قائم رہے۔ جنگجوئی اور مُلک گیری کا مذاق انہیں وسط ایشیا سے ملا ہے۔ مذہب، مختلف علوم، سیاست اور تمدّن کے اصولوں کے لئے وہ عربوں کے شرمندۂ احسان ہیں۔ تُرک بڑے سیدھے سادے اور مہمان نواز لوگ ہیں۔ اور اپنے سپاہیانہ کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ مشہور رہے ہیں۔ اُنہوں نے جس بہادری سے صدیوں تک یورپ کی سلطنتوں کا مقابلہ کیا۔ اُس کی وجہ سے وہ اسلامی دُنیا میں بڑی عزّت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں ٭

علمی ترقی۔ اگرچہ تُرکانِ عثمانی کی عُمریں تلوار کے سائے میں گزر گئیں۔ اور اُنہیں اطمینان سے علوم و فنون کی ترقی کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ تاہم علمی ترقی کے اعتبار سے بھی اُن کا عہد غنیمت معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کئی اعلیٰ درجے کے شاعر اور ادیب پیدا کیئے ہیں۔ ترک شعراء میں غازی فاضل احمد پاشا اور صنعان پاشا بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ سلطان محمد فاتح خود بہت اچھا شاعر اور علم و فن کا قدردان تھا۔ اِن دنوں خواتین میں شعر و سخن کا مذاق پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ مہری اور زینب نے

← قسطنطنیہ کی مسجد سلیمانیہ

Marfat.com

شاعری میں بڑا نام پیدا کیا۔ سلطان سلیم اعلےٰ درجے کا شاعر تھا۔ ابن کمال اور مسیحی اُس زمانے کے مشہور شاعر ہیں۔ سلیمان اعظم کے عہد میں فضولی اور باقی نے شہرت حاصل کی۔ اٹھارویں صدی کے شعراء میں ندیم اور شیخ غالب بہت مشہور ہیں ٭

انیسویں صدی میں تنظیمات کے نام سے ایک نئی تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کا بانی شناسی تھا جس پر فرانسیسی ادب اور شاعری کا بڑا اثر پڑا تھا۔ اِس تحریک سے تعلق رکھنے والوں میں نامق کمال، عبدالحق اور ضیا پاشا بہت مشہور ہیں۔ اِس صدی کے اخیر میں ادبیات جدید کے نام سے ایک اور تحریک شروع ہوئی جس نے خالد ضیا، توفیق فکرت اور محمد عاکف وغیرہ ادیب پیدا کیئے۔ یہ لوگ یورپ کے شاعروں اور ادیبوں کے خیالات سے بہت زیادہ متاثر تھے ٭

عثمانی فرماں رواؤں کے عہد میں جغرافیہ اور جہازرانی کے متعلق بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے گئے۔ نقشے اور چارٹ بھی تیار ہوئے۔ مشہور ترک امیرالبحر پیری رئیس نے ۱۸۲۳ء میں بحریہ کے نام سے بحیرہ روم کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ سترھویں صدی میں قسطنطنیہ کے مشہور عالم حاجی خلیفہ نے کشف الظنون لکھی۔ جو جغرافیہ کی مشہور کتاب ہے۔ سیدی علی نے مراۃ الممالک کے نام سے سفرنامہ لکھا۔ المحیط جس میں بحرِ ہند کے حالات ہیں۔ اسی مصنف کی کتاب ہے۔ تاریخ سیاح ایک اور سیاحت نامہ ہے۔ جس کا مصنف چلپی ہے ٭

Marfat.com

اسلام اُنیسویں اور بیسویں صدی میں

تم پڑھ چکے ہو۔ کہ اسلام عرب سے نکل کر کس طرح دُنیا کے مختلف حصوں میں پھیلا۔ عربوں نے کیونکر بڑے بڑے وسیع علاقے فتح کیے۔ اُن کے قدم دُنیا کے کن کن حصوں میں پہنچے۔ اسلام کی سیدھی سادی تعلیم نے کس طرح دِلوں پر اپنا نقش بٹھایا۔ اُونچ نیچ کی تمیز کس طرح مٹی۔ انسانی مساوات کا پرچم کیونکر بلند ہوا۔ اور مختلف قوموں اور نسلوں کے لوگ کس طرح اسلام کے سایۂ رحمت میں آئے۔ تم یہ بھی جانتے ہو۔ کہ یہ مختلف قوموں کے لوگ اسلام کا پیغام لے کر دُنیا کے مختلف حصّوں میں پھیل گئے۔ اُنہوں نے ریگستانوں میں چمن کھلائے۔ سنسان بیابانوں میں خوبصورت شہر بسائے۔ اور علم و حکمت کے جو نگینے مٹّی تلے دبے پڑے تھے۔ اُنہیں کھود نکالا۔ علوم و فنون کی مختلف شاخوں میں ایجاد کے پھول کھلائے۔ اور علم و دانش کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا +

تاریخ اسلام کسی ایک مُلک یا قوم کے عروج و اقبال کی داستان نہیں۔ بلکہ اس کا دائرہ کئی ملکوں اور کئی قوموں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کے طرزِ حکومت میں بھی یکسانی نظر نہیں آتی۔ بلکہ حکمرانی کے طریقے اور فرمانروائی کے قاعدے زمانے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہے ہیں۔ سچ پوچھو۔ تو اسلامی حکومت کی اصلی شان صرف خلفائے راشدین کے مبارک زمانے تک قائم رہی اس کے بعد حکومت کا انداز بالکل بدل گیا۔ اسلام نے جمہوریت کے جن اصُولوں کی تعلیم دی تھی۔ مسلمان انہیں بھلا بیٹھے۔ اور حکومت خاندانی وراثت بن کر رہ گئی۔ ہاں ایک بات ضرور ہے۔ کہ اس زمانے میں بھی اکثر معاملات میں شریعت پر عمل کیا جاتا تھا۔ اور جابر سے جابر فرماں روا کو بھی کھلم کھلا قرآنی احکام کی خلاف ورزی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ جمہوریت کے راستے سے ہٹ جانے کے باوجود مسلمان انسانی مساوات کو نہیں بھُولے۔ اسلام نے خاندان کا غرور، شرافت کا گھمنڈ اور ذات پات کی تمیز ہمیشہ کے لئے مٹا دی تھی۔ ادنٰے غلام فرشِ خاک سے اُٹھ کر تختِ سلطنت پر جا بیٹھتے تھے۔ اور کسی کو اُن کے خاندان اور نسب پر طعن کرنے کی جُرأت نہیں ہوتی تھی +

مُسلمانوں میں مصیبتوں کا مقابلہ کرنے اور دب دب کر اُبھرنے کی جو غیر معمولی صلاحیت نظر آتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ تو اُن کی قوت ایمانی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ انہوں نے مساوات کے اہم اصول کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھّا ہے۔ اور رنگ اور نسل، نسب اور خاندان کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ ایک سردار زخم کھا کر گرا۔ عام سپاہیوں میں سے

Marfat.com

کسی نے بڑھ کر گرتے ہوئے عَلَم کو سنبھال لیا۔ اور سارا لشکر اُس کے گرد جمع ہو گیا۔ ایک خاندان مٹ گیا۔ کسی گمنام شخص نے اُٹھ کر ایک اور حکمران خاندان کی بنیاد ڈال دی۔ اور کسی کو خیال بھی نہ آیا۔ کہ نیا سردار کس خاندان سے ہے۔ اس کے باپ دادا کون تھے۔ محمود غزنوی جس نے غزنی کی خاک سے اُٹھ کر ایک عالم میں غلغلہ ڈال دیا تھا۔ ایک ترک غلام کا بیٹا تھا۔ سلجوقی بادیہ نشین ترک تھے۔ صلاح الدین ایوبی جس کے کارنامے شجاعت کی پیشانی کا نور ہیں۔ کرد تھا۔ مملوک سلاطین غلام تھے جو پہلے قاہرہ کے بازاروں میں آکے بکے۔ اور پھر مسند حکومت پر جا بیٹھے ٭

یہ گر گر کے سنبھلنے کی صلاحیت مسلمانوں کا خاص وصف ہے جس نے دُنیا کو بار بار اچنبھے میں ڈال دیا ہے۔ صلیبی جنگوں کا طوفان اُمڈا۔ تو مسلمانوں کی تباہی میں کون سی کسر باقی رہ گئی تھی لیکن وہ اس طوفان سے بچ نکلے۔ ہلاکو کی تلوار نے عباسی خلافت کو مٹا دیا۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ لیکن مسلمانوں کو وہ بھی نہ مٹا سکا۔ اور انہوں نے کچھ عرصے کے بعد پھر بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر لیں۔ یورپ کی سلطنتوں نے بڑا عروج حاصل کر لیا۔ اور بہت سے اسلامی مُلک اُن کے قبضے میں آگئے۔ لیکن مسلمان ابھی تک یورپ، ایشیا اور افریقہ میں قدم جمائے کھڑے ہیں۔ مسلمانوں کے کئی علاقے آزاد ہو چکے ہیں۔ اور جو علاقے یورپ والوں کے قبضے میں ہیں۔ وہ بھی آزادی کی منزل کی جانب بڑھتے چلے جا رہے ہیں ٭

یورپ کی سلطنتوں کا عروج تم پڑھ چکے ہو۔ کہ یورپ کے مُلکوں نے جو نوآبادیاں قائم کر لی تھیں۔ اُن کی وجہ سے وہ بڑے طاقتور اور دولتمند ہو گئے تھے۔ اِس کے علاوہ اِن دِنوں یورپ میں علم کا شوق بڑی ترقی کر رہا تھا۔ یورپ والوں نے عربوں سے کاغذ سازی کا فن سیکھ کے جگہ جگہ کاغذ کے کارخانے قائم کر لیے تھے۔ عیسائی اہلِ علم جو مسلمانوں کے خوشہ چین تھے۔ دینیات اور فلسفہ کے بجائے تاریخ اور طبیعیات پر زیادہ توجہ صرف کرنے لگے تھے۔ اِسی زمانہ میں چھاپہ ایجاد ہوا۔ اور ہر طرف علم کی نہریں جاری ہو گئیں۔ یورپ والوں نے مسلمانوں سے جو کچھ سیکھا تھا۔ اُس پر بہت سے اضافے کیے۔ نظامِ معاشرت اور طرزِ حکومت کے متعلق طرح طرح کے نظریئے عالمِ وجود میں آئے۔ اور انسان کے فطری حقوق پر بڑا زور دیا جانے لگا۔ ان دِنوں یورپ میں جس قسم کا طرزِ حکومت رائج تھا۔ لوگ اُس سے مطمئن نہیں تھے۔ پرانے معاشرتی نظام کے متعلق بھی بددلی پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ پہلے امریکہ میں اور پھر فرانس میں اس زور سے انقلاب کی آندھیاں چلیں۔ جنہوں نے پرانے نظام حکومت کا تانا بانا بکھیر کے رکھ دیا۔ اور جمہوریت نے بادشاہت کی جگہ لے لی۔ اِس سیاسی انقلاب کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت کے طور طریقے بھی بدلے۔ بھاپ کے زور سے کلیں چلنے لگیں۔ جا بجا کارخانے کھلے۔ یورپ والے عروج و کامرانی کے راستے

پر بڑی تیزی سے بڑھتے چلے گئے۔ اور ان کی طاقت و قوت اور دولت و حشمت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا +

اگرچہ مسلمان ہمیشہ سے علم و ہنر کے عاشق تھے۔ تاہم ترقی کی اس دوڑ میں وہ یورپ والوں سے پیچھے رہ گئے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ اسلام میں شخصی حکومت کی کوئی گنجائش نہیں۔ خلافت راشدہ جسے صحیح معنوں میں اسلامی حکومت کہنا چاہیئے۔ ہر حیثیت سے جمہوری حکومت تھی۔ لیکن جب یورپ میں جمہوریت کا غلغلہ بلند ہوا۔ تو اسلامی ملکوں میں جا بجا شخصی حکومتیں قائم تھیں۔ اور مسلمان حکمران نظامِ حکومت کو بدلنے اور جمہوری اصولوں کو قبول کرنے میں سب سے پیچھے نظر آتے تھے۔ اس کے علاوہ یورپ میں جو نئی نئی ترقیاں ہو رہی تھیں۔ اُن سے بھی مسلمانوں نے چنداں فائدہ نہ اٹھایا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یورپ والوں نے اسلامی ملکوں میں جا بجا اپنا اقتدار قائم کر لیا +

اِسلامی ممالک پر یورپ کا غلبہ۔ تم جانتے ہو۔ کہ امیر تیمور کے خاندان کے ایک شخص بابر نے ہندوستان میں ایک طاقت ور سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں یہ سلطنت اپنی پوری بہار پر تھی۔ اُس کے انتقال کے بعد حکومت میں زوال کے آثار نظر آنے لگے۔ اور یہ وسیع سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ یورپ کے لوگوں نے جو تجارت کے لئے اِس سرزمین میں آئے تھے۔ اِس موقع سے فائدہ اُٹھا کر کچھ علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اب یورپ کی مختلف قومیں اس سرزمین میں اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے آپس میں لڑنے بھڑنے لگیں۔ اِن معرکوں میں برطانیہ کی جیت ہوئی۔ اور اُس نے سارے ہند و پاکستان پر قبضہ کر لیا۔ مشرق بعید میں بھی قریب قریب یہی صورت پیش آئی۔ جزائر شرق الہند پر ہالینڈ نے اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اور جزیرہ نمائے ملایا کے علاوہ بورنیو کا ایک حصہ انگریزوں کے ہاتھ آیا +

ترکستان اور ماوراء النہر کے علاقے اسلامی تاریخ میں بڑی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ اِس خاک سے بڑے بڑے فاتح اُٹھے۔ علم و فن کے لحاظ سے بھی یہ علاقہ بہت مشہور رہا ہے چنانچہ سمرقند و بخارا جو اسلامی تہذیب کے بڑے مرکز سمجھے جاتے رہے ہیں۔ اِسی علاقے میں ہیں۔ لیکن رُوس نے مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر وسط ایشیا کے اِن ملکوں پر قبضہ کر لیا۔ آرمینیا اور گرجستان پر بھی روسیوں کی عملداری قائم ہو گئی۔ ترکستان کا مشرقی حصہ جو آج کل سِن کیانگ کہلاتا ہے۔ چینیوں کے ہاتھ آیا۔ عثمانیوں کی وسیع سلطنت پر جو گزری اس کا حال تم پڑھ چکے ہو۔ بلقان اور شمالی افریقہ کی ریاستیں تو انیسویں صدی ہی میں اُن کے ہاتھ سے نکل چکی تھیں۔ جو علاقے باقی رہ گئے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد یورپ کی سلطنتوں نے اُن کے بھی حصے بخرے کر لئے۔ مصر، قبرص، طرابلس، سائرانیکا، تونس اور الجزائر پر ترکی کا کوئی دعوے نہ رہا۔ عراق، شام، لبنان، فلسطین،

Marfat.com

حجاز اور جزائر ڈوڈوکنیز بھی اس کے قبضے سے نکل گئے۔ گویا عثمانی سلطنت بالکل ختم ہوگئی ٭

پہلی جنگِ عظیم سے بہت پہلے فرانس نے تونس اور الجزائر پر قبضہ کرلیا تھا۔ مراکش کے بھی دو حصّے ہوگئے تھے۔ ایک پر فرانس کا اقتدار تھا، دوسرے پر ہسپانیہ کا۔ لیبیا میں اٹلی نے اپنی عملداری قائم کرلی تھی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اُس نے یمن سے بھی اپنے تعلقات قائم کرلیے۔ شام اور لبنان فرانس کے ہاتھ آئے۔ مصر پر پہلے ہی برطانیہ کا اقتدار قائم تھا۔ جنگ کے بعد عراق اور فلسطین بھی اُس کے دائرہ اقتدار میں آگئے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد مشرقِ وسطےٰ کے اسلامی مُلکوں کے بارے میں برطانیہ کی حکمت عملی یہ رہی ہے۔ کہ یہ علاقے اس کے اقتدار کے دائرے سے نکلنے نہ پائیں۔ تاکہ نہرِ سویز پر جو بڑی اہم سمندری شاہراہ ہے اُس کا قبضہ رہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اِن مُلکوں کی قدرتی دولت خاص طور پر تیل کے ذخیروں سے پوری طرح فائدہ اُٹھاتا رہے۔ اُس نے ایسی چالیں چلیں۔ کہ ایران، مصر، عراق اور شرق اُردن وغیرہ اُس کے حلقۂ اثر سے نکلنے نہ پائے چنانچہ اس نے مشرقِ وسطےٰ کی دولت سے خوب ہاتھ رنگے ٭

نئی زندگی۔ اُدھر مشرقِ وسطےٰ کے اسلامی مُلکوں میں یورپ کی سلطنتیں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے جوڑ توڑ کر رہی تھیں۔ اور اِدھر مختلف اسلامی مُلکوں میں غیر مُلکی اقتدار سے نجات پانے اور مسلمانوں کی عظمت و شوکت بحال کرنے کا جذبہ بڑی ترقی کر رہا تھا۔ دراصل یہ تحریک انیسویں صدی ہی میں شروع ہوچکی تھی۔ چنانچہ سیّد احمدؒ بریلوی کی تحریک جہاد کو اسی سلسلے کی ایک کڑی سمجھنا چاہیئے۔ اُنہوں نے انیسویں صدی کے شروع میں ہندوپاکستان میں علمِ جہاد بلند کیا تھا۔ اور اُس زمانے کے بعض بڑے بڑے علماء نے اُن کا ساتھ دیا تھا۔ اگرچہ اُنہیں اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔ تاہم اُن کے بعد بھی اُن کے پیرؤں نے جدوجہد جاری رکھی ٭

سنہ ۱۸۳۳ء میں امیر عبدالقادر نے جو فقہا کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ الجزائر کی فرانسیسی حکومت کے خلاف بغاوت کا نشان لہرایا۔ اور اُسے پے در پے شکستیں دے کر الجزائر کے ایک حصّے میں اپنی حکومت قائم کرلی لیکن سنہ ۱۸۴۷ء میں شکست کھا کر قید ہوئے۔ اور الجزائر کی اِس آزاد اسلامی ریاست کا نام و نشان مِٹ گیا ٭

انیسویں صدی کے مُسلمان رہنماؤں میں سیّد جمال الدّین افغانی بڑی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ سیّد موصوف افغانستان کے رہنے والے تھے۔ وطن میں ایسے حالات پیش آئے۔ کہ انہیں مجبور ہوکر نکلنا پڑا۔ پہلے مصر گئے۔ پھر ایران اور ترکی کی سیر کی لیکن جہاں گئے۔ لوگوں میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی۔ اُن کی تحریک جو عام طور پر پان اسلامزم یعنی اتحادِ اسلامی کی

تحریک کہلاتی ہے۔ دُور دُور پھیلی ہوئی تھی چنانچہ اِس تحریک کی برکت سے مسلمانوں کے دِل اور دماغ دونوں نے جِلا پائی یعنی ان میں یہ احساس پیدا ہوا کہ وہ علم و فن اور تہذیب و تمدّن کے لحاظ سے کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ چنانچہ اسی احساس کی بدولت جدید علوم و فنون کی طرف ان کی توجہ ہوئی۔ جا بجا مدرسے اور کالج کھُلے۔ تنظیم اور اصلاح کا غلغلہ بلند ہوا۔ مُلکی آزادی اور سیاسی ترقی کی اُمنگیں دِلوں میں پرورش پانے لگیں۔ لیکن مختلف مُلکوں میں اس تحریک کا انداز مختلف تھا۔ کہیں تو غیر مُلکی اقتدار پر اُس کی زد پڑی۔ کہیں اونچے طبقے کے لوگوں کو اُن کے حقوق اور اختیارات سے محروم کرنے اور نظامِ حکومت کو بدلنے کی کوشش کی گئی۔ مِصر میں فلّاحین یعنی کسانوں نے حقوق حاصل کرنے کے لئے ایک تحریک شروع کی تھی۔ سیّد جمال الدّین افغانی کی تحریکِ اصلاح کی وجہ سے فلّاحین کی اس تحریک کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ فلّاحین کے رہنما مِصر کے ایک فوجی افسر اعرابی پاشا تھے۔ اُن کی سرکردگی میں فوج نے بغاوت کر دی۔ لیکن یہ بغاوت ناکام ثابت ہوئی۔ اعرابی پاشا کو گرفتار کر کے جلا وطن کر دیا گیا۔ تاہم جد و جہد جاری رہی! ور سیّد جمال الدّین افغانی کے ایک شاگرد سعد زاغلول پاشا کی رہنمائی میں اُس نے بڑا زور پکڑ لیا۔

دوسرے مُلکوں کے مسلمانوں نے تو اتّحادِ اسلامی کا عَلَم بلند کر رکھا تھا۔ لیکن تُرکی کو جو صدیوں تک سارے عالمِ اسلام کا مرکز سمجھا جاتا رہا تھا۔ اتّحادِ اسلامی کی تحریک سے کوئی واسطہ نہ رہا۔ خلافت مٹا دی گئی۔ اور اس کی جگہ نئے انداز کی جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ جسے مذہب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ایران میں بھی ایک خالص قومی تحریک شروع ہوئی جس کا مقصد یہ تھا۔ کہ ایران کو غیر مُلکیوں کی لُوٹ کھسوٹ سے بچایا جائے۔ عربوں میں بھی وطنیت کا جذبہ بیدار ہوا۔ اور انگریزوں نے اُنہیں اُبھار کے تُرکوں کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ تاہم اتّحادِ اسلامی کی تحریک پوری طرح مٹ نہ سکی۔ چنانچہ اسلامی ممالک میں باہمی اتحاد کا جذبہ موجود رہا۔ جو کبھی کبھی پُوری قوّت سے اُبھر آتا تھا۔ چنانچہ ۱۹۳۷ء میں تُرکی، عراق، ایران اور افغانستان میں باہمی اتّحاد کا جو معاہدہ ہوا۔ اُسے اِسی جذبے کا کرشمہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن مسلمانوں میں یورپ کی سلطنتوں کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں تھی۔ اِس لئے یہ معاہدہ جو میثاق سعد آباد کہلاتا ہے۔ بے نتیجہ ثابت ہوا۔

اُنیسویں صدی کے آخری پچیس برسوں اور بیسویں صدی کے نصف اول میں اور بھی کئی تحریکیں پیدا ہوئیں ۱۸۸۱ء میں سیّد محمد المہدی نے جو عام طور پر مہدی سُوڈانی کہلاتے ہیں۔ انگریزوں کو پے در پے شکستیں دے کر کچھ عرصے کے لئے سُوڈان سے بالکل نکال دیا۔ شیخ سنّوسی نے جو درویشوں کے ایک سلسلہ کے پیشوا تھے۔ لیبیا میں اطالویوں کو بہت زِچ کیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد امیر عبدالکریم ریفی نے مراکش میں ہسپانویوں اور فرانسیسیوں کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کر کے امیر عبدالقادر الجزائری کے معرکوں

Marfat.com

کی یاد تازہ کر دی +

ہندوستان اور جزائر شرق الہند میں بھی اسی قسم کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ دُوسری جنگ عظیم کے بعد جزائر شرق الہند کے لوگوں نے ڈاکٹر عبدالرحیم سوئیکارنو کی قیادت میں آزادی کا نشان لہرایا۔ ولندیزوں کو اس سرزمین سے نکلنا پڑا اور انڈونیشیا کی نئی اسلامی حکومت عالم وجود میں آئی۔ اِدھر جزیرہ نمائے ہند میں مسلم لیگ نے ایک آزاد اسلامی حکومت کا مطالبہ پیش کیا جو بالآخر منظور کر لیا گیا۔ اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں پاکستان کی نئی مملکت قائم ہوئی +

آج کل دُنیا کے مختلف حصّوں میں مسلمانوں کی جو حکومتیں قائم ہیں۔ اب اُن پر ایک نظر ڈالو :۔

تُرکی تم پڑھ چکے ہو۔ کہ تُرکی کی موجودہ جمہوری حکومت کے بانی ایک تُرک جرنیل مصطفےٰ کمال تھے۔ جنہوں نے اتاتُرک کے لقب سے شہرت پائی ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد انہوں نے قسطنطنیہ سے نکل کر اناطولیہ کے پہاڑوں کا رُخ کیا۔ اور بہت سے تُرک جانبازوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر کے پہلے یونانیوں کو سمرنا سے نکالا۔ پھر دشمنوں سے قسطنطنیہ اور اس کے آس پاس کا علاقہ خالی کرایا۔ لوزان کے مقام پر ایک عہدنامہ ہوا جس میں برطانیہ اور اس کے ساتھیوں نے تُرکی کی خود مختاری تسلیم کر لی۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر مصطفےٰ کمال نے مُلک کے اندرونی معاملات کی جانب توجّہ کی۔ عثمانی خلافت کو جو بالکل بے معنی

تُرکی کے دارالحکومت انقرہ کا ریلوے اسٹیشن

Marfat.com

بلقان کے علاقے کی ایک مسلمان لڑکی

ہو کر رہ گئی تھی مٹا کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی۔ پرانے قانون موقوف ہوئے۔ اور اُن کی جگہ نئے قاعدے باندھے گئے۔ اس کے علاوہ ترکی میں یورپی طرزِ معاشرت نے رواج پایا۔ اور ملک میں جابجا یورپ کا عام لباس پہنا جانے لگا۔ عورتوں نے نقاب پہننا ترک کر دیا۔ اور ترکی زبان عربی حروف کے بجائے رومن حروف میں لکھی جانے لگی۔ مصطفےٰ کمال نے فوج کی تنظیم بھی نئے سرے سے کی۔ سمندری فوج کو ترقی دی۔ فضائی بیڑا قائم کیا۔ اور اس طرح اپنے ملک کو بہت طاقت ور بنا دیا +

ترکی کوئی بڑا ملک نہیں۔ اس کا رقبہ تین لاکھ مربع میل ہے۔ اور آبادی دو کروڑ سے بھی کم۔ لیکن ملک میں بلا کی تنظیم اور اتحاد ہے۔ اس لئے آج کل کا ترکی سلطان عبدالحمید کے عہد کے ترکی سے زیادہ طاقتور ہے اور ۱۹۱۸ء کے افلاس زدہ اور شکست خوردہ ترکی کا تو اس زمانے کے خوشحال ترکی سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ آج اس کی رگوں میں صحت و توانائی کا خون دوڑ رہا ہے! اور ترقی کی اُمنگ اُسے اڑائے لیے جا رہی ہے +

البانیہ۔ البانیہ مشرقی یورپ کی ایک ریاست ہے۔ جس کے باشندے زیادہ تر مسلمان ہیں۔ یہ ریاست جو بلقان پر

Marfat.com

پر ترکانِ عثمانی کی حکمرانی کی یادگار ہے۔ یونان اور یوگوسلافیہ سے گھری ہوئی ہے۔ علاقہ کوہستانی ہے۔ اور لوگ بڑے تنومند اور جفاکش ہیں۔ اور سپہ گری تو اُن کی گھٹی میں پڑی ہے چنانچہ دوسری جنگِ عظیم میں جب اٹلی نے البانیہ پر حملہ کیا۔ تو البانویوں نے بڑی بہادری سے اطالویوں کے ٹڈی دل کا مقابلہ کیا تھا۔ البانیہ رُوس کے زیرِ اثر ہے۔ اور اس کی آبادی دس لاکھ سے کسی قدر زیادہ ہے ٭

افغانستان۔ جو علاقہ آج کل افغانستان کہلاتا ہے۔ اُس کا ایک بڑا حصّہ مُدّت تک ہندوستان کی سلطنتِ مُغلیہ میں شامل رہا ہے مُغلوں کے زوال کے زمانے میں ایران کے فرماں روا نادر شاہ نے اُسے فتح کر لیا۔ نادر شاہ کی وفات کے بعد اُس کے ایک سردار احمد شاہ ابدالی نے یہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کی۔ ابدالی کے خاندان میں زیادہ مدّت تک حکومت نہ رہی۔ اور افغانستان کی حکومت بارک زئی سردار دوست محمد خان کے ہاتھ آئی۔ اُس کے زمانے میں رُوسیوں اور انگریزوں کے درمیان افغانستان پر اقتدار قائم کرنے کے لئے کش مکش شروع ہوئی۔ اِس دوڑ میں انگریز آگے رہے۔ اور ۱۸۸۰ء میں انگریزوں نے امیر دوست محمد کے پوتے امیر عبدالرحمٰن کو افغانستان کی گدی پر بٹھایا۔ ۱۸۹۳ء میں افغانستان اور ہندوپاکستان کی حدود مقرر کرنے کے لئے سر مارٹیمر ڈیورینڈ کی صدارت میں ایک کمیشن مقرر ہوا چنانچہ اُس نے جو حد باندھی۔ وہ ڈیورینڈ لائن کہلاتی ہے اور پاکستان اور افغانستان کے درمیان حدِ فاصل سمجھی جاتی ہے۔ ۱۹۱۹ء میں امیر عبدالرحمٰن کے پوتے امان اللہ خان نے انگریزوں سے جنگ چھیڑ دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ افغانستان بالکل آزاد ہو گیا ٭

۱۹۲۷ء میں امان اللہ خان نے یورپ کی سیر کی۔ اِس سفر سے واپس آکر اُس نے اصلاحات کے نفاذ کا ارادہ کیا اور یورپ کے طور طریقوں کو اپنے مُلک میں رواج دینا چاہا۔ اس پر افغانستان کے قبائل بھڑک اُٹھے۔ اور بڑے زور کی بغاوت پھوٹ پڑی۔ امان اللہ کو مجبوراً حکومت سے دست بردار ہو کر جلاوطنی کی زندگی اختیار کرنی پڑی۔ اس کے جانے کے بعد کچھ عرصے تک مُلک میں بڑی ابتری پھیلی رہی۔ آخر کار جنرل نادر خان نے امن قائم کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور بہت سی اصلاحات نافذ کیں ۱۹۳۳ء میں نادر شاہ کا بیٹا ظاہر شاہ تخت پر بیٹھا۔ افغانستان کی آبادی تخمیناً ایک کروڑ بیس لاکھ ہے ٭

ایران۔ ایران میں یورپ کی سلطنتوں کا اثر اٹھارویں صدی ہی میں پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ افغانستان کی طرح یہاں بھی انگریز اور رُوسی ایک دوسرے کے حریف تھے۔ ناصر الدین شاہ قاچار کے عہدِ حکومت میں سیّد جمال الدّین افغانی کی کوششوں سے ایران میں ایک قومی تحریک شروع ہوئی جس کے سامنے دو مقصد تھے۔ ایک تو یہ کہ ایران میں دستوری حکومت قائم کی

Marfat.com

جائے۔ اور دوسرے یہ کہ ایران غیر ملکی اثر سے بالکل آزاد ہو جائے۔ اس تحریک نے ایسا زور پکڑا۔ کہ بیسویں صدی کے آغاز میں ناصر الدین شاہ قاچار کے جانشین مظفر الدین شاہ قاچار کو لوگوں کو مطالبات تسلیم کرنے پڑے اور ۱۹۰۶ء میں مجلس یعنی پارلیمنٹ قائم ہوئی لیکن انگریزوں کے قدم اچھی طرح اس ملک میں جم چکے تھے۔ کیونکہ پارلیمنٹ قائم ہونے سے پانچ برس پہلے یعنی ۱۹۰۱ء میں ایک برطانوی کمپنی نے ساٹھ برس کے لئے ایران کے تیل کا اجارہ حاصل کر لیا تھا۔

پہلی جنگِ عظیم کے شروع ہوتے ہی ایران نے غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ پھر بھی انگریزوں اور روسیوں نے اس ملک میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ ۱۹۲۶ء میں ایک فوجی افسر رضا خان نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور قاچار خاندان کو مٹا کر پہلوی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ برطانیہ، روس، عراق وغیرہ ممالک سے از سرِ نو معاہدے ہوئے۔ تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف توجہ کی گئی۔ اور ایران ترقی اور خوش حالی کے راستے پر گامزن نظر آنے لگا۔ دوسری جنگ عظیم کے زمانے میں پھر اس سرزمین کو مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ روس اور برطانیہ نے ایران پر قبضہ کر لیا۔ اور ۱۹۴۱ء میں رضا شاہ پہلوی کو اپنے بیٹے محمد رضا پہلوی کے حق میں دست بردار ہونا پڑا۔ ایران کے بادشاہ کو اپنے باپ کی طرح صنعت و حرفت کو فروغ دینے اور اس سرزمین کو یورپ کے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں کھڑا کر دینے کا بڑا شوق ہے۔ ملک میں بہت سی آئینی اور زرعی اصلاحات بھی کی گئی ہیں۔ ایران غیر ملکی اثر سے بالکل آزاد ہو چکا ہے۔ ایران کے وزیر اعظم ڈاکٹر محمد مصدق کی کوششوں کی بدولت تیل کے ذخیروں سے برطانوی کمپنی کا تسلط اٹھا دیا گیا ہے۔ وہ اب ایران کے لوگوں کی ملکیت ہیں۔ ایران کی آبادی ایک کروڑ ستر لاکھ ہے۔

عراق۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران میں برطانیہ نے عراق کے لوگوں کو عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ اور اس خدمت کے صلے میں ان سے یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ کہ جنگ کے بعد عراق کو آزاد کر دیا جائے گا۔ لیکن جنگ ختم ہوئی۔ تو سارے وعدے بھلا دیئے گئے۔ اور انگریزوں نے عراق میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس پر عراقی بگڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ آخر جمعیت اقوام کی نگرانی میں یہاں ایک قومی حکومت قائم ہوئی۔ عثمانی سلطنت کے خلاف بغاوت کرنے میں جن عرب سرداروں نے حصّہ لیا تھا۔ ان میں حجاز کے حاکم شریف حسین کا بیٹا فیصل پیش پیش تھا۔ اُسے عراق کا بادشاہ مقرر کیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں جمعیت اقوام کی نگرانی ختم ہوئی۔ برطانیہ اور عراق میں ایک معاہدۂ اتحاد ہوا جس کے رُو سے برطانیہ کو پچیس برس تک عراق کے ہوائی اڈوں اور ذرائع رسل و رسائل سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہو گیا۔

دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی۔ تو عراق کے معاملات بہت اُلجھے ہوئے تھے۔ فیصل کا جانشین شاہ غازی ۱۹۳۹ء

Marfat.com

میں انتقال کر چکا تھا۔ اس کا خورد سال بیٹا فیصل ثانی عراق کا بادشاہ تھا۔ لیکن ملک میں انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ بڑا قوی تھا۔ اِس لئے انگریزوں سے معاہدۂ اتحاد کے باوجود عراق اُن کا ساتھ نہ دے سکا۔ اور جنگ میں غیر جانبدار رہا۔ ۱۹۴۱ء میں رشید عالی گیلانی نے انگریزوں کو عراق سے بے دخل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکامی ہوئی۔ جنگ کے خاتمہ پر برطانیہ اور عراق کے معاہدۂ اتحاد پر نظر ثانی کی گئی۔ اور عراق کے ہوائی اڈوں، فوجی چھاؤنیوں اور ذرائع رسل و رسائل سے انگریزوں کا تسلط اُٹھ گیا۔ عراق کی آبادی پچاس لاکھ کے قریب ہے۔

شام اور لبنان۔ ترکانِ عثمانی کے عہدِ حکومت میں شام کے لوگوں کو اپنے مُلک کے اندرونی معاملات میں خاصی خود مختاری حاصل تھی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں شریف حسین کے بیٹے فیصل نے تُرکوں کو شام سے نکالا تھا۔ اِس لئے جنگ ختم ہوئی۔ تو شام میں فیصل کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ لیکن تھوڑے دنوں کے بعد فرانسیسیوں نے اُسے شام سے نکال کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ ۱۹۳۶ء میں فرانس نے پہلے شام سے اور پھر لبنان سے معاہدہ کیا۔ اور یہ طے پایا۔ کہ اِن دونوں علاقوں میں ذمہ دار حکومتیں قائم کر دی جائیں گی۔

۱۹۴۰ء میں فرانس نے جرمنی سے شکست کھا کر ہتھیار ڈال دیئے۔ تو شام و لبنان دونوں آزاد ہو گئے چنانچہ اتحادیوں نے ۱۹۴۱ء میں اِن دونوں ریاستوں کی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ جنگ کے ختم ہونے پر یہاں سے فوجیں بھی ہٹا لی گئیں۔ شام کی آبادی کوئی ۳۳ لاکھ ہے۔ اور لبنان کی ساڑھے بارہ لاکھ۔

اُردن۔ اُردن کی حکومت جو مدت تک شرق اُردن کی بادشاہت کہلاتی رہی ہے۔ برطانیہ کی سیاسی مصلحتوں کی بدولت عالمِ وجود میں آئی ہے۔ انگریزوں نے پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں شریف حسین سے وعدہ کیا تھا۔ کہ عراق، فلسطین، شام وغیرہ پر اُس کی اور اُس کے خاندان کے لوگوں کی حکومت قائم کی جائے گی۔ لیکن جنگ ختم ہوئی۔ تو کسی کو یہ وعدہ پورا کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ فیصل کو شام سے نکلنا پڑا۔ اور تو اور حجاز سے شریف حسین کے خاندان کا تسلط اُٹھ گیا۔ آخر انگریزوں نے شریفی خاندان کے آنسو پونچھنے کی یہ ترکیب نکالی۔ کہ دریائے اُردن سے مشرق کی طرف کا علاقہ شریف حسین کے ایک بیٹے امیر عبداللہ کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ مارچ ۱۹۲۱ء میں عبداللہ کو شرقِ اُردن کی مسندِ حکومت پر بٹھایا گیا۔ تاہم عبداللہ کی حکومت برائے نام تھی۔ عراق کی طرح یہ علاقہ بھی برطانیہ کی نگرانی میں تھا۔

دوسری جنگِ عظیم میں اُردن نے اتحادیوں کا ساتھ دیا۔ جنگ ختم ہو چکی۔ تو مئی ۱۹۴۶ء میں برطانیہ سے ایک معاہدہ ہوا

Marfat.com

جس کے رُوسے اُردن نے خود مختاری حاصل کر لی۔ اور امیر عبداللہ شاہ عبداللہ کہلانے لگا۔ اُس کے حوصلے تو بہت بڑھے ہوئے تھے یعنی وہ عراق، شام، لبنان اور اُردن کو ملا کے ایک خاصی وسیع حکومت کرنا چاہتا تھا لیکن موت نے یہ منصوبے پُورے کرنے کی مُہلت نہ دی اور ۱۹۵۱ء میں کسی نے اُسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد کئی اُلٹ پھیر ہوئے۔ آخر عبداللہ کا پوتا شاہ حسین اُردن کی مسندِ حکومت پر بیٹھا۔ اِس ریاست کی آبادی ساڑھے بارہ لاکھ کے قریب ہے ٭

فلسطین ۔ فلسطین کا معاملہ ہمیشہ بہت پیچیدہ رہا ہے۔ کیونکہ اس سرزمین میں انبیاءؑ کی بہت سی یادگاریں موجود ہیں۔ اور یہودی، عیسائی اور مسلمان تینوں اُسے احترام اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں اتحادیوں نے عربوں اور یہودیوں سے طرح طرح کے وعدے کر کے اُنہیں تُرکی اور جرمنی کی مخالفت پر آمادہ کر دیا تھا۔ عربوں کو تو یہ سبز باغ دکھایا گیا تھا۔ کہ تُرکی سے جو علاقے چھینے جائیں گے۔ اُنہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ اور یہودیوں سے یہ وعدہ ہوا تھا۔ کہ اُنہیں فلسطین میں بسایا جائے گا۔ ۱۹۲۰ء میں فلسطین پر برطانیہ کا انتداب قائم ہو گیا۔ یعنی یہ علاقہ انگریزوں کی ماتحتی اور نگرانی میں آگیا۔ یہودیوں سے جو وعدہ کیا گیا تھا۔ اب اُسے پورا کرنے کی طرف توجہ ہوئی۔ یعنی مختلف علاقوں سے یہودیوں کو لا لا کر یہاں بسایا جانے لگا۔ اِس پر عرب بہت بگڑے۔ لیکن انہیں مبہم وعدے کر کے ٹال دیا گیا ٭

اب فلسطین میں یہودی آبادکاروں کی لین ڈوری سی بندھ گئی۔ اور دُور دُور کے علاقوں سے یہودی آ آ کر آباد ہونے لگے اِس پر عربوں میں بڑا اضطراب پھیلا۔ فلسطین میں جگہ جگہ فسادات ہونے لگے۔ جن کا سلسلہ ۱۹۳۶ء تک جاری رہا۔ فلسطین کی گُتھی کو سُلجھانے کی کئی کوششیں کی گئیں۔ جو ناکام ثابت ہوئیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہ معاملہ انجمن اقوامِ متحدہ کے سامنے پیش ہوا۔ اُس نے فلسطین کی تقسیم کی ایک تجویز منظور کی۔ انگریز فلسطین کی حکومت سے دست بردار ہو گئے۔ برطانوی فوجیں وہاں سے چلی گئیں۔ اور یہودیوں نے موقع پا کر اس مُلک کے ایک بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اور اسرائیل کے نام سے یہاں یہودیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ عربوں نے اسرائیل کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہودیوں اور عربوں میں جنگ چھڑ گئی۔ آخر انجمن اقوامِ متحدہ نے بیچ بچاؤ کر کے عارضی صُلح کرا دی۔ لیکن ابھی تک اس جھگڑے کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ کیونکہ عرب اسرائیل کی نئی ریاست کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ٭

نجد و حجاز ۔ مملکت نجد و حجاز یعنی سعودی عرب کی حکومت کو قائم ہوئے زیادہ مدت نہیں ہوئی۔ اٹھارویں صدی میں جزیرہ نمائے عرب کے دوسرے حصّوں کی طرح نجد کا علاقہ بھی سلطنتِ عثمانیہ کے ماتحت تھا۔ اور محمد بن سعود یہاں

Marfat.com

کا حاکم تھا جس نے وسطی عرب کے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اُس کے عہدِ حکومت میں محمد بن عبدالوہّاب نے نجد میں ایک اصلاحی تحریک شروع کی۔ محمد بن سعود اور اُس کے جانشین اس تحریک کے پُرزور حامی تھے۔ اِن لوگوں نے جو عام طور پر وہابی کے نام سے مشہور تھے۔ بڑا زور پکڑا۔ اور مقاماتِ مقدسہ میں بڑی زیادتیاں بھی کیں۔ اس پر سُلطان تُرکی نے مِصر کے حاکم محمد علی پاشا کو اُن کی سرکوبی کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ تحریک دبا دی گئی۔ مِصری فوجوں کے چلے جانے کے بعد سعودی خاندان نے پھر آہستہ آہستہ خاصی طاقت حاصل کر لی۔ اور نجد پر اُس کا قبضہ ہو گیا۔

کچھ عرصے کے بعد ایک اور عرب سردار ابن رشید نے سعودیوں کے دار الحکومت ریاض پر قبضہ کر کے انہیں نجد سے نِکال دیا۔ لیکن ابن رشید کو زیادہ مُدّت تک نجد پر حکُومت کرنا نصیب نہ ہوا۔ سعودی خاندان کے ایک نوجوان عبدالعزیز ابنِ سعود نے ریاض کو فتح کر کے سارے نجد پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں ابن سعود نے حجاز پر چڑھائی کر کے شریف حسین کو اس علاقے سے نکال دیا۔ اور سنہ ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود نجد و حجاز کی نئی مملکت کے حکمران قرار پائے۔ یہ حکومت جو سعودی عرب بھی کہلاتی ہے۔ یمن، حضرموت، عمان، کویت، وغیرہ ریاستوں کو چھوڑ کر باقی سارے جزیرہ نمائے عرب پر پھیلی ہوئی ہے۔ سلطان ابنِ سعود کے عہد حکومت میں اس علاقے نے معاشری اور اقتصادی لحاظ سے بڑی ترقی کی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا۔ اس سرزمین میں تیل کے ذخیروں کا سُراغ ملا تھا۔ جن سے مملکت نجد و حجاز کو بڑی آمدنی ہونے لگی ہے۔ اور اس مُلک کی دولت میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔ اِس علاقے کی آبادی تخمیناً ساٹھ لاکھ ہے۔

یمن اور دوسری ریاستیں۔ نجد و حجاز کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب میں یمن، حضرموت، لحج، مسقط، کویت اور بحرین کی ریاستیں بھی ہیں۔ یمن کی ریاست جو جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصّے میں واقع ہے۔ سب سے بڑی ہے۔ اور اِس کی آبادی تیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ بغداد اور حجاز کی طرح یمن کا علاقہ بھی عثمانی سلطنت کا ایک صُوبہ سمجھا جاتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں انگریزوں کے اشارے پر عربوں نے بغاوت کر دی۔ لیکن یمن کے حاکم امام یحییٰ اِس بغاوت میں شامل نہ ہوئے اور بدستور تُرکوں کی وفاداری اور ہوا خواہی کا دم بھرتے رہے۔ جنگ کے بعد یہ علاقہ آزاد ہو گیا۔ اور امام یحییٰ نے یہاں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔

عدن کا علاقہ انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ یمن اور عدن کے درمیان لحج کی ریاست ہے۔ جو ایک زمانے میں یمن ہی کا ایک حصّہ سمجھی جاتی ہے۔ یہ ریاست دو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹی ہوئی ہے۔ مسقط، عمان، کویت اور بحرین کی ریاستیں خلیج فارس کے ساحل پر واقع ہیں۔ کویت اور بحرین کو تیل کے ذخیروں نے بڑا دولت مند بنا دیا ہے۔ یہ ساری ریاستیں

Marfat.com

کویت کا ایک مسلمان جہاز ساز

انگریزوں کے زیرِ اثر ہیں ٭

مصر اور سوڈان۔ مصر کے عہدِ جدید کی تاریخ محمد علی پاشا کی حکومت کے آغاز یعنی ۱۸۰۵ء سے شروع ہوتی ہے۔ یہ شخص بڑا مستعد اور لائق حکمران تھا چنانچہ جب تک وہ زندہ رہا مصر کی حکومت بڑے عروج پر رہی لیکن اُن کے جانشینوں نے یورپ کی سلطنتوں سے قرض لینا شروع کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مصر میں یورپ والوں کا اثر بہت بڑھ گیا۔ مصریوں کو اپنے ملک کے معاملات میں یورپ کا دخل بہت ناگوار تھا چنانچہ سیّد جمال الدّین افغانی کے اثر سے اِس سرزمین میں ایک قومی تحریک شروع ہوئی جس کا حال بیان ہو چکا ہے۔ ۱۸۸۱ء میں اعرابی پاشا نے بغاوت کی۔ اور برطانیہ کو اِس ملک میں فوجیں اتارنے کا بہانہ ہاتھ آگیا۔ مصر میں انگریزوں کا اقتدار اسی تاریخ سے شروع ہوتا ہے۔ اب قاہرہ میں برطانیہ کی طرف سے ایک قونصل جنرل مقرر کیا گیا۔ عملی طور پر نظم و نسق کی باگ ڈور اُسی کے ہاتھ میں تھی ٭

مصر سے ملا ہوا سوڈان کا علاقہ ہے۔ یہاں سیّد محمد المہدی نے عَلَمِ جہاد بلند کر کے انگریزوں کو اِس سرزمین سے بالکل

Marfat.com

نکال دیا۔ کئی برس کے بعد یعنی ۱۸۹۸ء میں برطانوی اور مصری فوجوں نے سُوڈان کو فتح کیا۔ مصر اور برطانیہ میں ایک معاہدہ ہوا۔ جس کے رُو سے سوڈان پر مصر کی حکومت تسلیم کر لی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی طے پایا۔ کہ برطانیہ اور مصر دونوں مِل کر سُوڈان کا نظم و نسق چلائیں گے۔

پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی۔ تو سارے مصر میں مارشل لا نافذ کر دیا گیا۔ مصر پُوری طرح برطانیہ کے سایۂ حمایت میں آگیا۔ اور ترکی سے اُس کا کوئی تعلق نہ رہا۔ ان دنوں اس سرزمین میں حُبّ وطن کے جذبے نے بڑا زور پکڑا۔ وفد المصری کے نام سے سعد زاغلول پاشا کی قیادت میں ایک نئی قومی جماعت قائم ہوئی۔ اِس جماعت کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ مصر اور سوڈان کو پوری طرح آزاد کر دیا جائے۔ اور برطانوی فوجیں مصر سے نکل جائیں۔ جنگ کے بعد مصر کے نظم و نسق میں انگریزوں کا دخل زیادہ ہوگیا۔ اور زاغلول پاشا کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اب مصری محبّ وطن بڑے زور سے اُٹھے۔ جگہ جگہ ہنگامے ہوئے۔ آخر کئی کانفرنسوں کے بعد برطانیہ نے مصر کی خود مختاری تو تسلیم کر لی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے پایا۔ کہ جب تک مصر کے دفاع، نہرِ سویز کی حفاظت اور سوڈان کی حکومت کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہوتا۔ کچھ اختیارات انگریزوں کے قبضے میں رہیں۔ فواد اوّل مصر کے پہلے خود مختار حکمران کی حیثیت سے مسندِ حکومت پر بیٹھا۔ اور سعد زاغلول پاشا نئے آئین کے ماتحت وزیرِ اعظم منتخب ہوئے۔ لیکن انگریزوں نے جو اختیارات اپنے قبضے میں کر رکھے تھے۔ ان کی وجہ سے مصر کی خود مختاری بالکل بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ ۱۹۳۶ء میں ایک اور معاہدہ ہوا۔ لیکن مصر کے قوم پرستوں کو یہ معاہدہ مطمئن نہ کر سکا۔ کیونکہ اُس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی۔ کہ نہرِ سویز کا علاقہ ۲۰ برس تک برطانیہ کے قبضے میں رہے گا۔ آخر دوسری جنگِ عظیم کے بعد مصر کی پارلیمنٹ نے اِس معاہدہ کو مُسترد کر کے یہ مطالبہ کیا۔ کہ نہرِ سویز کے علاقے سے برطانوی فوجیں ہٹالی جائیں۔ مصر کے حکمران شاہ فارُوق کے نام کے ساتھ "شاہِ مصر و سوڈان" لکھا جانے لگا۔ انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ بڑے زور سے اُبھرا۔ اور سارے مُلک میں جا بجا ہنگامے ہوئے۔

اِس زمانے میں نحاس پاشا مصر کے وزیرِ اعظم تھے۔ شاہ فارُوق نے اِن ہنگاموں سے فائدہ اُٹھا کر نحاس پاشا کی وزارت کو برطرف کر دیا۔ اور اُس کے بجائے اپنے ڈھب کے وزیر مقرر کئے۔ شاہ فارُوق کی حکومت ایک تو مطلق العنان تھی۔ دوسرے نظم و نسق میں طرح طرح کی خرابیاں موجُود تھیں۔ اِس لئے لوگ بادشاہ سے بہت ناراض تھے۔ آخر ۱۹۵۲ء میں

اسوان کا عظیم الشان بند۔ یہ بند مصر میں دریائے نیل پر باندھا گیا ہے ←

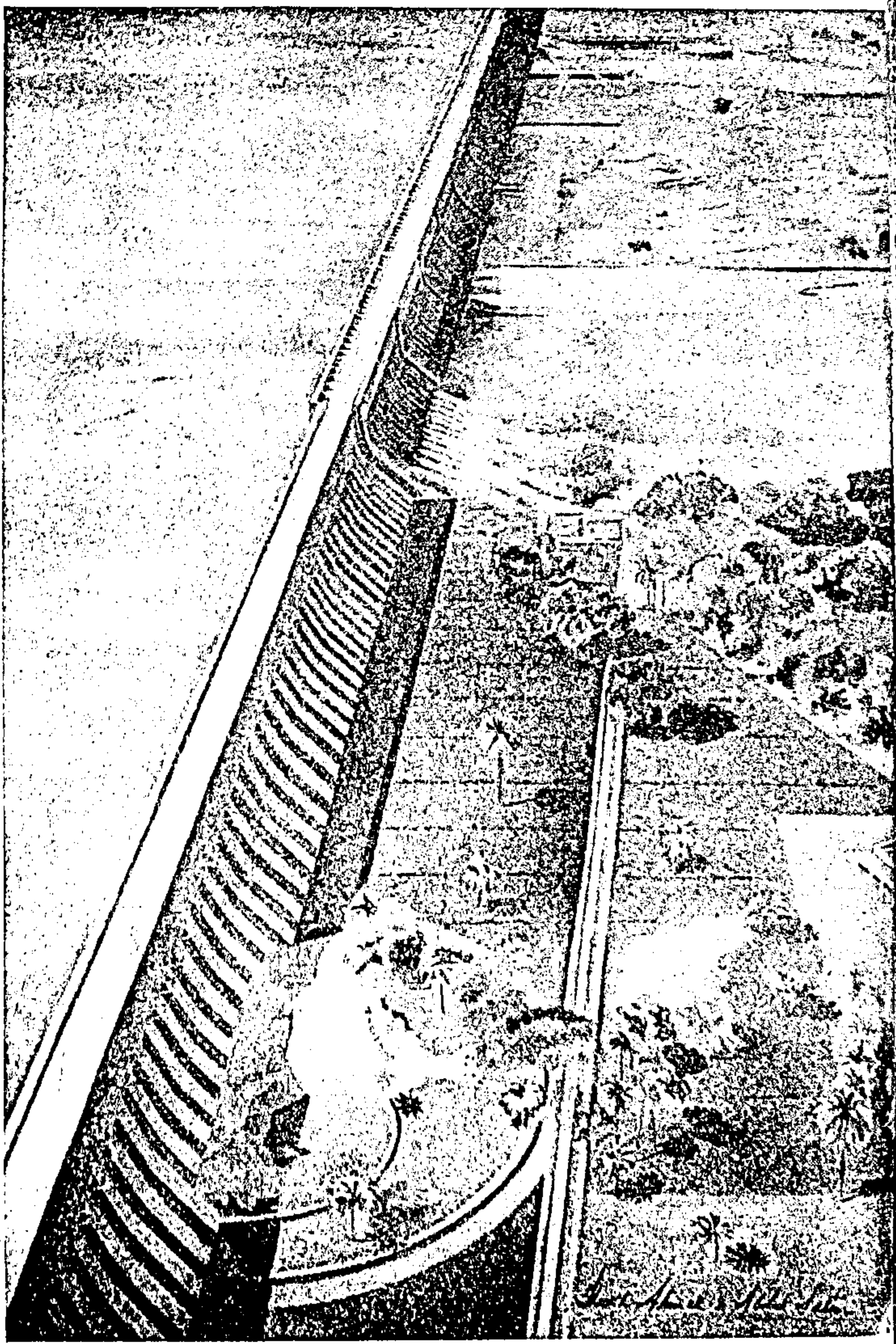

Marfat.com

محبِّ وطن فوجی افسروں کی ایک جماعت نے جنرل نجیب کی سرکردگی میں انقلاب کا عَلم بلند کیا۔ شاہ فاروق کو حکومت سے دست بردار ہو کر جلاوطنی کی زندگی اختیار کرنی پڑی۔ اور سارے اختیارات جنرل نجیب کے قبضے میں آگئے۔ ۱۹۵۳ء میں بادشاہت کو مٹا کر مصر میں جمہوری حکومت قائم کر دی گئی۔ اس وقت سے مصر زندگی کے ہر شعبہ میں بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ اور برطانیہ نہر سویز کے علاقے سے اپنی فوجیں ہٹانے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ البتہ ابھی تک اس علاقے کو خالی کرنے کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی۔ سوڈان کو حکومت خود اختیاری مل گئی ہے۔ اور یہ بات اُس کی مرضی پر چھوڑ دی گئی ہے۔ کہ چاہے وہ مصر میں شامل ہو جائے۔ یا اس سے الگ رہے۔ سوڈان کی آبادی اسّی لاکھ ہے۔ اور مصر کی آبادی ایک کروڑ نوّے لاکھ کے قریب ہے۔

الجزائر۔ تونس اور مراکش۔ شمال مغربی افریقہ کو عرب "المغرب" یا مغرب اقصیٰ کہتے ہیں۔ اس علاقے کے لوگ جو بربری نسل سے ہیں۔ ساتویں صدی میں مسلمان ہوئے تھے۔ اُن کے علاوہ بہت سے عرب خاندان بھی یہاں آباد ہو گئے تھے۔ تمہیں یہ معلوم ہے۔ کہ اسی علاقے کے لوگ تھے۔ جنہوں نے افریقہ کے ساحلی علاقوں سے اُٹھ کر یورپ میں ہل چل ڈال دی تھی۔ ۱۸۳۰ء میں فرانس نے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے بہانے سے الجزائر کے ساحل پر فوجیں اُتاریں۔ اور آہستہ آہستہ سارے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۸۱ء میں فرانسیسیوں نے اسی قسم کا بہانہ تراش کے تونس پر بھی تسلط قائم کر لیا۔

الجزائر کی جامع مسجد کا اندرونی حصّہ

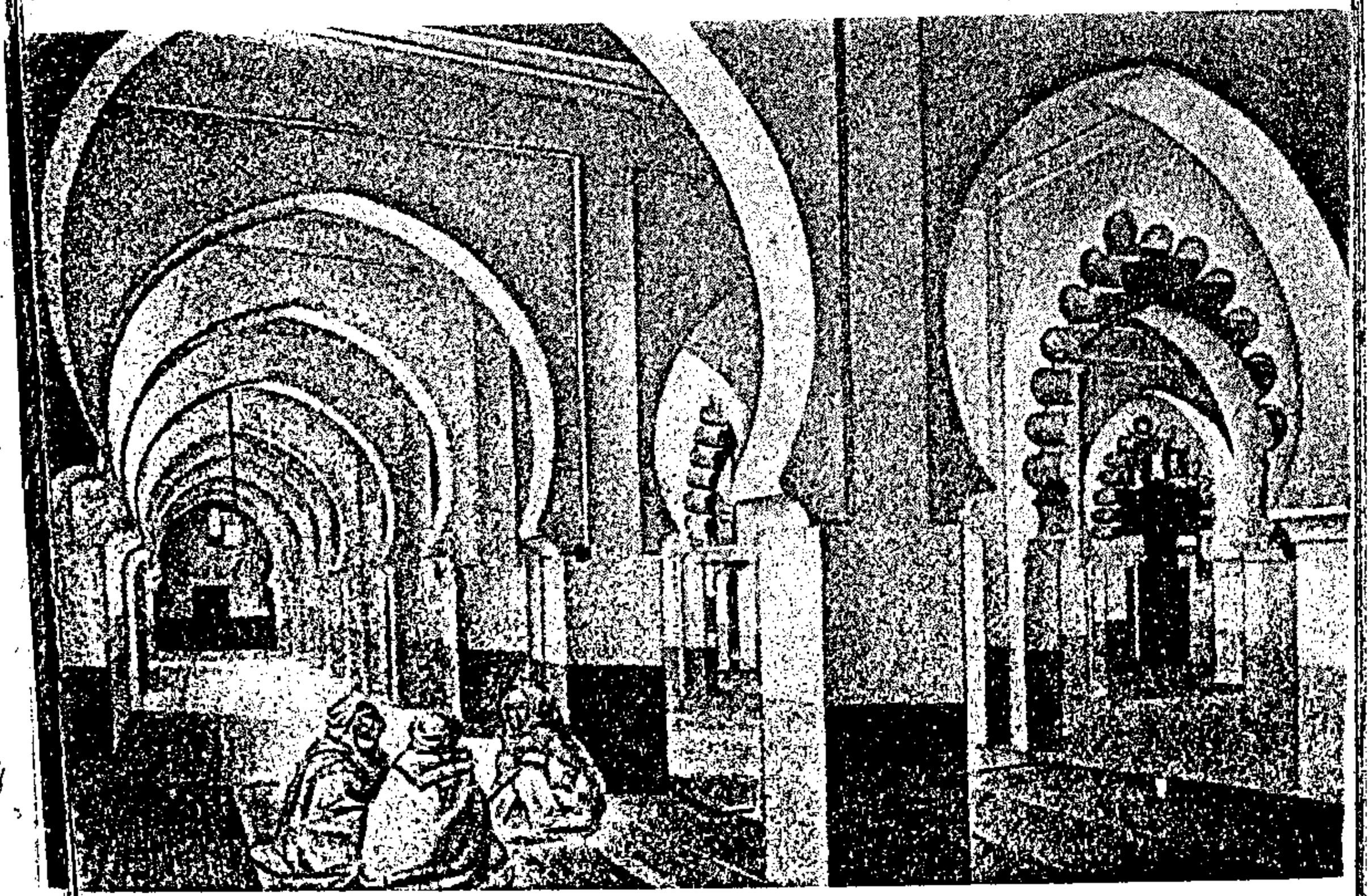

Marfat.com

اس زمانے سے یہ دونوں علاقے فرانسیسیوں کی ماتحتی میں چلے آتے ہیں +

تونس اور الجزائر پر قبضہ کرنے کے بعد فرانسیسی مراکش کی طرف بڑھے۔ اس علاقے کے ایک حصّے میں ہسپانوی پہلے ہی قدم جما چکے تھے۔ ان دنوں مراکش میں خانہ جنگی برپا تھی۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر فرانسیسیوں نے سلطان مراکش سے جنگ چھیڑ دی۔ اور ۱۹۱۲ء میں ایک بہت بڑے علاقہ پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ اسی سال فرانس اور ہسپانیہ میں ایک معاہدہ ہوا جس کے رُو سے مراکش کے شمال مغربی علاقے پر ہسپانیہ کا تسلّط تسلیم کر لیا گیا +

فرانس کی حکومت بڑی جابرانہ تھی۔ اِس لئے سارے مغرب میں بڑا اضطراب پھیل گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں ریف کے کوہستانی علاقے کے مشہور رہنما غازی عبدالکریم نے آزادی کی تحریک شروع کی۔ اور لوگوں کے دِلوں میں بلا کا جوش بھر دیا۔ ان دلاوروں نے پہلے ہسپانیہ کی فوجوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ پھر فرانسیسیوں پر یلغار بول دیا لیکن فرانس اور ہسپانیہ متّحد ہو گئے۔ بڑے خونریز معرکوں کے بعد یہ بغاوت کُچل دی گئی۔ اور تحریک آزادی کے رہنما غازی عبدالکریم جلاوطن کر دیئے گئے جب مغرب اقصٰے کے لوگوں نے دیکھا۔ کہ تلوار کے زور سے آزادی حاصل کرنا مشکل ہے۔ تو آئینی ذریعے اختیار کئے۔ جماعت دستور کے نام سے قومی مجالس قائم ہوئیں۔ اور ذمہ دار حکومت کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں اِن لوگوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ اور یہ اُمّید ہو چلی تھی۔ کہ جنگ کے خاتمے پر ضرور اُنہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ اگرچہ اس جنگ نے کئی سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیئے۔ اور کئی علاقے آزاد ہو گئے۔ لیکن مغرب کے وطن پرستوں کی اُمید نہ بر آئی۔ اور انجمن اقوام متّحدہ نے بھی اُن کے مطالبہ کی حمایت نہ کی۔ مغرب اقصٰے کے اِن تینوں ملکوں کی مجموعی آبادی دو کروڑ بیس لاکھ کے قریب ہے +

لیبیا۔ لیبیا بھی مغرب ہی کا ایک حصّہ ہے۔ یہ علاقہ تین حصّوں میں منقسم ہے۔ سائرانیکا، فیضان اور طرابلس، بیسویں صدی کے شروع تک یہ علاقہ تُرکوں کے قبضے میں رہا۔ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے اس پر قبضہ کر لیا۔ دُوسری جنگ عظیم میں اِٹلی نے شکست کھائی۔ تو لیبیا انجمن اقوامِ متّحدہ کی نگرانی میں آگیا۔ ۱۹۵۲ء میں اسے آزادی ملی۔ اور امیر سنّوسی کو اس علاقے کا حکمران مقرر کیا گیا۔ لیبیا کی آبادی دس لاکھ کے قریب ہے +

انڈونیشیا۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو ہالینڈ کے تاجروں کی ایک جماعت تھی۔ جزائر شرق الہند پر قبضہ کیا۔ ۱۷۹۸ء میں ہالینڈ کی حکومت نے اِس سرزمین کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ ہالینڈ والوں

Marfat.com

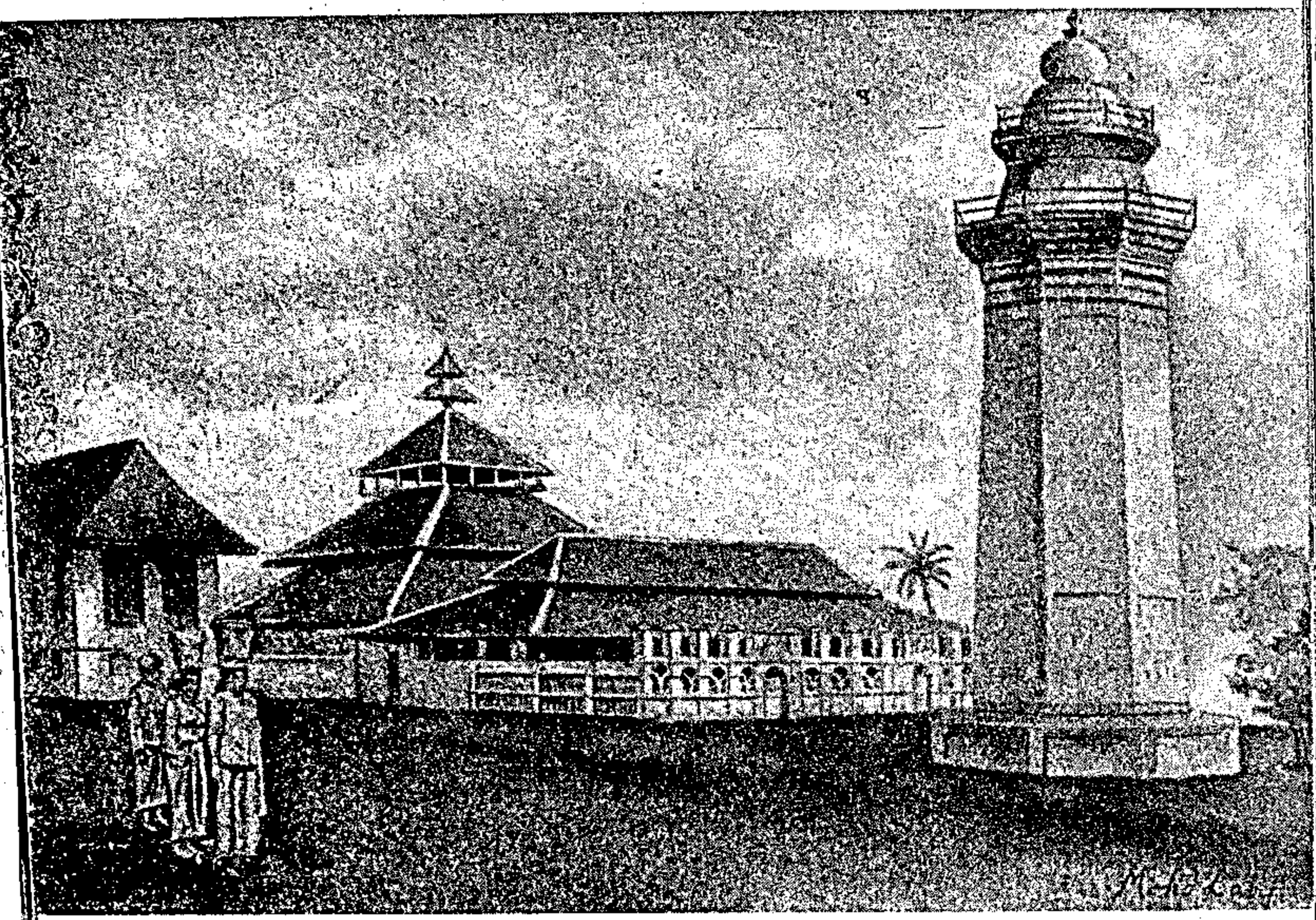

جاوا کی ایک مسجد

نے جزائر شرق الہند پر اِس لئے قبضہ کیا تھا۔ کہ ان کی تجارت سے فائدہ اُٹھائیں چنانچہ انہوں نے اِن زرخیز ٹاپوؤں کی دولت سے خُوب ہاتھ رنگے ؛

انڈونیشیا یعنی جزائر شرق الہند کے باشندوں کے دِلوں میں آزادی کا جذبہ تو شروع سے تھا۔ لیکن ہالینڈ والوں نے اُسے اُبھرنے کا موقع نہ دیا تھا چنانچہ یہ جذبہ کہیں بیسویں صدی کے آغاز میں اُبھرا۔ سیاسی انجمنیں قائم ہوئیں۔ اور جو خیالات مدّتوں سے دِلوں میں دبے ہوئے تھے۔ وہ برملا زبانوں پر آنے لگے۔ شروع شروع میں اِن انجمنوں کی سرگرمیوں کا دائرہ مذہبی معاشری، اور اقتصادی معاملات تک محدُود تھا۔ کیونکہ انڈونیشیا کی ڈچ حکومت نے قلم اور زبان پر پہرے بٹھا رکھے تھے۔ اور ان انجمنوں کو اپنی سرگرمیوں کے محدود دائرے سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں ان میں سے ایک انجمن پوری طرح سیاسیات کے سانچے میں ڈھل گئی۔ یعنی اُس نے سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کر کے اِنڈونیشیا کے لئے حکومت خود اختیاری کا مطالبہ پیش کر دیا۔ سنہ ۱۹۱۷ء میں اُس نے ایک قدم اور بڑھایا۔ اور مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا ؛

اِن جزیروں میں اشتراکی خیالات تو پہلی جنگِ عظیم ہی میں پھیلنے شروع ہوگئے تھے جنگ کے ختم ہونے کے بعد اقتصادی زبوں حالی کا جو دَور شروع ہوا۔ اُس نے لوگوں کے جذبات کو ایسا برانگیختہ کیا۔ کہ وہ بگڑ کر ہالینڈ والوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۷ء تک جگہ جگہ ہنگامے ہوئے۔ ڈچ حکومت نے اِس موقع پر بڑی سختی برتی۔ اور اِن ہنگاموں کو اس طرح دبایا۔ کہ بظاہر لوگوں میں پھر اُٹھنے کی سکت باقی نہ رہی۔ لیکن اندر ہی اندر آگ برابر سُلگ رہی تھی۔ اور ڈاکٹر سوئیکارنو، ڈاکٹر حتّٰی اور سوتن شہریر کی قیادت میں آزادی کی جدوجہد جاری تھی۔ دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں نے انڈونیشیا پر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء تک اِن جزیروں پر اُن کی حکومت قائم رہی۔ اگست ۱۹۴۵ء میں جاپان نے ہتھیار ڈالے۔ تو انڈونیشیا نے اپنی آزادی کا اعلان کردیا۔ ہالینڈ پہلے تو انڈونیشیا کی آزادی تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا لیکن بڑے لڑائی جھگڑوں اور بحث مباحثوں کے بعد جنوری ۱۹۴۸ء میں اُسے انڈونیشیا کی خودمختاری تسلیم کرنی پڑی۔ انڈونیشیا کی آبادی ۷ کروڑ ۸۰ لاکھ کے قریب ہے +

پاکستان۔ مغلوں کی حکومت کے زوال اور یوروپی تاجروں کے عروج کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت بھی خراب ہوگئی۔ اُنہوں نے اِس سرزمین کے نئے حکمرانوں یعنی انگریزوں کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ بلکہ شروع شروع میں تو اُن سے بالکل الگ تھلگ رہے تھے۔ ہندوؤں نے اِس موقع سے بڑا فائدہ اُٹھایا۔ یعنی سرکاری محکموں پر چھا گئے جب مسلمانوں کو ملازمتیں حاصل کرنے کا خیال آیا۔ ہندو اُن سے بہت آگے نکل چکے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ مسلمانوں میں یہ احساس عام ہوتا گیا۔ کہ انہیں ایک متّحدہ محاذ قائم کرلینا چاہیئے۔ ورنہ وہ ہندوؤں سے جو تعداد میں بھی اُن سے بہت زیادہ ہیں۔ دولت اور تعلیم میں بھی آگے ہیں۔ ہمیشہ دبے رہیں گے +

دراصل مسلمانوں کے اتحاد و تنظیم کی کوششیں بہت مُدّت سے جاری تھیں۔ اٹھارویں صدی میں شاہ ولی اللہ نے مسلمانوں کو اس طرف متوجّہ کیا۔ انیسویں صدی میں سیّد احمدؒ بریلوی یہی مقصد لے کر اُٹھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد سید احمد خان نے اپنی تحریک شروع کی۔ اگرچہ اُنہوں نے زیادہ تر مسلمانوں کی تعلیم پر زور دیا۔ تاہم اُن کی تحریک صِرف تعلیمی ہی نہیں۔ بلکہ سیاسی اور اصلاحی بھی تھی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں مسلم لیگ قائم ہوئی۔ اور ایک خالص سیاسی تحریک شروع کی گئی +

ہندو اور مسلمانوں دونوں ہندوستان سے انگریزوں کی عملداری اُٹھا دینا چاہتے تھے۔ آزادی کی جدوجہد میں دونوں نے حصّہ لیا تھا۔ تاہم کچھ عرصے کے بعد مسلمانوں کو اِس بات کا یقین ہوگیا۔ کہ اس سرزمین کو آزادی ملی۔ تو اقلیت میں ہونے کی وجہ سے انہیں ہندوؤں سے دَب کے رہنا پڑے گا چنانچہ یہ کوشش ہونے لگی۔ کہ آزادی ملے۔ تو مسلمان بالکل ہندوؤں کے محکوم ہو کر

Marfat.com

نہ رہ جائیں۔ اس جدوجہد میں مسلمانوں کی عنانِ قیادت قائدِ اعظم محمد علی جناح کے ہاتھوں میں تھی۔ آخر مسلمانوں نے یہ مطالبہ پیش کیا۔ کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریّت ہے۔ انہیں مِلا کے مسلمانوں کی ایک علیحدہ حکومت قائم کر دی جائے۔ یعنی جزیرہ نمائے ہند کے دو حصّے کیے جائیں۔ ایک حصّے میں مسلمانوں کی حکومت ہو۔ دوسرے میں ہندوؤں کی۔ مارچ سنہ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں ہوا تھا۔ اُس میں اِس مضمون کی قرارداد منظور کی گئی۔ اور پاکستان مسلمانوں کا نصب العین قرار پایا۔ لیگ کے پلیٹ فارم سے جو صدا بلند ہوئی تھی۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ اِس سرزمین کے ہر گوشے میں پھیل گئی۔ اور شہر و دیہات اِس سے گونج اُٹھے۔

بالآخر ۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو برطانوی عملداری ختم ہو گئی۔ اور پاکستان کی مملکت عالمِ وجود میں آئی۔ لیکن اس نئی مملکت کو شروع شروع میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلے فسادات کا طوفان اُمڈا۔ اور بڑی خونریزی ہوئی۔ پھر آبادی کے تبادلہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ پاکستان سے ہندو اور سکھ نکل کے بھارت چلے گئے۔ اور بھارت سے مسلمان اُٹھ کے پاکستان چلے آئے۔ چنانچہ اِتنی بڑی آبادی کے تبادلے کی مثال دُنیا کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان مشکلات کے باوجود پاکستان کی نئی مملکت کی بُنیادیں مستحکم ہیں۔ اور وہ بڑی ترقی کر رہی ہے۔ پاکستان کی آبادی ساڑھے سات کروڑ سے زیادہ ہے ٭

سوویٹ رُوس کی جمہوری ریاستیں

سوویٹ رُوس کے بہت سے علاقوں میں مسلمانوں کی

رُوسی علاقے کی ایک مسلمان عورت

Marfat.com

اکثریت ہے جن میں کرغیزیہ، تاجیکستان، ازبکستان، کازاکستان، ترکمانستان اور آذربائیجان کی جمہوری ریاستیں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ کرغیزیہ ایک کوہستانی علاقہ ہے۔ جو تین شان اور الطائی کے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اِس علاقے کی آبادی صرف پندرہ لاکھ ہے۔ اِس سے جنوب کی طرف ہٹ کر تاجیکستان کی ریاست ہے۔ اس کی آبادی کرغیزیہ جتنی ہے+ ترکمانستان کی آبادی اِن دونوں سے بھی کم یعنی صرف بارہ لاکھ ہے۔ اس کی سرحد افغانستان اور ایران دونوں سے ملتی ہے۔ مرو کا شہر جو ایک زمانے میں اسلامی تہذیب کے بڑے بڑے مرکزوں میں شمار ہوتا تھا۔ اِسی ریاست میں ہے۔ ازبکستان جس کے ڈانڈے افغانستان سے ملتے ہیں۔ بڑا وسیع علاقہ ہے۔ اس کی آبادی تیس لاکھ ہے۔ بخارا اور سمرقند جن کی عظمت کی داستانوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اِسی ریاست ہی میں واقع ہیں۔ کازاکستان یا کازاخستان اس علاقے کی ایک اور جمہوری ریاست ہے جس کی آبادی ساٹھ لاکھ ہے۔ بحیرۂ خزر سے مشرق کی جانب آذربائیجان کی ریاست ہے۔ جسے آرمینیا اور گرجستان نے گھیر رکھا ہے۔ اِس کی آبادی ۳۳ لاکھ ہے +

دُنیا کے دُوسرے حصّوں کے مُسلمان ۔ دُنیا بھر میں مسلمانوں کی آبادی چالیس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ گویا مسلمان دنیا کی آبادی کا ۱/۴ حصّہ ہیں بعض علاقوں میں اُن کی خود مختار حکومتیں قائم ہیں بعض علاقوں میں اُن کی اکثریت ہے لیکن حکومت پر دوسری قوموں کا قبضہ ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے علاقے ایسے بھی ہیں۔ جہاں مسلمان خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ تاہم اُن کی گنتی دوسری قوموں سے کم ہے +

ایشیا میں بہت سے مُلک ایسے ہیں۔ جہاں کثرت سے مُسلمان آباد ہیں۔ مثلاً بھارت میں جو مسلمان آباد ہیں۔ اُن کی گنتی چار کروڑ کے قریب ہے۔ چین کی اسلامی آبادی کی تعداد کا صحیح اندازہ تو نہیں کیا جا سکا۔ تاہم چین میں بھی کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ اور اِس مُلک کے بعض علاقے ایسے بھی ہیں۔ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے مثلاً سن کیانگ کے صوبے میں جو چینی ترکستان بھی کہلاتا ہے مُسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں۔ اِس صُوبے کی آبادی چالیس لاکھ سے کسی قدر کم ہے۔ کاشغر اور خُتن کے مشہور شہر اسی علاقے میں واقع ہیں۔ رُوس کے جن علاقوں میں مُسلمانوں کی اکثریت ہے۔ اُن کا حال تم پڑھ چکے ہو۔ اُن کے علاوہ رُوس کے اکثر دوسرے حصّوں میں مسلمان خاصی تعداد میں آباد ہیں۔ فلپینز کے جزیروں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اور بعض جزیروں میں تو مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ تھائی لینڈ کے جنوبی اضلاع میں بھی زیادہ تر ملائی نسل کے مسلمان آباد ہیں۔ اراکان، برما اور سیلون میں بھی مسلمانوں کی تعداد خاصی ہے۔ جزیرہ نمائے ملایا اسلامی مُلک ہے۔ اور ایک زمانے میں یہاں مسلمانوں کی اکثریت

Marfat.com

تھی۔ لیکن اب یہاں مسلمانوں کی تعداد نصف سے کسی قدر کم ہے ٭

سُمالی لینڈ جسے برطانیہ، فرانس اور اٹلی نے تین حصّوں میں بانٹ رکھا ہے مسلمانوں کا مُلک ہے۔ ایبے سینیا میں حبشہ، اریٹیریا، زنجبار، نائیجیریا، جنوبی افریقہ، مارشیس، مڈغاسکر وغیرہ کے علاوہ افریقہ کے دوسرے حصّوں میں بھی خاصی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔ پھر بہت سے مسلمان جزیرہ نمائے بلقان، بحیرہ روم کے جزیروں، اور مشرقی اور جنوبی یورپ کے اکثر مُلکوں میں ابھی تک آباد ہیں۔ اور تو اور مغربی یورپ کے بعض مُلکوں، امریکہ کے بعض حصوں مثلاً ریاست ہائے متّحدہ اور برٹش گی آنا وغیرہ میں بھی مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ نظر آجاتے ہیں ٭

یہ چالیس کروڑ مسلمان جو کرۂ ارض کے دُور و دراز گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں مختلف نسلوں اور قوموں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کی زبان، لباس اور چال ڈھال میں بھی بڑا فرق نظر آتا ہے۔ پھر بھی اُن میں بہت سی باتیں ایک جیسی ہیں۔ آج دُنیا کے مختلف حصّوں کے مسلمانوں میں نیا شعور اور نئی آگہی پیدا ہو چکی ہے۔ وہ دُنیا کے بدلے ہوئے حالات اور اُن کے تقاضوں اور ضرورتوں سے پُوری طرح باخبر ہیں۔ اُنہیں اپنے ماضی پر فخر ہے۔ اور مستقبل روشن اور تابندہ نظر آرہا ہے ٭

Marfat.com

تاریخ اسلام

زمانہ قبل از اسلام سے عہدِ حاضر تک

مرتبین: محمود الحسن صدیقی
چراغ حسن حسرت
ریاض الاسلام

Marfat.com